بحث و تحقیق، سیرت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوّف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارفِ بہلوی

جلد دوم

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

بحث وتحقیق، سیرت وتفسیر، سلوک واحسان اور تصوف وتکشف
کے حقائق ومعارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

ترتیب وتسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

نام کتاب: ــــــــــــ معارفِ بہلویؒ

تالیف: ــــــــــــ حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

ترتیب وتسہیل: ــــــــــــ مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب

تاریخِ اشاعت: ــــــــــــ جولائی ۲۰۰۶ء

قیمت: ــــــــــــ

ناشر: ــــــــــــ مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: ــــــــــــ جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون: 2780340 - 2780337

اجمالی فہرست

فہرست

القول الوجیز فی اُصول کلام العزیز

تحفۃ الفقیر الی اللہ حج کے اَحکام ومسائل ۳۰۱

آدابُ الدعا یعنی دُعا کے آداب

كتاب الادعية والتعويذات ۳۷۷

قوانین تعلیم و تربیتِ طلباء

یعنی

طلبا کی تعلیم و تربیت کے اصول

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ وَعَلَّمَہُ الۡبَیَانَ وَفَضَّلَہٗ بِالۡعِلۡمِ وَالۡعَمَلِ عَلٰی جَمِیۡعِ الۡعَالَمِ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الۡعَرَبِ وَالۡعَجَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ یَنَابِیۡعِ الۡعُلُوۡمِ وَالۡحِکَمِ، اَمَّا بَعۡدُ!

اس وقت کے طلباء کرام اکثر و بیشتر باوجود جدوجہد وسعیٔ بلیغ کے یا تو تکمیلِ علم سے محروم رہتے ہیں یا علم کے فوائد وثمرات سے بے نصیب ہوجاتے ہیں، نہ دین کے رہتے ہیں، نہ دُنیا کے۔ بعض تو دُنیاداروں کی کاسہ لیسی و چاپلوسی سے پیٹ بھرتے ہیں، اور بعض غلط روایات، موضوع اخبار، بے سند احادیث، مؤوّل معانیٔ قرآن، اشعارِ دِلربا، تصوف کے مقامات اور من گھڑت کرامات کے بیان سے عوام الناس کو خوش کرکے عزّت و جاہ اور مال و دولت حاصل کرتے ہیں، اور بعض تعویذ دہی سے پیر و مرشدِ خلق ہوجاتے ہیں، اور بعض راگ باجا، وجد اور رقص کا جذبہ دِکھاکے خداع ومکر (دھوکا اور فریب) کرکے وجاہت پاتے ہیں، لیکن قرآن و حدیث اور علمِ فقہ و اُصولِ فقہ کو بالائے طاق رکھ کر عمل و اِخلاص سے محروم ہوکر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو قواعد وضوابط، شرائط و ارکان اور واجبات کی

رعایت سے حاصل نہ کیا جائے، اس کے نتائج وثمراتِ صحیحہ سے اکثر محرومی ہی حاصل ہوتی ہے، اسی لئے کتبِ معتبرہ ومسموعاتِ اساتذۂ کرام سے تعلیم وتعلّم کے آداب سے متعلق چند معروضات، طلباء کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، شاید مؤلف و قارئین کو اللہ تعالیٰ نقصان سے بچالے اور اپنی رحمت وفضل سے دُنیوی و اُخروی فوائد سے نواز دے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اس میں چند فصول ہیں:

فصلِ اوّل: علم کی فضیلت وتعریف میں۔

فصلِ دوم: تحصیلِ علم میں نیت کی دُرستی میں۔

فصلِ سوم: کون سا علم پڑھے اور اُستاذ کیسے ہوں؟ اور شریکِ سبق کے ساتھ برتاؤ میں۔

فصلِ چہارم: علم اور علماء کی عزّت میں۔

فصلِ پنجم: علم میں سعی اور دوامِ طلب اور ہمت میں۔

فصلِ ششم: سبق کتنے ہوں اور کیا ترتیب ومقدار ہو۔

فصلِ ہفتم: توکل میں۔

فصلِ نہم: شفقت ونصیحت میں۔

فصلِ دہم: استفادہ میں۔

فصلِ یازدہم: پڑھنے کے وقت ورع وتقویٰ میں۔

فصلِ دوازدہم: وہ چیزیں جو حفظ میں معین ہیں، اور وہ چیزیں جو نسیان کا موجب ہیں۔

فصلِ سیزدہم: وہ چیزیں جو رزق بڑھاتی ہیں اور جن سے رزق تنگ ہوجاتا ہے، وغیر ذالک۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

فصلِ اوّل:

علم کی فضیلت وتعریف میں:

علم کی شرافت و عزّت و وقعت کسی پر مخفی نہیں ہے، جہل و لاعلمی کو کون بُرا نہیں سمجھتا؟ علم کے باعث تو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت ملی، اسی علم کے سبب انسان کو باقی حیوانات سے امتیاز ہے، اس لئے کہ تمام اوصاف میں سوائے علم کے انسان کو تمام حیوانات سے اشتراک ہے، مثلاً: شجاعت وجرأت، شفقت، سمع، بصر، قوّت، خورد، نوش، وغیرہ میں۔ اگر انسان کو حیوانات سے امتیاز ہے تو صرف علم ہی سے ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''خلقَ الاِنسَانَ. عَلَّمَهُ البَیَانَ'' (الرحمٰن:۳،۴)

ترجمہ:...''پیدا کیا انسان کو اور بات کرنا سکھلایا۔''

''عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ'' (العلق:۵)

ترجمہ:...''انسان کو وہ چیزیں سکھلائیں جو نہ جانتا تھا۔''

اور علم کی فضیلت وشرافت اس لئے ہے کہ یہ تقویٰ کے لئے وسیلہ ہے، اور تقویٰ سے ہی دربارِ خدائی میں عزّت وعظمت ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰکُمْ'' (الحجرات:۱۳)

ترجمہ:...''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزّت والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ پرلحاظ ہے۔''

یعنی ہر فرمان کی تعمیل پر دِل و جان سے کمربستہ ہے اور ہر چیز سے جس سے روکا جاتا ہے دُور بھاگنے والا ہے، اور علم کی فضیلت سے قرآن و حدیث بھی پُر ہے،

اور عقل ونقل بھی اس پر شاہد ہے۔

علم کی تعریف یہ ہے کہ علم ایسی صفت ہے جس سے معلوم پورے طور یا کسی درجہ میں واضح ہوجائے۔

علم دو قسم پر ہے: ا:...علم الادیان۔۲:...علم الابدان۔

علم الابدان کو علم الطبّ کہتے ہیں۔ بدن وجسم کے امراض وصحت کی پہچان و علاج کرنا، کرانا، اور اس کو سیکھنا شرعاً وعقلاً محمود اور مرغوب ہے، مگر اس میں اتنا انہماک نہ کرے کہ دِین میں خلل آنے لگے۔

علم الادیان کو علم الفقہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ فقہ کی یہ تعریف فرمائی ہے:

''اَلْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا.''

یعنی نفس کے فائدہ ونقصان کی پہچان کا نام فقہ ہے، اور فرمایا کہ علم سے مقصد عمل ہی ہے، اور عمل سے مقصد اخلاص ہے، یعنی محض اللہ تعالیٰ کے لئے نیکی ہو، کسی دُنیوی غرض کی اس میں ملاوٹ نہ ہو۔

جاننا چاہئے کہ تمام مسلمان جوان ہوں یا بزرگ، مرد ہو یا عورت ہر ایک پر ہر علم کا پڑھنا فرض نہیں ہے، بلکہ جو کام اور واقعہ پیش آئے، مثلاً: بیع وشراء، کرایہ، اجارہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اس کی صحت کے قوانین واَحکامِ شرعی کا سیکھنا فرض ہے، مثلاً:

نماز، اس کے شرائط وارکان اور واجبات کا سیکھنا فرض ہے، جیسے نماز کا صحیح پڑھنا فرض اور ضروری ہے، اسی طرح نماز کی صحت جن چیزوں پر موقوف ہے مثلاً:

جامہ (لباس) پاک، جسم پاک، قبلہ کی طرف رُخ کرنا، قراءت، قیام، رُکوع، سجدہ، وغیرہ کا معلوم کرنا بھی فرض ہے۔

اسی طرح صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے ضروری احکام وقوانین کا پڑھنا (جب یہ چیزیں فرض ہوجائیں) بھی فرض ہے، خوب سمجھ لو!

اسی طرح بیع وشراء وغیرہ، اسی طرح اخلاقِ حمیدہ، مثلاً: اِخلاص، توکل، تسلیم، تفویض وغیرہ کی تحصیل کا، اور اخلاقِ رذیلہ، مثلاً: بخل، جبن، حسد، کبر، عجب، وغیرہ کے ازالہ کا علم سیکھنا بھی فرضِ عین ہے، کذا فی الشامی، ردالمحتار، کتاب العلم۔

اور تمام علوم مثلاً: تفسیر، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ میں مہارت وتبحر حاصل کرنا فرض علی الکفایہ ہے۔ جو چیزیں کہ ہر شخص پر ہر وقت ضروری ہیں، مثلاً: نماز، وہ بمنزلہ طعام کے ہیں، جس کی ہر ایک کو ضرورت ہے، اور جو چیزیں کبھی کبھی پیش آتی ہیں، مثلاً: حج، وہ بمنزلہ دوا کے ہیں، جس طرح ضرورت کے وقت دوا لینا ضروری ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت ان چیزوں کا علم سیکھنا ضروری ہے، فافہم!

اور علمِ نجوم وتبحر فی الفلسفہ والریاضی وغیرہ امراض ہیں نہ کہ دوا، ہاں! اضطرار کے وقت یہ مباح ہیں۔

تمام مسلمانوں کو مناسب ہے کہ ذکر، تضرع اور دُعا میں اپنے اوقات کو صَرف کریں اور اپنی زندگی حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے اتباع میں گزاریں، اس لئے کہ:

"فَاِنَّ فَقِيْهًا وَّاحِدًا مُّتَوَرِّعًا اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔"

ترجمہ:... "شرعی قوانین جاننے والا ایک پرہیزگار عالم، شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔"

فصلِ دوم:

پڑھنے کے وقت صحتِ نیت:

متعلّم اور معلّم ہر دو کو نیت کی دُرستی کی سخت ضرورت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (مشکوٰۃ ص:۱۱)

ترجمہ:... "(نیک) اعمال کی (دُرستی یعنی ثواب و مقبولیت کا) مدار نیت پر ہے۔"

بہت سے اعمال جن کی ظاہری صورت دُنیا کے کاموں کی سی ہوتی ہے، جیسے کھانا پینا، بیوی کے پاس جانا، مگر اچھی نیت کے باعث وہ اعمالِ آخرت میں شمار ہوتے ہیں، مثلاً: کھانے اور پینے میں نیت کرے کہ قوتِ عبادت ہو اور بیوی کے پاس جانے میں یہ نیت کرے کہ میں گناہِ زنا سے بچ جاؤں، پھر یہ دُنیوی چیزیں ثواب کا موجب ہوجائیں گی۔

اور بہت سے کام جن کی صورتِ ظاہری اعمالِ آخرت کی ہوتی ہے، مثلاً: حج و نماز، اگر ان میں فسادِ نیت ہو، مثلاً: ریا و شہرت، تو آخرت میں یہ عبادات ناکارہ، بلکہ وبالِ جان بن جائیں گی۔ پس پڑھنے اور پڑھانے والے کو یہ نیت کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یا آخرت کے ذخیرہ کے لئے یا جہل کے دفع کے لئے یا بقائے اسلام و دِین کے لئے پڑھ اور پڑھا رہا ہوں، کیونکہ بقائے دِین و اسلام علم پر ہی موقوف ہے، زُہد و تقویٰ کی صحت بھی علم پر ہی موقوف ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

فَسَادٌ کَبِیْرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّکٌ
وَاَکْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّکٌ

ترجمہ:... ''بڑا فساد (دین میں) عالم کا ہے جو حدودِ شرعیہ پر قائم نہ ہو، اور اس سے زیادہ فساد والا جاہل عابد ہے۔''

تحصیلِ علم میں یہ نیت نہ کرے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے یا دُنیا کی کثرت ہوگی کیونکہ علم ہر ہنر سے اعلیٰ ہنر ہے، یا بادشاہ و امیر کے نزدیک میری عزّت ہوگی، وغیر ذالک۔

طالب علم کو چاہئے کہ طمع و سوال سے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے، خود پسندی اور کبر وحسد سے بچے، اپنے آپ کو متواضع رکھے، اساتذۂ کرام کی خدمت جان و مال سے کرے، خدمت وادب سے ہرگز ہرگز تنگ دِل نہ ہو، ساتھیوں کا بھی ادب کرے، اور قبلہ وکتاب کا بھی ادب کرے۔

اگر ان معروضات پر عمل کیا تو اس کی رُوحانی ترقی اعلیٰ ہوگی اور اس کے اَتباع واولاد میں صدیوں تک برکاتِ رُوحانی وایمانی، علمی وعملی جاری رہیں گی، بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ۔

فصلِ سوم:

علم، اُستاذ اور رفیق سے کیا برتاؤ کرے؟

طالبِ علم کو چاہئے کہ اوّلاً وہ علمِ دِین اختیار کرے جس کی فی الحال اسے ضرورت ہے، جیسے نماز، پھر وہ علم کہ آئندہ وقت میں کارآمد ہوگا، مثلاً: حج، بیع وغیرہ۔

علم میں سب سے پہلے توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یگانہ وحدہٗ لاشریک لہٗ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے اپنی سمجھ کے موافق سمجھے۔ اس لئے کہ مقلد کا ایمان گو اہلِ سنت

والجماعت کے نزدیک صحیح ہے، مگر دلائل سے سمجھنا افضل و اکمل، بلکہ ضروری ہے۔ اگر توحید کو دلائل سے نہیں پہچانا تو اس کو ہر لیکچرار مشرک، توحید کے اعتقاد سے بچلا سکتا ہے، اور دلائل بھی وہی قرآنِ کریم، حدیثِ صحیح اور اسلافِ کرام والے ہونے چاہئیں، نہ کہ نئی نئی چیزیں ہوں۔

اورعلم کے حصول کی غرض میں مناظرے اور مجادلے نہ ہوں، کیونکہ اس سے عمر ضائع کرنے، وحشت ونفرت اور حسد پیدا ہونے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہے، فافہم!

اعتقاد زیادہ تر توحید پر یقین، قرآن مجید کے مطالب سمجھنے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی و مدنی زندگی یعنی نبوّت وتبلیغ والی زندگی کے مطالعہ اور موحد کی صحبت سے راسخ و کامل ہوتا ہے۔ طالبِ علم اپنی عقل وفراست پر پورا اعتماد نہ کرے، کیونکہ ہزاروں دانش منداس ورطہ میں ڈوب گئے ہیں، شاعر کہتا ہے:

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

ترجمہ:...''اس بھنور میں ہزاروں کشتیاں غرق ہوگئیں،
کہ کوئی تختہ کنارہ پر ظاہر نہیں ہوا۔''

اسی کو اُستاذ بنائے جو بڑا عالم، زیادہ پرہیزگار، خداوند تعالیٰ سے ڈرنے والا، حرام اور شبہ حرام سے بچنے والا، بڑی عمر والا، تجربہ کار اور ماہرِفن ہو، جیسے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار کیا، اور اس میں بھی کسی دانش مند سے مشورہ کرلے، اور اسی طرح ہر کام مشورہ سے کیا کرے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گو ہر دانش مند سے زیادہ دانش مند تھے، لیکن ان کو بھی مشورہ کرنے کا حکم ہوا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ''وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ'' (آل عمران:۱۵۹)۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ: مشورہ کرنے والا ہلاک نہیں ہوتا۔

نیز کہا گیا ہے کہ بعض لوگ پورے جوان ہیں، اور بعض نصف جوان ہیں۔ پورا جوان وہ ہے کہ عقیل و فطین بھی ہو اور مشورہ بھی کرے، اور نصف جوان وہ ہے کہ عقیل ہو مگر مشورہ نہ کرے، یا مشورہ تو کیا ہے مگر سمجھ دار نہیں ہے۔ چونکہ علم کا طلب کرنا اعلیٰ اُمور میں سے ہے، اس لئے اس میں مشورہ کرنا ضروری ہے، مگر مہربان، مشفق، سمجھ دار اور نیک انسان سے مشورہ کرے۔ مشورے کے بعد بھی جلدی نہ کرے، چنانچہ اُستاذ کے پاس پہنچتے ہی سبق شروع نہ کردے، بلکہ چند دن رہ کر تأمّل و تدبر کرکے پھر سبق شروع کرے، ممکن ہے کہ وہاں سبق کے سمجھنے میں کلفت ہوجائے، پھر دُوسرے، تیسرے اُستاذ کے پاس جائے گا، اس میں برکت نہ رہے گی، اور پڑھنے سے فائدہ نہ ہوگا، اور جب ہر طور سے اطمینان ہوجائے تو اُستاذ کے پاس بہت مدّت رہے۔ ہرجائی نہ بنے، کیونکہ اس میں بے برکتی و بدنصیبی ہے، اور تھوڑی بہت تکلیف پیش آئے تو برداشت کرے، کما قیل: "خزائن المنن علیٰ قناطر المحن"، اور یاد رکھو! کہ صبر اور ثبات بڑی نعمت ہے، مگر ہر کسی کو نصیب نہیں ہے، فافہم!

نیز طالبِ علم کے لئے ضروری ہے کہ اُستاذِ کامل کی خدمت میں ثابت قدم رہے، اور کتاب کو ناقص نہ چھوڑے، اور مختلف فنون کے بہت سے اسباق ایک ہی وقت میں شروع نہ کرے، وگرنہ ناقص رہے گا اور کسی فن کی تکمیل نہ ہوگی، اکثر طلباء کی محرومی و عدمِ تکمیل کے یہی اسباب ہیں:

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

نیز ایک جگہ جہاں تعلیم اچھی ہورہی ہو، اس کو چھوڑ کر دُوسری جگہ نہ جائے، بلاضرورت دُوسری جگہ جانے میں نہ اُستاذ کو اس پر اعتماد ہوگا، اور نہ اس کی تسکینِ قلب

رہے گی، نتیجتاً وقت اور عمر ضائع ہوں گے۔

نیز خواہشاتِ نفسانی، لذاتِ طبعی، سیر بازار، لہو و آوارگی اور اُستاذ کی بے ادبی سے بچے، اُستاذ کی بے ادبی سمِ قاتل ہے، بے ادب نہ دُنیا کا رہتا ہے، نہ دِین کا۔

طالبِ علم کے لئے واجب ہے کہ اپنے حجرہ یا سبق کا ساتھی ایسے آدمی کو رکھے جو نہایت محنتی، مجاہد اور دِین دار ہو۔ بے دِین، بدمزاج، کاسل و کاہل، بے محبت، بے ادب اور واہی تباہی بکنے والے ساتھی سے بچے، ایک شاعر کہتا ہے:

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَابْصِرْ قَرِيْنَهُ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

ترجمہ:... ''کسی مرد کے (ظاہر حال کو) مت پوچھ، بلکہ اس کے رفیق کو دیکھ، ہر ساتھی اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے۔''

لَا تَصْحَبِ الْكَسْلَانَ فِيْ حَالَاتِهِ
كَمْ صَالِحٍ بِفَسَادِ اٰخَرَ يَفْسُدُ

ترجمہ:... ''سست و کاسل کی رفاقت مت اختیار کر، بہت سے صالح دُوسرے رفیقِ فاسد (کی رفاقت) سے فاسد ہوجاتے ہیں۔''

یارِ بد آرد ترا سوئے جحیم
یارِ نیکو گیر تا یابی نعیم

ترجمہ:... ''برا دوست تجھے دوزخ کی طرف لے جائے گا، نیک دوست بنا تاکہ تو دارِ نعیم پائے۔''

فصلِ چہارم:

علم اور عمل والوں کی تعظیم:

اُستاذ کی تعظیم کے متعلق کچھ نہ کچھ گزر چکا ہے، پھر بھی اس کا کچھ حصہ ایک مستقل فصل میں پیشِ خدمت ہے۔

من جملہ علم کی تعظیم کے یہ ہے کہ طالبِ علم اُستاذ کی عزّت کرے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے منقول ہے، فرمایا کہ:

> ''میں غلام ہوں اس شخص کا جس سے میں نے ایک حرف سیکھا، وہ اگر چاہے تو مجھے بیچ دے، اور اگر چاہے آزاد کرے۔''

حضرت اِمام سدیدالدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> ''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو، اسے چاہیے کہ وہ فقہاء جو کہ مسکین ہیں، ان کی رعایت و خدمت زیادہ کرے، اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو اس کا پوتا ضرور عالم ہوگا۔''

من جملہ توقیرِ معلّم کے یہ ہے کہ اس کے آگے نہ چلے، اس کے مصلیٰ پر نہ بیٹھے، اس کے سامنے ابتدا بالکلام نہ کرے، مگر اجازت لے کر، اُستاذ کے سامنے بہت کلام نہ کرے، بات پوچھنے کے لئے وقت کا انتظار کرے، اُستاذ کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے، بلکہ صبر کرے تا کہ وہ گھر سے خود تشریف لائیں، اُستاذ کی رضا کا طالب رہے، اس کی ناراضگی سے بچے، اگر شریعت کے خلاف فرمان نہیں ہے تو اس کے فرمان کی تعمیل کرے، اور نافرمانی سے بچے۔

اور من جملہ اُستاذ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی اولاد و متعلقین کی عزّت کرے، اور اُستاذ و متعلقینِ اُستاذ کی، مال و جان سے خدمت کرے۔

حضرت برہان الدین، صاحب الہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی تدریس کے درمیان کھڑے ہوجاتے، آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

''میرے اُستاذ کا بیٹا بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد کے دروازے تک آجاتا ہے، اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوجاتا ہوں۔''

اِمام الائمہ قاضی فخر الدین ارسابندی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مرو میں رہتے تھے، بادشاہِ وقت آپؒ کی نہایت عزّت کرتا تھا، قاضی امام فخر الدینؒ کہتے تھے کہ:

''میں نے یہ عزّت اُستاذ کی خدمت سے پائی ہے، وہ اس طرح کہ میں نے اُستاذ اِمام ابو یزید دبوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تیس سال روٹی پکائی ہے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھاتا تھا، اور جس نے اُستاذ کو تکلیف پہنچائی، وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا۔''

من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ طالبِ علم کتاب کی عزّت کرے۔ کتاب کو زمین پر نہ رکھے، اس پر ٹیک نہ لگائے۔

حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

''جو کچھ مجھے ملا، علم کی تعظیم سے ملا، میں نے کسی کاغذ کو ہاتھ نہیں لگایا مگر طہارت سے۔''

اور یہ بھی ہے کہ طالبِ علم کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور کتاب پر کوئی چیز نہ رکھے، کیونکہ اس میں کتاب کی تحقیر ہے۔

(کذا نقل عن الشیخ برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، کذا فی تعلیم المتعلم)

من جملہ اس کے یہ ہے کہ جب بھی دِین کا مسئلہ سنے مکمل طور پر تر متوجہ ہوکر اورعزّت سے سنے، گو اس مسئلہ کو پہلے ہزار بار سنا ہوا ہو۔

من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ کسی کتاب یا علم کو اپنے لئے خود منتخب نہ کرے، بلکہ اُستاذ کی طرف مفوض کرے۔

من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ سے بچے، کیونکہ اخلاقِ ذمیمہ معنوی کتے ہیں، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا صورت (تصویر) ہو۔'' (مشکوٰۃ ص:۵۰ بحوالہ ابوداوٗد ونسائی)

اور انسان، فرشتے کے واسطے سے سیکھتا ہے، جب اس میں بُرے اخلاق ہوں گے تو گویا اس کے دِل میں کتے موجود ہیں، تو اس کے پاس فرشتہ کیسے آئے گا؟

فصلِ پنجم:

علم کے لئے سعی، دوامِ طلب اور ہمت:

علم میں کوشش و جدوجہد ضروری ہے، جو سعی نہیں کرتا وہ محروم رہتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم ہوا:

''یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ'' (مریم:۱۲)

(قوۃ کا معنی محنت و ہمت ہے) یعنی: ''اے یحییٰ! کتاب کو محنت و ہمت سے لے۔'' یعنی اس پر عمل اور اس کی تبلیغ، تدریس اور یاد میں محنت و ہمت کر۔ علم کی تعلیم و تعلّم میں تین شخص محنت کرتے ہیں: طالب، اُستاذ اور باپ، بشرطیکہ باپ زندہ و سلامت ہو۔

”بِقَدرِ مَا تَتَعَنّٰی تَنَالُ مَا تَتَمَنّٰی“
مشقت کی مقدار پر اپنی آرزو کو پائے گا۔
بِقَدرِ الکَدِّ تُکتَسَبُ المَعَالِیُ
مَنْ طَلَبَ العُلٰی سَهَرَ اللَّیَالِیُ!

ترجمہ:... ”محنت کی مقدار پر بلند درجات والی چیزیں حاصل کی جاتی ہیں، جو عالی چیز حاصل کرنا چاہتا ہے، راتوں کو بھی جاگتا ہے۔“

طالب علم کو عالی ہمت ہونا چاہئے:

بلندی بخش ہر ہمت بلندے
بہ پستی افگن ہر خود پسندے

ترجمہ:... ”ہر بلند ہمت کو بلندی بخشا ہے، ہر خود پسند کو پستی میں ڈالتا ہے۔“

”عُلُوُّ المَرْءِ عَلٰی قَدْرِ هِمَّتِهٖ“

ترجمہ:... ”جوان کی بلندی اس کی ہمت کی مقدار پر ہے۔“

ہمت یہ ہونی چاہئے کہ قرآن و حدیث میں علماً، عملاً اور اِخلاصاً اعلیٰ کمال حاصل کرکے رہوں گا:

اگر گوئی کہ بتوانم برو کہ بتوانی
اگر گوئی کہ نتوانم برو بہ نشیں کہ نتوانی

ترجمہ:... ”اگر کوئی کہے کہ میں کرسکتا ہوں، تو کہہ کہ کرسکتا ہے، اگر کوئی کہتا ہے کہ میں نہیں کرسکتا، تو کہہ: جا بیٹھ جا! تو نہیں کرسکتا۔“

اعلیٰ کمال وہ ہوتا ہے جو دُنیا و آخرت میں کامیاب و سرفراز کردے، اور دربارِ الٰہی میں مکرّم ومحترم کردے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِکَ اٰمین!

اور ہمت یہ ہونی چاہئے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہوجائے۔ حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اِمام ابویوسف رحمہ اللہ کو نصیحت فرمائی:

"اِیَّاکَ وَالْکَسَلَ! فَاِنَّہٗ شُؤْمٌ وَّاٰفَۃٌ عَظِیْمٌ."

ترجمہ:... "سستی سے بچ! کہ یہ نحوست ہے اور بڑی آفت ہے۔"

فصلِ ششم:

سبق کتنے؟ اور کیا ترتیب و مقدار ہو؟

شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ سبق کی ابتدا بدھ کے دن کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: جو چیز بدھ کے دن شروع کی جائے وہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

اسی طرح اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے، انتہیٰ۔ جو حدیث اس میں روایت کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

اور سبق کی مقدار اس قدر ہو کہ دو چار بار دُہرانے سے یاد ہوجائے، پھر درجہ بدرجہ بڑھاتا جائے، اوّل صغارِ علم کو پڑھے، پھر کبار کو، اور سعی کرے کہ خود اُستاذ سے سمجھے، پھر سبق کی بار بار تکرار کرے اور تأمل و تدبرِ بلیغ سے کام لے اور دُوسروں کے سہارے پر نہ رہے کہ وہ لوگ مجھے سمجھادیں گے، خود محنت و جانفشانی سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کے آگے زاری، نیاز اور تضرع کیا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عقل و فہم میں برکات عطا فرمائے، وہ مجیب الدعوات، سمیع الدعا اور سریع القبول ہے۔

طالبِ علم کے لئے ایک دُوسرے سے گفت وشنید، گفتگو و مناظرہ مہذب ضروری ہے، ہاں! اختلاف، تعصب، جدال، شغب اور ترفع سے بچے، اور چاہئے کہ ہر وقت اور ہر حال میں ہر شخصِ صحیح سے فائدہ لینے والا رہے اور استفادہ میں بالکل عار نہ کرے۔

حضرت اِمام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ: اس قدر علم کیسے حاصل کیا؟ فرمایا:

''فائدہ لینے میں شرمایا نہیں، اور فائدہ دینے میں بخیلی نہیں کی۔''

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ: ایسا علم کیسے حاصل کیا؟ فرمایا:

''بِلِسَانٍ سَئُوْلٍ وَقَلْبٍ عَقُوْلٍ''

ترجمہ:... ''زبان بہت سوال کرنے والی اور قلب سمجھنے والے سے۔''

طالبِ علم کو چاہئے کہ کسب بھی سیکھے تاکہ اپنے بچوں کے کھلانے میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

''میں نے علم کو حمد وشکر سے پایا، جب بھی میں نے کوئی علم سیکھا یا سمجھا تو ''الحمد للہ تعالیٰ'' کہا، تو میرا علم بڑھ گیا۔''

طالبِ علم اپنے علم وعقل پر اعتماد نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اللہ تعالیٰ سے حق کو طلب کرے۔ اور اگر مال دار ہے تو علم کی تحصیل کرنے کرانے میں بخل نہ کرے۔

حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ طلباء و علماء کو حلوا کھلایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: ”میرے بیٹے کے لئے علم کی دُعا کرو۔“ اس جود و تضرّع الی اللہ سے ان کا بیٹا کیا ہی کمالِ علمی و عملی کو پہنچا۔

طالبِ علم کو چاہئے کہ جب صحتِ بدن و عقل ہو تو پڑھنے، سبق یاد کرنے، مطالعہ اور دُعا کو نہ چھوڑے، اپنی غربت و افلاس اور اپنی دولت و غنا پر نظر نہ کرے۔ حضرت اِمام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی فقیر و مفلس نہیں ہوا کہ پانچ، پانچ دن بھوکے پیٹ، نشاط سے پڑھا کرتے تھے اور پتا بھی نہ چلنے دیتے تھے، اور نہ اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی دولت مند طالبِ علم ہوا کہ ان کے مال و متاع پر تین صد کارکن ہوتے تھے، اِمامِ مذکور علیہ الرحمۃ نے سارا مال طلبِ علم میں صَرف کیا تا آنکہ ان کے مبارک بدن پر کوئی نفیس کپڑا نہ رہا۔

فصلِ ہفتم:

توکل:

طالبِ علم پر واجب ہے کہ معیشت کے کام میں اس قدر تن دہی نہ کرے کہ اس کی تحصیلِ علم میں خلل آجائے، بلکہ اس کا اصل کام، فرضِ منصبی اور مقصدِ حیات تعلیم و تعلّم، عمل و اِخلاص ہونا چاہئے، اسی میں اِنہماک، شغل اور مصروفیت رکھے۔ دُنیا کے کام اور معاش کی تلاش بھی فرائضِ علمی و عملی کے حصول اور وصول کے لئے ہونی چاہئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ تَعَالٰى هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.“

(کنز العمال ج:۱۰ ص:۱۶۵ حدیث:۲۸۸۵۵)

ترجمہ:... ''جس نے اللہ کے دِین میں سمجھ حاصل کی (یعنی پڑھا) اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کو پورا کرے گا اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔''

پس جس نے اپنے اوقات کو خوراک، پوشاک، جاہ و مال میں صَرف کیا اور اپنا وقت تعیش وعشرت میں گزارا، ایسے شخص کو مکارمِ اخلاق، بلند درجات اور معارف و کمالات کا حاصل ہونا مشکل ہے۔

نیز طالبِ علم کو چاہئے کہ علائقِ دُنیویہ، دوستانہ تعلقات، آمد و رفت، آو بھگت، دینا لینا، کھلانا پلانا، حتی الوسع کم کرے، وگرنہ پڑھنے پڑھانے، تالیف، تبلیغ اور خلوت بخدا کی فرصت کم ملے گی، اور ''تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیـلًا'' (المزمل:۸) (اللہ تعالیٰ کی طرف اکیلا ہوجا) کی نعمت سے محروم رہے گا۔

نیز طالبِ علمِ دِین کو چاہئے کہ سفر کی تکالیف، غربت، بھوک اور پیاس کو علم کے لئے برداشت کرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا'' (الکہف:۶۲)

ترجمہ:... ''ہم نے اس سفر (یعنی علم کے حاصل کرنے) میں تکلیف اُٹھائی۔''

اس لئے کہ علم بڑی نعمت ہے اور بے بہا خزانہ ہے، بڑی نعمت کے حاصل کرنے میں مشقت لازم ہے، اور اکثر علماء کے نزدیک علم تو جہاد سے بھی افضل ہے۔ اور ثواب و انعام، مشقت کی مقدار پر ہوتا ہے، جیسا کہ منقول ہے: عَظْمُ الْعَطَایَا عَلٰی مَتْنِ الْبَـلَایَا!

فصلِ ہشتم:

علم کی تحصیل کے اوقات:

تحصیلِ علم کے افضل اوقات میں سے ابتدائے جوانی ہے، اسی طرح سحری کا وقت، اور مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ہے، طالبِ علم تمام اوقات کو تحصیلِ علم میں مصروف رکھے اور اگر پڑھتے پڑھتے طبیعت اُکتانے لگے تو دُوسرے علم میں یا تبلیغ میں شروع ہوجائے یا راحت کے لئے قدرے آرام کرے۔

فصلِ نہم:

شفقت و نصیحت:

طالبِ علم کو چاہئے کہ مشفق و خیرخواہ ہو، حاسد نہ ہو، اس لئے کہ حسد فائدہ نہیں، نقصان پہنچاتا ہے، معلّم کا بیٹا عالم ہی ہوگا، اس لئے کہ معلّم اپنے شاگردوں و تلامذہ پر شفقت کرتا ہے، اس کی برکت سے اس کا بیٹا بھی عالم ہوگا۔ کذا قالہ شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اور طالبِ علم کو لائق ہے کہ کسی کے ساتھ جھگڑا نہ کرے، اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے حسد، کبر اور عجب بڑھتا ہے، اخلاص، محبت اور خیرخواہی دُور بھاگتی ہے، بُرے سے بُرائی مت کر، انعام و احسان سے اس کو ممنونِ احسان بنالے:

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اساء

ترجمہ:... ’’برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے، اگر

تو مرد ہے تو جس نے برائی کی اس پر احسان کر۔"
نیز طالبِ علم بدگمانیوں سے بچے، اس لئے کہ بُرا گمان خبثِ طبیعت سے پیدا ہوتا ہے۔

فصلِ دہم:

استفادہ:

طالبِ علم فائدہ لینے اور دینے سے نہ شرمائے، اور جو علمی فائدہ سنے، اس کو تحریر میں لائے، کہا گیا ہے:

"مَنْ حَفِظَ فَرَّ وَمَنْ كَتَبَ شَيْئًا قَرَّ"

ترجمہ:... "جس نے یاد کیا، یاد کی ہوئی چیز بھاگ جائے گی، یعنی بھول جائے گی، اور جس نے لکھ لیا، وہ چیز قرار پکڑ گئی، یعنی محفوظ رہی۔"

حضرت عصام بن یوسف رحمہ اللہ نے دینار دے کر قلم خریدا تھا۔
حضرت صدر الشہید رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے شمس الدین صاحب کو وصیت کی کہ:

"علم کی لکھنے کے ذریعہ حفاظت کر، ہر دن علم کو لکھتا رہ، یہ تھوڑا کثیر ہو جائے گا۔"

یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"رات لمبی ہے، اس کو نیند سے چھوٹا مت کر، اور دِن روشن ہے، اس کو گناہوں سے اندھیرا مت بنا۔"

طالبِ علم کے لئے ہر چیز میں چاپلوسی و نیاز ممنوع ہے، مگر علم کی تحصیل میں اساتذۂ کرام کے سامنے منّت سماجت، عجز اور نیاز کیا کرے۔

فصلِ یازدہم:

ورع وتقویٰ:

ایک حدیث میں ہے کہ:

''جو شخص پڑھتے وقت پرہیزگاری نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے کسی ایک میں مبتلا کرے گا: ۱:...یا جوانی میں اس کو موت آجائے گی، ۲:... یا اس کو بازاروں میں ڈال دے گا، ۳:... یا اس کو امیر کی ملازمت میں پھنسادے گا۔''

طالبِ علم میں جس قدر ورع وتقویٰ زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کو علم زیادہ فائدہ دے گا، اس کے لئے علم کا پڑھنا آسان اور اس کے فوائد زیادہ نصیب ہوں گے۔

من جملہ ورع کے یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے بچے، زیادہ نیند نہ کرے، بے فائدہ چیزوں کے بارے میں بات کم کرے، بازاری طعام کھانے سے بچے، کیونکہ وہ بے نمازی ہاتھوں کا پکا ہوا ہوتا ہے، اس میں حلت کم اور خیانت زیادہ ہوتی ہے، اور (بسااوقات) اس کی بیع وشراء صحیح نہیں ہوا کرتی۔

اِمامِ جلیل شیخ محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ بازاری طعام نہ کھاتے تھے، ان کا بیٹا انہیں گھر کا طعام پہنچایا کرتا تھا۔

فصلِ دوازدہم:

حفظ میں معین اُمور:

حفظِ علم میں سب سے قوی اسباب یہ ہیں:

۱:...محنت۔

۲:...تعلیمِ علم میں مواظبت۔

۳:...غذا کو اس مقدار پر کھائے کہ پیٹ بھرنے سے ذرا کم درجہ ہو۔

۴:...تہجد پڑھنا۔

۵:...قرآن کو دیکھ دیکھ کر پڑھنا۔

شداد بن اوس رحمۃ اللہ علیہ نے بعض دوستوں کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ زیادہ فائدہ مند کیا چیز پائی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا۔

٦:...جب کتاب پڑھنے کے لئے اُٹھائے تو یہ پڑھے:

"بِسْمِ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بِعَدَدِ کُلِّ حَرْفٍ کُتِبَ وَیُکْتَبُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ وَدَھْرَ الدَّاھِرِیْنَ۔"

۷:...ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھے:

"اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الْحَقِّ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَکَفَرْتُ بِمَا سِوَاہُ۔"

۸:...حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے دُرود شریف پڑھے۔

۹:...مسواک زیادہ استعمال کرے۔

۱۰:...شہد کا پینا مفید ہے۔

۱۱:...زاری سے دُعا مانگنا۔

اور نسیان کے اسباب یہ ہیں:

۱:... کثرتِ گناہ۔

۲:... دُنیوی ہمّ وغم کا وارِد ہونا۔

۳:... تعلقات اور مشاغل کا بڑھنا وغیرہ نسیانِ علم کے موجب ہیں۔

فصلِ سیزدہم:

رزق کے بڑھانے اور کم کرنے کے اسباب:

طالبِ علم کے لئے ایسی چیزیں ضروریات میں سے ہیں جس سے وہ کسی کا محتاج نہ رہے، اللہ تعالیٰ روزی دیتا رہے، صحت عطا ہو، اور عمر میں برکت ہو، ان چیزوں میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، بعض چیزیں مختصراً پیشِ خدمت ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے:

”لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَآءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُہٗ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۱۹ بحوالہ ابنِ ماجہ)

ترجمہ:... ”تقدیر کو کوئی چیز رَدّ نہیں کرسکتی سوائے دُعا کے، اور زندگی کو کوئی چیز نہیں بڑھاسکتی سوائے نیکی اور احسان کے (ماں باپ سے، پیر و اُستاذ سے، یتامیٰ و مساکین وغیرہ سے)، پس انسان رزق سے محروم ہوجاتا ہے، گناہ کے باعث سے کہ (جسے وہ) کرلیتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ رزق سے محرومی کا سبب ہے، خصوصاً جھوٹ، کہ یہ تومحتاجی کا پھل لاتا ہے، کذا روی عن السلف۔

اسی طرح صبح کی نماز کے بعد کی نیند، اور کثرت سے نیند کرنا یہ بھی فقر اور محرومیٔ علم کا باعث ہے۔

رزق بڑھانے والی چیزیں یہ ہیں:

صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کا پڑھنا، سورۂ واقعہ کا پڑھنا، خصوصاً رات کے وقت، عشاء کے وقت سورۂ ملک کا پڑھنا، صبح و شام سورۂ ملک اور سورۂ مزمل کا پڑھنا، مغرب کے وقت سات بار سورۂ واللیل اذا یغشٰی اور الم نشرح کا پڑھنا، اذان سے پہلے مسجد میں آنا، ہر وقت باوضو رہنا، سنتِ صبح اور وتر کا گھر میں پڑھنا، وتر کے بعد لغو کلام سے بچنا، اور عورتوں کی کثرتِ مجالست سے بچنا موجب برکت رزق ہے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: جب عقل کامل ہوجاتی ہے، تو کلام کرنا کم ہوجاتا ہے۔

اِذَا تَمَّ عَقْلُ الْمَرْءِ قَلَّ کَلَامُهٗ

وَاَیْقِنْ بِحُمْقِ الْمَرْءِ اِنْ کَانَ مُکْثِرًا

ترجمہ:... ''جب آدمی کی عقل کامل ہوجاتی ہے، تو اس کا بات کرنا کم ہوجاتا ہے، اور یقین کر آدمی کی حماقت کا، اگر بہت بات کرنے والا ہے۔''

صلہ رحمی کرنا، بوڑھوں کی عزّت کرنا، کثرت سے دُرود شریف کو معنی کے لحاظ سے اور نیاز و عاجزی سے پڑھنا، ماں باپ کی مال و جان سے خدمت کرنا، اس میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

اسی طرح اُستاذ و مرشد کی مال و جان سے خدمت کرنا، مرنے کے بعد ان کی قبور کی زیارت کرنا، ان کی اولاد و متعلقین کی عزّت و محبت کرنا، دُنیا و دِین اور عزّت کے بڑھنے کا اعلیٰ سبب ہے، فافہم!

وہ وظائف جن سے روزی اور عزّت بڑھے، قربِ الٰہی تعالیٰ نصیب ہو، قبر میں روشنی حاصل ہو، درجات بلند ہوں، اور ذِلت و رُسوائی سے نجات ہو، یہ ہیں:

۱:...صبح ہونے کے بعد نماز تک: "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ" ایک سو بار صبح اور ایک سو بار شام کو پڑھے، اور اوّل آخر دُرود شریف ایک سو سے زیادہ بار پڑھے، تو بہتر ہے۔

۲:... "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ" صبح و شام سو، سو بار، اوّل و آخر دُرود شریف، پھر نیاز (عاجزی) سے دُعا مانگے۔

۳:... "سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تینتیس، تینتیس بار، "اَللهُ اَكْبَرُ" چونتیس بار، ہر نماز کے بعد پڑھنا، خصوصاً سوتے وقت، جیسے بے انتہا ثواب کا موجب ہے، ویسے ہی روزی کے بڑھنے اور عزّت کے زیادہ ہونے کا بھی بڑا سبب ہے، اور حال یہ ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

۴:... "يَا مُغْنِيْ" گیارہ سو بار بعد سنتِ فجر و قبل فرض، اوّل و آخر دُرود شریف، اور "يَا وَهَّابُ" بعد سنتِ عشاء و قبل وتر چودہ سو بار، اوّل و آخر دُرود شریف، بعدہٗ نیاز (عاجزی) سے دُعا کرنا، یہ عمل غرباء و فقراء کے لئے کیمیا ہے، دوام و پابندی کرکے دیکھیں۔

نیز دفعِ قرض، قضائے حاجات اور دفعِ مشکلات کے لئے "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ" فرض نماز کے سلام سے پہلے اور سلام کے بعد تین بار اور نوافل کے سجدہ میں تین، تین بار پڑھتا رہے، رحمت ہوگی، بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ۔

دفعِ دُشمن کے لئے "يَا اَللهُ يَا عَزِيْزُ" ۳۱۳ بار، اوّل و آخر دُرود شریف پڑھتا رہے، دُشمن ظاہری و باطنی غلبہ نہ کرسکیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

طلباء کرام سلّمہم و علّمہم اللہ تعالیٰ کو خصوصاً اور دُوسرے احباب کو عموماً

واجب ہے کہ علم اور علمائے کرام مدظلہم کی عزّت، ادب اور مالی و جانی خدمت اپنے اُوپر لازم سمجھیں، اس سے ہزار ہا برکاتِ رُوحانی و جسمانی، دُنیا و آخرت میں نازل ہوں گی، بفضلہٖ تعالیٰ و کرمہٖ۔

آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

من الصلوٰۃ والسلام افضلہما واکملہما وادومہما

اللّٰہم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم

سبحانک اللّٰہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک!

پند: در زبانِ سرائیکی

نبڑدیں نبڑدیں نبڑ گیا زمانہ
نہ بدلیو بِھرا شیوۂ غافلانہ
جوانی دی چس رس جوانی نبڑ گئی
جوانی غلط زندگانی نبڑ گئی
اوہک خواب شیریں کہانی نبڑ گئی
نبڑ گئی حیاتی اُجڑ گیا خزانہ
اُتھاں پل دی پچھ گچھ اِتھاں سال گل گئے
نہ سوچو بھرا ڈینہ جوانی دا ڈھل گئے
او بدبخت جو بے عمل بے سمل گئے
پکرسی نہ اُتھ امڑی بابا بھرانہ
اُتھاں نفسی نفسی دیاں ہوسن پکاراں
عمل دیاں خزائیں عمل دیاں بہاراں
نہ اُتھ اپنے اپنے نہ اُتھ یار یاراں
عمل دے سوا اُتھ بیا آسرا نہ
شہنشاہیں دے سرتے نہ اتھ تاج ہوسی
نہ جھنڈا دمامہ اتے راج ہوسی
خدا دے غضب دی فقط گاج ہوسی

او حاضر عدالت دے وچ مجرمانہ
نہ رنگیں محل اُتھ نہ گھوڑے تے جوڑے
تُمبیندے قبر وچ پئے کیڑے مکوڑے
اُتھاں کوئی نہ حامی جو ہٹکے تے ہوڑے
چراغِ عمل بِن اتھاں سوجھلا نہ
اجل سر تے کڑکے تیڈا دِل نہ دھڑکے
اُچے گاٹے والے بھنا گئے ہِن منڑ کے
نہ ڈیہدے قبر کوں جو مغرور کھڑکے
او قیدی قبر دے قبر قیدخانہ
توں اج کل دے مومن دا کیا حال پچھدیں
گناہیں دے وچ تھی گئے پامال پچھدیں
میں کیا آکھاں ایندی توں کیا چال پچھدیں
ہے کلمہ زباں تے عمل کافرانہ
میڈے مدنی آقادی اُمت سڈاکر
توں سرکار مدنی توں کجھ تاں حیا کر
نکل ونج گناہیں توں دامن بچاکر
میڈے سائیں کوں قیامت دے اندر لجانہ
وڈی ربّ دی ہستی وڈی بارگاہے
وکیلیں اپیلیں دی کوئی اُتھ نہ جا ہے
نہ لُک چھپ دی اُتھے نہ دُھرک بھج دی جا ہے
دُعا منگ فخرؔ شالا پکڑی خدا نہ

فوائدِ قرآن

یعنی

اصطلاحاتِ قرآن

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بعد الحمد والصلوٰۃ:

تمنا ہے کہ اس دُنیا میں کوئی کام کرجاؤں
اگر کچھ ہوسکے تو خدمتِ اسلام کرجاؤں

برادرانِ اسلام! یہ دین کی ایک حقیر سی خدمت ہے جو اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اُمید ہے کہ اگر خدا تعالیٰ جل و علا شانہ نے منظور فرمالی تو میری تمام لغزشیں اسی کی بدولت نیست و نابود ہوجائیں گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا. ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا. وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا دَائِمًا اَبَدًا، اَمَّا بَعْدُ!

دُنیا جہالت کی ظلمتوں میں حیران و سرگرداں تھی، نورِ قرآن آفتاب عالم تاب کی شکل میں نمایاں ہوا، تو اس نے شرق و غرب کو نورِ ہدایت سے جگمگادیا، انسانیت کے لئے سعادت کی راہیں کھول دیں، قوّتِ نظریہ و عملیہ کی تکمیل کی اور انسان کے

لئے جو ایک طویل سفرِ زندگی درپیش ہے، اس کی ابتدا و انتہا کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے لئے واضح اَحکام عنایت فرمائے، تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل، سیاستِ مدنیہ وغیرہ کے زرّین اُصول کی راہ نمائی فرمائی، خالق ومخلوق کے تعلقات پر روشنی ڈالی، بلاشبہ قرآن مجید میں ہر اہلِ علم کے لئے بے بہا اسرار ونکات موجود ہیں، بشرطیکہ اس کا شعور پختہ اور علم محکم ہو، البتہ عوام تفسیر وترجمے کے محتاج ہیں، اور بعض مطالبِ عالیہ جو عبارت کی تہ میں مستور ہیں، مثلاً: اشارۃ النص، اقتضاء النص، دلالۃ النص وغیرہ کو جب تک کسی عالم کامل سے نہ سمجھا جائے، خود اہل زبان کے لئے بھی سمجھنا مشکل ہے، بنابریں چند ایک اصطلاحات فوز الکبیر، مقدمہ تفسیرِ حقانی و رُوح المعانی وغیرہ سے منتخب کرکے پیش کی جاتی ہیں:

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

راقم نے اپنی سعی میں کمی نہیں کی، لہٰذا اگر ہوسکے تو اس کے لئے دُعائے مغفرت فرمائیں:

شاہاں را چہ عجب گر بنوازند گدارا!

نیز اگر کہیں خامی دیکھیں تو اصلاح فرماکر ثوابِ دارین حاصل کریں، فقط۔

فوائد:

ا:... قرآنِ کریم اپنی وضع، اُسلوب، اندازِ بیان، طریقِ خطاب، طرزِ تفہیم اور طریقِ استدلال، غرضیکہ ہر بات میں دُنیا کے وضعی وصناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے، اور نہ اسے پابند ہونا چاہئے، کیونکہ یہ کلامِ الٰہی ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے، اور اسے تمام وضعی وصناعی علوم سے ممتاز کردیتا ہے۔ زمانۂ بعثت میں موجود عرب، جو قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطب ہیں، ایسے

لوگ تھے جن کے فطری قویٰ رُومی و ایرانی علوم وفنون کی تصنع پسندیوں سے داغ دار نہ ہوئے تھے، بلکہ قدرتی سادگی پر باقی تھے، لہٰذا قرآن اپنی شکل اور معنوں میں جیسا کچھ تھا، ٹھیک ٹھیک ویسا ہی ان کے دِلوں میں بس گیا، چنانچہ حضراتِ صحابہؓ قرآنِ کریم کی آیات کو سنتے ہی اس کے مقصدِ اوّلین کو پالیتے تھے، مگر قرنِ اوّل ختم نہ ہوا تھا کہ رُومی و ایرانی تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، اور علوم وفنون کا نیا دور شروع ہوگیا، جس سے بعض طبیعتیں متأثر ہوئیں، اور ان علوم کی ظاہری چمک دمک سے ایسی مرعوب ہوئیں کہ قرآنی تعلیمات کی لازوال صداقت وعظمت کو منطق و فلسفے کے بودے اور بناوٹی معیاروں پر پرکھا جانے لگا، جس سے ایسے متأثر لوگوں کے لئے فہمِ قرآن میں دُشواریاں بڑھ گئیں، نیز یہ کہ بہت سے بے بنیاد شکوک اور لاطائل شبہات کا دروازہ کھل گیا، اس طرح یہ لوگ قرآن کی سیدھی سادی تعلیم سے بہت دُور جاپڑے۔

۲:... جب کسی کتاب کی مطالب فہمی کا سوال ہو تو قدرتی طور پر اُن ہی لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے، جنہوں نے خود صاحبِ کتاب سے اس کا مطلب سمجھا ہو، قرآنِ کریم تیئیس برس میں بتدریج نازل ہوتا رہا، صحابہ کرامؓ سنتے اور نمازوں میں دُہراتے رہے، اور جو اِشکال پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھتے رہے، چنانچہ بعض افراد فہمِ قرآن میں ممتاز ہوئے، جن کے لئے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہادت دی، لیکن بدقسمتی سے بعد کے لوگوں نے اپنی فکری ساخت سے متأثر ہوکر نئی نئی کاوشیں شروع کردیں، نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت روز بروز مستور ہوتی چلی گئی، اور صاف صاف واقعات ناقابلِ حل عقدے بن گئے۔

۳:... نومسلم عوام کے قصص و روایات مثلاً اسرائیلیات وغیرہ بھی بعض غیرمحتاط مفسرین کی کتبِ تفسیر میں آگئے، مگر حضراتِ محققین نے ہمیشہ ایسی روایات پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان مقامات کی صحیح اور مستند تفسیر اُمت کے سامنے پیش کی،

چنانچہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کی خدمات اس سلسلے میں بہت بڑھی ہوئی ہیں، نیز انہوں نے یہ التزام بھی کر رکھا ہے کہ قرآن کی تفسیر حدیث سے کرتے ہیں۔

۴:... انبیاء علیہم السلام کا طریقِ استدلال یہ نہیں ہوتا کہ نظری مقدمات ترتیب دیں، اور مخاطب کو اس قسم کی بحثوں میں اُلجھائیں، وہ براہِ راست ارشاد و تلقین کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا ہے، لیکن اکثر مفسرین و متکلمین کو اپنے اپنے زمانے میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑا، جنہیں فلسفہ و منطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ کسی حقیقت کو اس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھ کر اسے قبول کرلیں، ان کے زعم میں انبیاء کرامؑ کی بڑی فضیلت اس میں تھی کہ انہیں اعلیٰ درجے کا منطقی ظاہر کیا جائے، اور ان کی تعلیم سراسر منطقِ ارسطو کے سانچے میں ڈھلی نظر آئے، ایسے وقت میں حضراتِ مفسرینؒ کے لئے قرآنی مطالب کی تفہیم کی خاطر یہ بات ناگزیر ہوگئی کہ اپنے استدلالات میں مروّجہ اصطلاحات کو استعمال کریں اور تعلیماتِ قرآنیہ کو مروّجہ علوم کے تناقض سے بچائیں، چنانچہ ان حضرات نے رائج الوقت اصطلاحات کو استعمال فرمایا، لیکن طرزِ استدلال میں اس جدّت کو اپنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کے دلائل و براہین کی ساری خوبی و دِل نشینی جدّت پسند عوام کی نظروں سے اوجھل ہوگئی، اور جوں ہی یہ طرزِ استدلال گم ہوا، سب کچھ گم ہوا، اور یہ آفت صرف طرزِ استدلال تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ تمام چیزوں میں پھیلی، منطق و فلسفے نے نئی نئی اصطلاحات پیدا کردیں، جن سے عربی لغت بوقتِ نزولِ قرآن آشنا نہ تھی، پس جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے، اُن سے وہ معانی متعذر ہوگئے جو وضعی طور پر بعد میں قرار پاگئے، لیکن نئی دُنیا میں اسی وجہ سے بہت سی دُور از کار بحثیں پیدا ہوگئیں، مثلاً: قِدم، حدوث، خلود، اَحدیت، مثلیت وغیرہا نے وہ معانی پیدا کرلئے، جن کا صدرِ اوّل میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

۵:...علمِ تفسیر کے بارے میں جو چیز سب سے خطرناک ثابت ہوئی وہ تفسیر بالرائے ہے، جس سے حضراتِ صحابہؓ اور سلفؒ کی رُوحیں لرزتی تھیں، تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآنی مطالب میں عقل و بصیرت سے بالکل کام نہ لیا جائے، کیونکہ تعقل وتفکر کی تو قرآن میں جابجا دعوت موجود ہے۔

تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ سیاق و سباق اور قواعدِ عربیت سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے کسی آیت کا ایسا مفہوم و مطلب بیان کیا جائے، جو دین کے مقرّرہ اُصولوں سے متصادم ہو، یا کم از کم اس آیت کے بارے میں سلف کی متفقہ رائے کے مخالف ہو، جیسے کہ فرقۂ مرزائیہ، منکرینِ حدیث اور آج کل کے نیچری لوگ کرتے ہیں۔

ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ موجود رہے ہیں، جنھوں نے آیات کی من مانی تفسیریں کرکے مرادِ خداوندی کو اپنی غوغا آرائیوں میں گم کرنا چاہا ہے، مگر دستِ قدرت نے سوادِ اعظم کے قلم سے ہمیشہ ایسے فتنوں کی مدافعت فرمائی ہے۔

۶:... ہر کتاب اور تعلیم کے لئے چند مرکزی مقاصد ہوا کرتے ہیں، جن کے سمجھے بغیر اس کتاب و تعلیم کا فہم مشکل ہوا کرتا ہے، اسی طرح علمِ تفسیر کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، جب تک انہیں نہ سمجھا جائے، علمِ تفسیر کا سمجھنا مشکل ہے، چنانچہ اس سلسلے میں علمِ تفسیر کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت کا جاننا ضروری ہے۔

تعریف:

تعریف کو بعض وجوہ کی بنا پر متأخر کردیا گیا ہے، غرض و غایت کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

موضوع:

علم تفسیر کا موضوع قرآن مجید ہے، اس حیثیت سے کہ اس کے مطالب و معانی کو معلوم کیا جائے۔

غرض و غایت:

قوّتِ علمیہ اور قوتِ عملیہ کی تکمیل، تا کہ رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کو حاصل کیا جاسکے۔

تنبیہ:... نیز اس علم میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے لئے چند مبادی کا جاننا ضروری ہے، علمِ تفسیر کے مبادی یہ علوم ہیں: علمِ صرف، علمِ نحو، علمِ ادب وغیرہ جن کی تعداد علماء نے دس سے اُوپر بتلائی ہے۔

اصطلاحات

تفسیر:

تفسیر "فَسَرَ" سے ہے، جس کا معنی بیان وکشف ہے اور اس کی تعریف یہ ہے:

"ھو علم یبحث فیہ من کلام اللہ من حیث انہ یکشف بہ مراد اللہ او مراد کلام اللہ."

مفسرِ اوّل:... قرآن مجید کا پہلا مفسر خود قرآن مجید ہے، کما قیل: "القراٰن یفسِّرُ بعضہ بعضًا"۔

مفسرِ دوم:... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بحکم: "لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً صحابہ کرامؓ کو تفسیر و تأویل کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

مفسرِ سوم:... صحابہ کرامؓ ہیں جو کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور

موقعِ نزول وغیرہ سے خوب واقف تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی بدولت فہمِ صحیح کی دولت سے مالا مال تھے۔

مفسرِ چہارم:... تابعینِ کرامؒ ہیں جنہوں نے مدتوں تک حضراتِ صحابہؓ کی خدمت میں رہ کر دین کو سیکھا اور دین کو آنکھوں سے دیکھا۔

مفسرِ پنجم:... تبع تابعینؒ ہیں جو کہ موثوق بہم ہیں، ان کی تفسیر بھی عمدہ شمار کی جاتی ہے، اور اسی دور میں تصنیفِ تفاسیر کا دور شروع ہوگیا تھا، یہ لوگ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال روایت کرتے تھے، مگر یہ روایات رطب و یابس سے خالی نہیں، ان میں سے علی بن ابی طلحہ ہاشمی رحمہ اللہ کی سند زیادہ معتبر ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو اس سند کے ساتھ جگہ جگہ بطورِ تعلیق نقل کیا ہے۔

بعض علماء کو شبہ ہوا ہے کہ بخاری کی کتاب التفسیر میں علی بن ابی طلحہؒ کا نام کسی سند میں نہیں پایا جاتا، مگر حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ: بخاری نے جو "قال ابن عباس" بغیر سند کے نقل کیا ہے، اصل میں یہ قول علی بن ابی طلحہؒ کی سند کے ساتھ مروی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ علی بن ابی طلحہؒ اور ابنِ عباسؓ میں دو ثقہ اشخاص مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ میں سے کسی ایک کا واسطہ ضرور ہوتا ہے، بنابریں یہ سند منقطع نہیں ہے، اِمام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس سند کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح عطاء بن سائب اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کی سند بھی صحیح مانی جاتی ہے، نیز وہ اقوال جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بواسطہ مرۃ بن شرحبیلؒ، اور حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابوالعالیہؒ منقول ہیں، دُرست تسلیم کئے جاتے ہیں، (کذا فی مقدمۃ احسن التفاسیر) ان کے علاوہ دُوسری سندوں سے جو بعض لمبی لمبی روایتیں ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ان

میں سے اکثر قابلِ وثوق نہیں۔ (مقدمہ تفسیر حقانی)

تأویل:

تأویل، اَوْلٌ سے ہے، جس کے معنی ہیں: رُجوع کرنا، گویا مؤوّل لفظ کے چند معانئ محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ معالم التنزیل میں تأویل کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"صرف اٰیۃ الیٰ معنًی محتملٍ موافق لما قبلھا وما بعدھا غیر مخالف لکتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ من طریق استنباط، فقد رخص فیہ لأھل العلم۔"

یعنی: تأویل اس کو کہتے ہیں کہ ایک آیت کے وہ محتمل معنی جو ماقبل و مابعد کے موافق ہوں، اور کتاب وسنت کے مخالف بھی نہ ہوں، وہ لئے جائیں، اہلِ علم کو اس کی رُخصت دی گئی ہے۔

سیّد سند نے شرحِ کشاف اور مُلّا علی قاریؒ نے شرحِ مشکوٰۃ میں اسے جائز قرار دیا ہے، اور تفسیر بالرائے جو اِن شرائط کو مدِنظر رکھتے ہوئے نہ کی گئی ہو، اگرچہ دُرست بھی ہو، اس کو تمام علمائے محققین نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

تحریف:

جو تفسیر ظاہرِ قرآن، نصوصِ صریحہ، احادیثِ صحیحہ یا عقائدِ جمہورِ اسلام کے خلاف ہو، اُسے تحریف کہتے ہیں، اس کا قائل خواہ کوئی ہو، بہرحال یہ حرام، زندقہ اور اِلحاد ہے۔ کبھی بعض عیار لوگوں کی طرف سے ایسی تفسیریں معتمد علماء کی طرف بھی منسوب کردی جاتی ہیں، اسے صریح بہتان سمجھنا چاہئے۔

مخالفینِ اسلام نے اپنی بدباطنی سے بعض قصص اور اَحکامِ قرآنیہ کو اپنی تأویلِ

باطل کے پردے میں مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً یہ کہا کہ: نماز سے مراد فقط توجہ الی اللہ ہے، اَحکامِ مخصوصہ نہیں، اسی طرح روزہ، زکوٰۃ اور دُوسرے حقائقِ شرعیہ کے واہی تباہی معنی بیان کئے، حاصل یہ نکلا کہ کہیں نماز ندارد، کہیں سب محرّمات حلال۔

اسی طرح ایک آفت یہ چھائی کہ کبھی کوئی تفسیر بناکر کسی بزرگ کے نام مشتہر کردی اور دیباچہ میں اس کا نام لکھ دیا، مجہول راویوں کے نام سے ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کہہ کر سند بھی بنالی، اب کوئی نہیں پوچھتا کہ حقیقت کیا ہے؟ مگر محدثینؒ کو خدا تعالیٰ جزائے خیر دے! کہ انہوں نے اس قسم کے چور اور راہ زَن پکڑ کر دِین کی وہ خدمت کی، جس سے پوری ملت ابد الآباد تک ان کی زیرِ بارِ احسان رہے گی، ایسی موضوع روایات شیعہ کتبِ تفاسیر میں پائی جاتی ہیں۔

شانِ نزول:

قرآنِ کریم کی آیات کے نازل ہونے کا عمومی سبب اور مقتضی دراصل بندوں کی حاجات اور ضروریات ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو بتدریج نازل فرمایا، مگر اکثر آیات کا نزول بظاہر کسی نہ کسی واقعے کے پیش آنے کے وقت ہوا ہے، اگرچہ ان آیات کی تفسیر اس واقعے کے علم پر موقوف نہیں ہے، اصطلاحِ مفسرین میں شانِ نزول سے یہی واقعہ مراد ہوتا ہے، جیسا کہ ظہار کی بابت ایک عورت کے سوال پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

''قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ .... الخ''

(المجادلہ:۱)

ترجمہ:... ''سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے ....''

چنانچہ ایسے واقعات کافی ہیں جنھیں محدثینؒ نے بہ سندِ صحیح نقل کیا ہے، مگر بعض اہلِ سِیَر نے اس معاملے میں افراط سے کام لیا ہے، چنانچہ ہر آیت کے تحت ایک قصہ نقل کر دیتے ہیں، محدثینؒ کے نزدیک ان میں سے اکثر غیر صحیح ہیں۔

قرنِ اوّل میں شانِ نزول کا اطلاق وسیع معنوں میں ہوتا تھا، مثلاً اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کے جواب میں کوئی آیت پڑھ دی تو اسے سببِ نزول کہہ دیا کرتے تھے، کبھی کسی واقعے کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا تو اسے بھی "نزلت فی کذا" کہہ دیتے تھے، کبھی کسی عام حکم کی آیات کا کسی فردِ خاص پر انطباق کرنا، یعنی اس کا مصداق بننا، سببِ نزول سمجھا جاتا تھا، کبھی ایک واقعہ دو بار ہوجاتا تو کہہ دیتے کہ آیت دو بار نازل ہوئی ہے، کبھی محدثینؒ اس آیت کو جسے صحابہؓ نے استشہاداً پڑھا تھا، شانِ نزول فرمادیتے ہیں، حالانکہ یہ سببِ نزول نہیں ہے۔

یہاں پر ایک اور بات ذہن نشین کرلینی چاہئے، وہ یہ کہ شانِ نزول کے انفرادی واقعات کے علاوہ ہر صنفِ آیات کے لئے ایک ایسا عمومی سببِ نزول بھی ہے، جو ایسی آیات کے نزول کا مقتضی ہوا کرتا ہے، کیونکہ نزولِ قرآن کا اصل مقصد اصلاحِ نفوسِ بشریہ ہے، پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا، آیاتِ مخاصمہ کا سببِ نزول ہے، اور اعمالِ فاسدہ کا وجود، آیاتِ اَحکام کا سببِ نزول ہے، نیز لوگوں کا نڈر ہونا، آیاتِ غضب، اور عذاب سے خوف زدہ ہونا، آیاتِ رحمت کے لئے شانِ نزول ہے، اس بحث کی زیادہ تحقیق مقدمہ اتقان، فوز الکبیر اور مقدمہ تفسیرِ حقانی میں دیکھیں۔

فائدہ:... واضح رہے کہ جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کا اتفاق ہے کہ آیت کو سببِ نزول کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جائے گا، بلکہ عمومِ الفاظ کا اعتبار ہوگا، ہاں! کبھی سببِ نزول بیان کرنے سے مفسرین کا مقصد صرف تناسخِ آیات ہوا کرتا ہے، جیسے آیت:

"فَاَیْنَ مَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (البقرہ:۱۱۵)

ترجمہ:... ''پس تم جس طرف منہ کرو اُدھر ہی خدا ہے۔''

بظاہر اس سے قبلہ رُخ ہونے کی فرضیت اُٹھ جاتی ہے، لیکن اس کا سبب نزول و موقع بتاتا ہے کہ جب سفر یا جنگل میں قبلہ نامعلوم ہو یا انسان سواری پر ہو اور نوافل پڑھ رہا ہو تو جدھر رُخ ہوگا نماز جائز ہوگی، کیونکہ ہر سمت ذاتِ حق جل و علا ہے، اس سے تقابلِ آیات بھی رفع ہوا اور فرضیتِ قبلہ بھی باقی رہی۔

حالتِ اقوام بوقتِ نزولِ قرآن:

بعثت سے پہلے دُنیا ظلمت و اِلحاد کے طوفانوں میں غوطے کھا رہی تھی، عرب میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد تھے: مشرکین، یہود، نصاریٰ، مجوس وغیرہ۔

عرب کو بلحاظِ خیالات دو قسم پر منقسم کیا جاسکتا ہے: اوّل: معتقدِ ملتِ ابراہیمیّہ، دوم: جو کسی مذہب کے معتقد نہ تھے۔

اوّل گروہ عرب محصلہ اور دوم معطلہ کہلاتا ہے۔

معطلہ کی پھر بہت سی اقسام تھیں، کیونکہ انسانی سعادت کا قصور دو ہی طرح سے ہوتا ہے، یا قصور قوّتِ نظریہ سے یا فتور قوّتِ عملیہ سے۔

قوّتِ نظریہ کے فتور سے مندرجہ ذیل گروہ پیدا ہوگئے تھے:

ا:... جو خدا تعالیٰ، انبیاء، جزا و سزا اور حشر و نشر کسی بھی چیز کے قائل نہ تھے، بلکہ کہتے تھے کہ تمام چیزیں دہر کے ذریعے ہو رہی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیٰی وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ'' (الجاثیہ:۲۴)

ترجمہ:... ''اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دُنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے۔''

اسی کا ابطال:

"اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... الخ" (الاعراف:١٠٥)

ترجمہ:... "کیا انہوں نے نظر نہیں کی سلطنت میں آسمان اور زمین کی۔"

اس جیسی آیات سے کیا گیا ہے کہ یہ انتظام خود بخود نہیں چل رہا ہے، بلکہ مالکِ مختار کا کام ہے۔

٢:... خدا تعالیٰ کے قائل تو تھے، مگر موت کے بعد جی اُٹھنے اور حساب و کتاب کے منکر تھے، چنانچہ کسی شاعر نے جو اسی فریق سے ہے، کہا ہے:

حیٰوةٌ ثم موتٌ ثم نشرٌ
حدیث خرافة یا اُمّ عمرو

اس کا ردّ قرآن مجید میں جابجا مصرّح ومشرّح ہے۔

٣:... رسالتِ بشری کے منکر تھے، اور اس بارے میں شبہاتِ رکیکہ پیش کرتے، مثلاً: یہ کہ خدا کو کھانے پینے والے بشر کی کیا ضرورت ہے کہ اسے رسول بنا کر بھیجے؟ جس کا ذکر اس طرح پر ہے:

"مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ" (الفرقان:٧)

ترجمہ:... "یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں۔"

دُوسرے مقام پر ہے:

"اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا" (بنی اسرائیل:٩٤)

ترجمہ:... ’’کیا بھیجا اللہ نے آدمی کو پیغام دے کر؟‘‘

جس کا جواب سورۂ فرقان وغیرہ میں منقول ہے، مثلاً:

’’لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ .....الخ‘‘

(بنی اسرائیل:۹۵)

ترجمہ:... ’’اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے .....‘‘

۴:... فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں خدا کی لاڈلی بیٹیاں بتاتے تھے، جس کا بیان یوں ہوا ہے:

’’وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا.‘‘ (الزخرف:۱۹)

ترجمہ:... ’’اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمٰن کے عورتیں۔‘‘

اور بعض جنوں کو خدا کی بیٹیاں تصوّر کرتے تھے، جیسا کہ فرمایا ہے:

’’وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا‘‘ (الصّٰفّٰت:۱۵۸)

ترجمہ:... ’’اور ٹھہرایا انہوں نے خدا میں اور جنوں میں ناتا۔‘‘

۵:... بعض لوگ بزرگوں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: جس طرح بغیر وزیروں، مشیروں کے سلاطین کے درباروں میں باریابی حاصل نہیں ہوسکتی، اسی طرح بغیر واسطۂ انبیاء و اولیاء کے خدا سے بھی عرض معروض نہیں ہوسکتی، ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو خدائی کا حصہ عطا فرما رکھا ہے، جن کے تقرّب کے بغیر نہ کسی کی عبادت قبول ہوتی ہے، نہ حاجت روائی اور مشکل کشائی ہوتی ہے، اسی کے رَدّ میں فرمایا گیا:

"اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ" (الکہف:۱۰۲)

ترجمہ:... "اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی۔"

۶:... بعض کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں میں حلول کرتا ہے اور ان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ" (المائدہ:۷۲)

ترجمہ:... "بے شک کافر ہوئے جنھوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔"

جیسا کہ یہود اپنے اوتاروں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

اسی بنا پر بڑے بڑے بزرگوں کے ڈھانچے بصورتِ بت بنا کر رکھتے اور کسی بت کو رزق رساں، کسی کو دافعِ مصیبت، کسی کو حاجت روا، اور کسی کو مشکل کشا سمجھ کر دُور و نزدیک سے انہیں پکارتے، ان کے تقرّب کے لئے قربانی، نذر و نیاز دیتے، انہیں سجدے کرتے، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے، جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

"وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْکُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ" (الانعام:۱۳۸)

ترجمہ:... "اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں لیتے اللہ کا۔"

اور ان کا خون بتوں پر لگاتے، گویا انہوں نے اس سے کھایا ہے، ان کے آگے باجا بجاتے، ناچتے کودتے، ان کے گرد طواف کرتے، ہاتھ جوڑ جوڑ کر ان سے

مرادیں مانگتے ،بعض دفعہ ان پر اولاد کی قربانی بھی کرتے ،جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے:

''وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ'' (الانعام:۱۳۷)

ترجمہ:...''اور اسی طرح مزین کردیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو ان کے شریکوں نے۔''

ان کے نام پر جانور چھوڑتے ،کھیتی باڑی سے ان کا حصہ نکالتے ،اور یوں سمجھتے کہ ان بتوں کا تقرّب ،تقرّبِ الٰہی ہے ،اور ان سے رُوگردانی سببِ نقصانِ جان و مال ہے ،بنابریں ان کی پرستش کو ضروری سمجھتے۔

مقدمہ تفسیرِ حقانی میں ہے کہ: جن لوگوں کے متعلق ان کا یہ خیال وعقیدہ تھا وہ انبیاء کرام علیہم السلام ،اولیائے کرامؒ اور ملائکہ عظامؑ تھے ،اور اس فریق کا رَدّ قرآن مجید میں سورۂ مائدہ و بنی اسرائیل وغیرہ میں جابجا موجود ہے۔

۷:...بعض لوگ آگ ،پانی ،سورج ،چاند اور اَرواحِ خبیثہ وغیرہ کی عبادت کرتے تھے ،بعض کاہنوں کو غیب دان سمجھ کر ان سے غیب کی باتیں پوچھتے تھے ،ان کے رَد میں:

''لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ''

(حٰمٓ السجدہ:۳۷)

ترجمہ:...''سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو۔''

وغیرہ آیاتِ کثیرہ وارِد ہیں ،بالخصوص سورت حٰمٓ اور النحل وغیرہ۔

عربِ محصلہ:

اس کے بھی کئی گروہ تھے ،تفصیل ملاحظہ ہو: اوّل ملتِ ابراہیمیہ کے پابند،

اگرچہ یہ لوگ قلیل تھے، لیکن کہیں کہیں ان کے افراد پائے ضرور جاتے تھے، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ اور قیس بن عاصم تمیمی وغیرہ، جن سے اسلامی تاریخ داں بخوبی واقف ہیں۔

مذہبِ عیسوی کے پابند:

اگرچہ یہ مذہب ایک آسمانی مذہب تھا، لیکن پہلی صدی میں اس پر وہ آفات نازل ہوئیں کہ اصلی اِنجیل گم ہوگئی، یونانی اور رُومی لوگوں میں اس کے متعلق نئے خیالات پیدا ہوگئے، تصنیفِ اَناجیل کا بازار گرم ہوا، حتیٰ کہ ستر اِنجیلیں لکھی گئیں، ان میں سے چار مشہور ہیں، پھر ان میں بھی بے دریغ تغیر وتبدل اور حک واضافہ ہوتا رہا، حتیٰ کہ چوتھی صدی عیسوی میں ان کی سات جداگانہ جماعتیں قائم ہوگئیں، جن کی وجہ سے عیسائی اب تک بُری طرح اختلاف وتشتت کا شکار ہیں۔

اُلوہیتِ مسیح، تثلیث اور مسئلۂ کفارہ بھی اسی زمانے کی ایجاد ہے۔

ملکِ اٹلی، رُوما میں پوپ قائم ہوا، جسے اپنے عہد میں مسیح کا نائب سمجھا جاتا تھا، لہٰذا اسے دِینی اَحکام میں حلت وحرمت، دستور میں ترمیم وتنسیخ اور معمولی نذرانے پر گناہوں کی معافی کا پروانہ دینا، وغیرہ، کا مجاز تصوّر کیا جاتا تھا، غرض ان کی حرام کاری کی کوئی انتہا نہ تھی، اسی سے ناراض ہوکر مارٹن لوتھر نے مذہبِ عیسوی کی ترمیم شروع کی، تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک عیسائیوں میں بت پرستی، قبر پرستی، توہمات پرستی اور بداَطواری عام طور پر رواج پاچکی تھی، سب سے بڑھ کر ان میں یہ تین بدترین اُصول اس وقت بھی تھے اور اب بھی ہیں:

۱:... تثلیث: خدا تعالیٰ، رُوح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام کو اقنومِ ثلاثہ مانتے تھے، یعنی تینوں کو ملاکر ازلیت اور ابدیت والا ایک خدا مانتے تھے، نہ کہ تین، اور اسے

توحید فی التثلیث کہتے تھے۔

۲:...اُلوہیتِ مسیح: عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں، لہٰذا انہیں قاضی الحاجات، دافع البلیات جان کر پکارتے تھے۔

۳:...تصلیبِ مسیحؑ: جو کہ یہود کے ہاتھوں سے ہوئی تھی، اُسے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ خیال کرتے تھے، نیز یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو سہواً بہشتی درخت سے کچھ کھالیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ...نعوذ باللہ... انہیں لوگوں کے گناہوں میں ملعون بنا کر تین دن تک جہنم میں رکھا تھا، اس طرح سے وہ تمام لوگوں کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوگئے ...العیاذ باللہ...اس کا رَدّ: ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی'' (فاطر:۱۸) (اور نہ اُٹھائے گا کوئی اُٹھانے والا بوجھ دُوسرے کا) میں ہے۔

فنڈر پادری اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں اس کا ذکر بڑے فخر سے کرتا ہے۔ اور ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں کے گناہ معاف کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء علیہم السلام گناہگار چلے آئے ہیں قرآنِ کریم کی اس آیت:

''وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ.''

(ص:۴۷)

ترجمہ:...''اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں۔''

میں ان کے رَدّ کی طرف اشارہ ہے، نیز یہ گروہ رَہبانیت کو عمدہ عبادت خیال کرتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا'' (الحدید:۲۷)

ترجمہ:...''اور ایک ترک کرنا دُنیا کا جو انہوں نے نئی

بات نکالی تھی۔"

ان کا رَدّ بھی قرآن مجید میں عام ملتا ہے۔

یہودی:

ان میں سے بعض تشبیہ کے قائل تھے، یعنی حق جل شانہ کے لئے جسم اور مکان ثابت کرتے تھے، اور قوت و قدرتِ ایزدی کو متناہی مانتے تھے، نیز ان کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد تھک گیا ہے، اور ہفتے کا دن اس کے آرام کے لئے مقرّر ہے، اس کے رَدّ میں:

"وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ" (ق:۳۸)

ترجمہ:... "اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان۔"

"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ:... "نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی۔"

"وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا" (آیۃ الکرسی)

ترجمہ:... "نہیں تھکاتی اس کو ان دونوں کی حفاظت۔"

وغیرہ آیات نازل ہوئیں۔

ان میں سے بعض، انبیاء کی عصمت کے قائل نہ تھے، اس کے رَدّ میں:

"وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ."

(صٓ:۴۷)

ترجمہ:... "اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں میں۔"

وغیرہ آیات وارِد ہوئیں، یہ لوگ انبیاء کے بعد منہیات میں ایسے مستغرق

ہوئے کہ بجائے تعلیم و تدریسِ کتابِ الٰہی کے جادو منتر میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، جس کا بیان پارۂ اوّل میں ہے:

"مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ" (البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ:... "جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں۔"

نیز حضرت مسیح علیہ السلام اور مریم علیہا السلام پر بدگمانیاں کرتے تھے، ان کے متبعین سے عداوت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ: اگر بموجبِ بشارتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰؑ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے، توراۃ کی تمام بشارات کو مؤوّل کرتے تھے، ان کے ہاتھوں کئی انبیاء کا قتل ہوا، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

"وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ" (آل عمران:۱۱۲)

ترجمہ:... "اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق۔"

نازل ہوا، ان کے اَحبار و رُہبان حبِ مال و جاہ، دین فروشی اور مسائل پر رشوت لینے میں نہایت بے باک تھے، جیسا کہ آیت:

"وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ" (المائدہ:۶۳)

ترجمہ:... "اور حرام کھانے سے۔"

انہیں کے حق میں وارِد ہے، اور ان کرتوتوں کے باوجود بھی یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور خدا کا وعدہ ہے کہ ہم سات دن یا چالیس دن مدّتِ عبادتِ عجل یا چالیس سال مدّتِ وادیٔ تیہ یا مدّتِ عمر دوزخ میں رہ کر ضرور جنت میں داخل ہوں گے، اسی موقع پر ارشاد ہے:

"نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ" (المائدہ:۱۸)

ترجمہ:... "ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے۔"

اور:

"لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ" (البقرہ:۸۰)

ترجمہ:... "ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے۔"

اور یہ بھی انہیں گھمنڈ تھا کہ نبوّت ہمارے ہی خاندان کے ساتھ مخصوص ہے، جس کے ردّ میں:

"وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" (البقرہ:۱۰۵)

ترجمہ:... "اللہ خاص کرلیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔"

وغیرہ آیات نازل ہوئیں، ان کے اعمالِ سیئہ کا نقشہ سورۂ بقرہ میں خوب تفصیل سے کھینچا گیا ہے۔

ہندو قوم:

یہ ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے آباد تھے، ان کے تین بڑے فرقے تھے:

اوّل:... بت، عناصر، آفتاب اور نیرات وغیرہ کے پجاری، بلکہ انسان، حیوان، نباتات، جمادات وغیرہ کے پجاری بھی تھے، جنہیں صابیوں، مجوسیوں کا مقلد کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

دوم:... سرے سے خدا تعالیٰ کے منکر تھے۔

سوم:... جاہل وحشی، جن کا نہ کوئی مذہب تھا، نہ ملت۔ پھر ان میں سے ہر ایک قسم کی بہت سی شاخیں تھیں، دیوتاؤں کے پجاری، بھوت پریت ہر شے کے لئے مختلف دیوتاؤں کا قائل ہونا، ہر ایک فرقہ کے برہمن یا گوسائیں ان کے ہاں موجود

تھے، ان کی مختصر سی شرح تفسیرِ حقانی میں موجود ہے، ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھولی بھٹکی دُنیا کی راہ نمائی فرمائیں اور ملتِ ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کریں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

الف:... ''لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ''

(ابراہیم:۱)

ترجمہ:... ''کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف۔''

ب:... ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا'' (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:... ''اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔''

ج:... ''وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ'' (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ:... ''اور اُتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس پیغام کا نام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو دیا ''اسلام'' ہے، یہی انسانیت کے لئے واحد راستہ ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

الف:... ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ''

(آل عمران:۱۹)

ترجمہ:... ''بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی

مسلمانی حکم برداری۔“

ب:...”وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ“ (آل عمران:۸۵)

ترجمہ:...”اور جوکوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔“

قویٰ:

انسانی وجود میں دو قوّتیں ہیں، اگر ان کی اصلاح ہوجائے تو انسان کو نجات وسعادتِ عظمیٰ مل سکتی ہے۔

قرآن کے علوم

ا:...قوّتِ نظریہ:

جس سے محسوسات ومعقولات کا ادراک ہوتا ہے، اور حق و باطل میں تمیز ہوتی ہے، یہی قوت، اعمال پر برانگیختہ کرتی ہے، اور مرنے کے بعد بھی ساتھ رہتی ہے، معقولاتِ مجرّدات میں سب سے اعلیٰ و اشرف موجودِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا اس کی ذات و صفات کا علم ایک اعلیٰ و افضل علم ہے، اس کا صحیح علم بجز انکشافِ انبیاء علیہم السلام ناممکن ہے، سینکڑوں مذاہبِ باطلہ اور ادیانِ کاذبہ صرف اس لئے پیدا ہوئے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو ”خدا“ نہ جانا، بلکہ اپنے خیالاتِ باطلہ سے جسے چاہا خدا بنایا اور اسے صفاتِ باری تعالیٰ سے موصوف گردانا۔

قرآن مجید نے اس مشکل کو حل کردیا، خدا تعالیٰ نے دلائلِ آفاقی و انفسی سے اپنی ذات وصفات کا ثبوت دیا، توحید، قدرت، علم، حیات، بے چونی اور استحقاقِ

ستائش وحمد، رُبوبیتِ جملہ عالم، رحمتِ تامہ و عامہ وغیرہ صفاتِ کمال ثابت کیں، اور فنا، حدوث، احتیاج وغیرہ جسمانی آلائشوں سے پاکیزگی بھی بیان فرمادی، کہیں عالمِ علویات یعنی آسمانوں، ستاروں اور ان کے حالات سے، کہیں ارتباطِ عناصر اور ان کے تغیرات و حالات سے، کہیں جوّالسماء اور اس کی کائنات میں غور و خوض سے، کہیں زمین، پہاڑ، جمادات اور ان کی وضع و اَشکال سے، کہیں نباتات اور اس کے مختلف حالات سے، کہیں تخلیقِ حیوانات اور ان میں تغیرات سے اپنی ذات و صفات کو واضح فرمایا، جنہیں دلائلِ آفاقیہ کہا جاتا ہے، کبھی خود حضرتِ انسان اور اس کے حالاتِ حیرت خیز سے ثابت و واضح فرمایا کہ یہ انسان اور اس کے متعلقات وضروریاتِ ارضی و سماوی کی تخلیق و ترتیب، ان کے مادّہ وطبیعت سے نہیں ہوئی، بلکہ کوئی ایسی ذات ہے جس میں قدرت و رحمتِ کاملہ ہے، وہی انہیں بناسکتی ہے اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے:

وفی کل شیء لہ اٰیۃ
تدل علٰی انہ واحد

۲:...قوّتِ عملیّہ:

اس میں تین ضروری علوم ہیں:

ا:... تہذیب النفس: اس کی بہت سی شاخیں ہیں، مثلاً طہارتِ بدن، لباس، آدابِ مآکل، مشارب، براءۃ عن الاخلاق الرذیلہ (مثلاً: حسد، کبر، بغض، عداوت وغیرہ) کا طریقہ۔

۲:... تدبیر المنزل: وہ علم جس میں ایک گھر کی معاشرت و انتظام سے بحث کی جاتی ہے۔

۳:... سیاستِ مدنیہ: وہ علم ہے جس میں طہارتِ ظاہریہ و باطنیہ، حدود و

قصاص، میراث، طلاق، نکاح اور بیع و شراء وغیرہ تمام چیزوں سے متعلقہ اُمور سے بحث کی جاتی ہے، اور ان تینوں علوم کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے: "کُلٌّ فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ"۔

علومِ خمسہ:

یہ پانچ علوم قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں:

ا:...علم المخاصمہ:

یعنی عقائدِ باطلہ کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرَقِ باطلہ ضالہ مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کی تردید بکثرت نازل فرمائی ہے، اور ان کے شبہات کو اَدلۂ برہانیہ و خطابیہ سے پورے طور پر واضح فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت میں مشرکین ملتِ ابراہیم کے دعویدار تھے، اور بعض ملتِ ابراہیمیہ کے شعار مثلاً: حجِ کعبہ، غسلِ جنابت، ختنہ، تعظیمِ اَشہرِ حرام و مسجدِ حرام، تحریمِ محرَماتِ نسبیہ و رضاعیہ اور ذبح در حلق وغیرہ کے بھی قائل تھے، اگرچہ اکثر مشرکین نے عملاً ان چیزوں کو ترک کردیا تھا اور زنا، سرقہ، غصب و غارت کے مرتکب ہوچکے تھے، اور اعتقادیات میں خالقِ ارض و سماء، مدبرِ اُمورِ عالیہ، ارسالِ رُسل پر قدرت، اعمالِ حسنہ اور سیئہ پر سزا و جزا دہندہ، خدا تعالیٰ کو مانتے تھے اور فرشتگان کو مقرّبِ ایزدی اور مستحقِ تعظیم سمجھتے تھے، ہاں! ان پانچ چیزوں کے اعتبار سے ان کے اعتقادیات میں گمراہی بھری ہوئی تھی: شرک، تشبیہ، تحریف، انکارِ معاد اور استبعادِ رسالتِ انسان۔

ا:...شرک: ان کا شرک اس معیار پر نہ تھا کہ جو کام خدا کرنا چاہے کوئی اس کا مدِمقابل اسے روک سکتا ہے، بلکہ ان کا شرک اس طرح پر تھا کہ خدا تعالیٰ کو دُنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرتے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خاص بندگان میں سے کسی

کو بعض ممالک کا حاکم بنادیتا ہے اور وہ اس علاقے میں مختار و متصرف ہوتا ہے، اور جب تک کسی معاملے میں بادشاہ سے ممانعت نہ آئے، وہ معاملات کو طے کئے جاتا ہے، اور بادشاہ اُمورِ رعایا میں جزوی طور پر متصرف نہیں ہوتا۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے اُمور، مثلاً: شفائے امراض، اعطائے ولد، درازیٔ عمر اور اعطائے اعزاز و کرامت وغیرہ کے متعلق اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ اُمور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگانِ خاص کے سپرد فرما رکھے ہیں، اور اُمورِ عظام (بڑے بڑے کام) مثلاً: نگہداشتِ عرش و فرش، خالقیت و مالکیت وغیرہ خود فرماتا ہے، نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ بندگانِ خاص کی سفارش اگرچہ رضائے ایزدی نہ بھی ہو تب بھی قبول فرماتا ہے، ''مقبول را رد نباشد سخن'' اسی بنا پر ان کی طرف سجدہ، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی، ان کی قسم اور ان سے استعانت و تقرّب ضروری سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان سے ہمیں خدا کا تقرّب ہوتا ہے، اور یہ ہماری سفارش بھی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے:

الف:... ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى''
(الزمر:۳)

ترجمہ:... ''ہم تو ان کو پوجتے ہی اس واسطے ہیں کہ ہم کو پہنچادیں اللہ کی طرف قریب کے درجے میں۔''

ب:... ''هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآئُنَا عِنْدَ اللّٰهِ'' (یونس:۱۸)

ترجمہ:... ''یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔''

بعد میں ان کی تصاویر پتھر، پیتل وغیرہ کی بنا کر بطور تبرک رکھنے لگے، آہستہ آہستہ بعض جاہلوں نے ان کو معبود بذاتہ سمجھا اور صفاتِ مختصۂ خدا، مثلاً: علمِ غیب و تصرف وغیرہ ان کے لئے بھی ثابت کیا، جس سے ان کی بنائے شرک پختہ ہوگئی۔

۲:...**تشبیہ**: خدا تعالیٰ کے لئے صفاتِ بشریہ ثابت کرنے لگے، مثلاً: ملائکہ بنات اللہ ہیں، شفاعتِ بندگان، اگر چہ مرضی نہ ہو مثلِ بادشاہان قبول فرماتا ہے۔

۳:...**تحریف**: مشرکینِ عرب ابتداءً ابراہیمی دین رکھتے تھے، جب عمرو بن لحی علیہ ما علیہ یمن سے بت اپنے ساتھ اُٹھا لایا تو آہستہ آہستہ ان میں صنم پرستی، بحیرہ، سائبہ جانوروں کے بتوں کے نام پر کان کاٹنا، تیروں سے تقسیم کرنا، امداد غیر اللہ وغیرہ رُسوم رواج پاتے گئے، اور بعد کے لوگ بطور تمسکِ آباء انہیں اجزائے ایمان تصور کرنے لگے۔

۴:...**انکارِ معاد**: اگر چہ سابق انبیاء علیہم السلام نے حشر ونشر کو بیان فرمایا تھا، مگر یہ بیان تفصیل وشرح سے نہ تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے، لہٰذا مشرکین نے تأویلیں کرنا شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ نوبت انکار تک پہنچ گئی۔

۵:...**استبعادِ رسالتِ انسان**: یہ لوگ اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کو رسول مانتے تھے مگر نبی کے لئے صفاتِ بشریہ مثلاً: کھانا پینا، بازاروں میں چلنا، شادی کرنا، جیسے اُمور کو کمالِ نبوّت ورسالت کے منافی سمجھتے تھے، اور یہ بات شانِ ایزدی کے لائق نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ایک غریب آدمی کو نبی بنا کر بھیجے، وہ کہا کرتے تھے کہ: فرشتے کو نبی بنا کر بھیجنا چاہئے تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر سوال کا جواب بوساطت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل طریق پر دیا:

ا:...مخلوق میں سے کوئی چیز اگر مستقل اختیار رکھتی ہے، تو نام لو۔

۲:...تخلیقِ آسمان وزمین میں اگر کوئی چیز خدا کی شریک ہے، تو بتاؤ۔

۳:... جب عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے، تو اس کا مستحق سوائے خدا تعالیٰ کے اور کون ہوسکتا ہے؟

۴:...ابتدائے عالم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام مسئلۂ توحید پر متفق چلے آئے ہیں، اور ان کا اتفاق بغیر از صدق کیسے ہوسکتا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

”وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ.“ (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ:...”اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے، سو میری بندگی کرو۔“

۵:...اصنام جبکہ کوئی بھی حس و حرکت نہیں رکھتے، معبود کیسے بن سکتے ہیں؟

اسی طرح تشبیہ کے جواب میں نمبر ایک پر دلیل طلب کی گئی ہے کہ:

۱:...اگر خدا تعالیٰ میں انسانی صفات ہیں تو کوئی دلیل پیش کرو۔

۲:...والد اور ولد میں تناسب ہوتا ہے، اور خدا و مخلوق میں وہ تناسب مفقود ہے۔

۳:...تمہارے لئے تو بیٹیاں باعثِ عار ہیں، پھر خدا کے لئے بیٹیاں کیوں ثابت کرتے ہو؟

تحریف کے جواب میں کہا گیا:

۱:... یہ چیزیں ائمہ ملت سے منقول نہیں ہیں۔

۲:... یہ افتراء علی اللہ ہے، وغیر ذالک۔

انکارِ معاد کے جواب میں کہا گیا:

۱:...تمثیل دی گئی ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو بارش سے زندہ کیا جاتا ہے، اسی طرح مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔

۲:...اللہ قادر ہے کہ اجزائے متفرقہ فی البر والبحر کو یکجا جمع کرکے زندہ فرمادے۔

۳:...احیائے موتیٰ میں تمام کتبِ الٰہی متفق ہیں۔
اور استبعادِ رسالتِ انسان کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ:
۱:...تمام انبیاء سابق بھی تو انسان تھے اور کھاتے پیتے تھے۔
۲:...فرشتوں کو اس لئے نہیں بھیجا کہ اگر اپنی صورت میں تبلیغ کرتے تو انسانوں کو پتا نہ چلتا، اور اگر انسانی صورت میں آتے تو وہی اِشکال درپیش ہوتا۔
۳:... ہر شخص رسول بننے کا اہل نہیں، یہ اللہ کا انتخاب ہے، جسے چاہے بنادے، وغیر ذالک من الجوابات۔ (کذا فی فوز الکبیر، للشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

۲:...تذکیر بآلاء اللہ:

خطابِ ایزدی کا اُسلوب وطریق اس قدر صاف وسادہ ہے کہ عام و خاص، شہری و دیہاتی، پیر و جوان، ہر شخص سمجھ سکے، مثلاً: تخلیقِ آسمان و زمین، انزالِ مطر، جریانِ ماء، پھل، پھول اور نباتات کی پیدائش، اتباعِ حیوانات برائے انسان، اعطائے سمع و بصر و تکلم، عقل و ہدایت کی نوازش، خیر و شر کا علم، وغیر ذالک، ایسے دلائل ہیں جو ہر انسان کے دِل میں گھر کرنے والے ہیں، اور ان سے متأثر ہوکر موحد و منقاد ہوجانا آسان ہوجاتا ہے۔

۳:...تذکیر بایام اللہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عبرت کے لئے اُممِ سابقہ کے ایسے قصص بیان فرمائے جن سے عام اہلِ عرب کے کان کسی نہ کسی درجے میں ضرور مانوس تھے، مثلاً قصۂ طوفانِ نوحؑ، داستانِ ہلاکتِ عاد وثمود، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انبیائے بنی اسرائیل کے واقعات، یہ سب ایسی چیزیں تھی کہ اہلِ عرب اختلاطِ یہود اور سفرِ شام کی بدولت ان سے ناآشنا نہ تھے۔ ہند، رُوم، فارس وغیرہ کے قصص ذکر نہ فرمائے،

تاکہ بجائے تحصیلِ عبرت، وحشت، حیرت اور انکار نہ آجائے۔ چونکہ غرضِ اصلی تذکیر تھی، اسی بنا پر ہر قصے کا وہی حصہ بیان فرمایا جس سے نصیحت مقصود تھی، باقی حصہ ترک فرمادیا تاکہ سامع پر بوجھ نہ ہو، یا حظِ نفس ہی مقصد نہ بن جائے۔ بعض قصص مکرّر سہ کرّر بیان فرمائے گئے، اس کا مقصد یہ ہے کہ جس موقع پر تبشیر و اِنذار، نصرت بعدِ یأسِ مؤمنین، بیانِ توحید، اَمرِ معروف، نہی عن المنکر، تحذیرِ عصاۃ، شبہاتِ رکیکہ کا بیان اور دفعیہ، اور تسلیِ پیغمبر و مؤمنین مقصود ہو، اُسے پورے طور پر مشرح و مفصل بیان فرمایا جائے۔ بعض قصص مثلاً: استجابتِ دُعائے زکریا علیہ السلام، خلافتِ داؤد و سلیمان علیہما السلام، تولدِ عیسیٰ علیہ السلام بغیر پدر کے دُوسری حکمتوں کی مانند اظہارِ نعمت اور اتقیا پر اِنعام و اِکرام کا رُخ بھی ہوتا ہے، پس مقصودِ قصص، نفسِ قصہ نہیں ہوتا، بلکہ تقبیحِ شرک و معاصی، بیانِ عقوبتِ اشرار، اطمینانِ انبیاء اور ظہورِ عنایت درباب مخلصین بھی مقصود ہوتا ہے، وغیر ذالک من الفوائد۔

۴:...تذکیر بما بعد الموت:

بعد اَز مرگ واقعات، مثلاً: قبر، حشر، نشر، دوزخ، بہشت وغیرہ ذکر کرکے نصیحت فرمائی جاتی ہے، تاکہ دُنیا سے دِل سرد ہوکر خدا کا خوف و محبت پیدا ہو اور نافرمانی سے طبیعت رُک کر تعمیلِ فرمان پر کمربستہ ہوجائے۔

۵:...علم الاَحکام:

قرآنی اَحکام دوقسم پر ہیں: اَوامر و نواہی۔ پھر ہر ایک دوقسم پر ہے: ضروری اور غیرضروری۔ جس طرح طبیبِ جسمانی، نافع اَدْوِیہ و اَغذِیہ کا حکم کرتا ہے اور مضرّ سے منع کرتا ہے، اسی طرح علیم و حکیم نے بھی طیب کو حلال اور خبیث کو حرام

فرمایا، اور فرمایا:

''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ''

(الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ:...''اور حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔''

پھر یہ اَحکام اعتقادی ہوں گے جو کہ قابلِ نسخ نہیں ہیں، یا عملی ہوں گے، پھر عملی یا تو مخصوص باللہ ہوں گے، یا مخصوص بالعباد۔

مخصوص باللہ، مثلاً: نماز، یہ جسم اور رُوح دونوں کی عبادت ہے، رُوحانی طور پر خشوع اور جسمانی طور پر حرکاتِ مخصوصہ۔

روزہ، اس میں ترکِ اکل وشرب و جماع عبادتِ جسمانی ہے، اور قوتِ بہیمیہ شہوت وغضب کا مغلوب کرنا رُوحانی عبادت ہے، اسی طرح زکوٰۃ، حج، اداءِ شہادت، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور جہاد وغیرہ۔

مخصوص بالعباد: اس میں یا تو ایک شخص کے اخلاق وغیرہ کی دُرستی ہوگی، جس کو تہذیبِ اخلاق، یا ایک گھر کی دُرستی ہوگی، جس کو تدبیر المنزل، یا شہر و ملک کی دُرستی ہوگی جس کو سیاستِ مدنیہ یا ملک گیری کہتے ہیں، کما مرّ، ان پانچوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مفصلاً ذکر فرمایا ہے۔

فائدہ:... اللہ تعالیٰ نے مصنّفینِ متون کی طرح ہر شے کی کوئی جامع مانع تعریف بیان نہیں فرمائی، بلکہ اس چیز کو عاداتِ عرب پر چھوڑ دیا، مثلاً: فرمایا کہ زانی کو دُرّے مارو، چور کا ہاتھ کاٹو، وغیرہ وغیرہ، مگر بعد میں فقہاء رحمہم اللہ نے عرب العرباء کی عادات کو پیشِ نظر رکھ کر ان کی جامع مانع تعریفیں بیان فرمائیں۔

اِجرائے اَحکام بلحاظِ فطرت:

حق تعالیٰ نے اعطائے اَحکام میں فطرت کا لحاظ رکھا، یعنی وہ چیز جو عرب میں فطرتِ صحیحہ پر ہو رہی تھی اسے باقی رکھا گیا، اور جن چیزوں میں تغیر و تبدل، افراط و تفریط ہوچکی تھی، ان کی اصلاح فرمائی، مثلاً: بعض بیوع باقی رکھیں اور بعض کی اصلاح فرمائی، اور بہت سی بیوع کو سرے سے ختم کر دیا گیا، کما فی کتب الفقہ ۔ اور اصلاح میں اصلاحِ عرب کو متبوع اور دیگر ممالک کو تابع بنایا گیا، اسی بنا پر شریعت کا بعض حصہ رُسوم و عاداتِ عرب پر مشتمل ہے، اگر عاداتِ عرب کو دیکھا اور سوچا جائے تو اکثر اَحکام کی علل و مصالح بآسانی سمجھی جاسکتی ہیں، ان علل پر اَحکام کی بنیاد رکھنا، جسے قیاس کہتے ہیں، مجتہد کا حصہ ہے۔

اندازِ خطاب:

قرآنِ حکیم کا اندازِ خطاب کبھی مشفقانہ ہوتا ہے، کبھی حاکمانہ اور کبھی حکیمانہ، جس طرح باپ بیٹے کو سمجھانے میں نرمی کرتا ہے اور اس قدر مقصود اس کے ذہن نشین کرتا ہے کہ نقش کالحجر ہوجائے، اور جب تک اس کی سمجھ میں نہ آجائے، مختلف طرق و امثلہ سے مقصود کو دُہرائے جاتا ہے، اور اس کے سمجھنے میں جو چیز رُکاوٹ بن رہی ہو، اس کو دفع کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ بھی ہر بات کو مختلف طرق و امثلہ سے پورے طور پر واضح فرماتے ہیں، اور اس کے ساتھ لطف یہ ہے کہ تغیرِ عنوانات میں وہ لطف، کشش، دِلچسپی اور دِل پذیری ہے کہ:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دِل می کشد کہ جا اینجاست

"ھو المسک ما کرّرتہ یتضوعُ"

پھر لطف یہ کہ اس کلام کے سمجھنے میں شہری، دیہاتی، بادشاہ، رعیت، دانش مند، کم فہم، ہر شخص حصہ دار ہے، البتہ دانش منداسرار و نکات سمجھے گا اور کم فہم صاف و سادہ مطلب سمجھے گا، بہرحال خالی کوئی بھی نہیں رہے گا۔

نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ قرآن مجید شاعرانہ مبالغے کے بغیر ہر مضمون کو اس صدق و صفائی سے بیان فرماتا ہے کہ مجال نہیں اس میں کچھ کمی بیشی ہو، حتیٰ کہ بوقتِ نزولِ قرآن باوجود معارضہ و مجادلہ کے عام اعلان فرمایا کہ:

الف:... "فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ" (الطور:۳۴)

ترجمہ:... "پھر چاہئے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی۔"

ب:... "فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ" (ہود:۱۳)

ترجمہ:... "تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی۔"

ب:... "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ" (البقرہ:۲۳)

ترجمہ:... "تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔"

اگرچہ مخالفین، عربیت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، نہ مقابلے میں کوئی آیت بنا سکے اور نہ ہی کوئی نقص نکال سکے، اس زمانے سے لے کر آج تک کوئی نقص نہیں نکالا جاسکا، اور نہ قیامت تک ہی نکالا جاسکے گا، البتہ کوئی جاہل محض ضد کی بنا پر کچھ کہتا رہے تو بے شک کہے، حقیقت میں کچھ نہیں:

چوں نیست در مشامِ عماد ہیچ امتیاز
سرگینِ میش و عنبرِ پیشش برابر است

اور حاکمانہ خطاب جیسے:

الف:... ’’فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ‘‘ (الانعام:۳۵)

ترجمہ:... ’’سوتو مت ہو نادانوں میں۔‘‘

ب:... ’’فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ‘‘

(یونس:۱۰۶)

ترجمہ:... ’’پھر اگر تُو ایسا کرے تو، تُو بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوگا۔‘‘

ج:... ’’وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ‘‘ (الانعام:۵۲)

ترجمہ:... ’’اور مت دُور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رَبّ کو صبح اور شام۔‘‘

اس میں خواص و عوام ہر دو داخل ہوتے ہیں، گو خواص اس کے محتمل نہ ہوں۔ شاہانہ خطاب میں وزیر و عوام ہر دو داخل ہوتے ہیں، جیسے چوری نہ کرو، زنا، نہ کرو، گو وزیر میں اس کا احتمال نہ ہو۔ اور حکیمانہ خطاب میں اس حکم کا فائدہ و نقصان بھی بیان کردیا جاتا ہے، جیسے:

الف:... ’’وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا.‘‘ (بنی اسرائیل:۳۲)

ترجمہ:... ’’اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ ہے۔‘‘

ب:... ’’وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ، لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ....الخ.‘‘ (الحج:۲۷)

ترجمہ:... ''اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ
آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہوکر دُبلے دُبلے اُونٹوں
پر چلے آئیں راہوں دُور سے، تاکہ پہنچیں اپنے فائدے کی
جگہوں پر۔''

تنبیہ:... تشبیہ میں من کل الوجوہ مشابہت ضروری نہیں ہوتی، بلکہ وجہ شبہ میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے، مثلاً: ''زید اسد (شیر) ہے'' میں صرف بہادری میں مشابہت ہوگی، لیکن بعض جہلاء مشبہ کو پورا مشبہ بہ سمجھ کر مشبہ بہ کے اَحکام لگادیتے ہیں، اسی بنا پر بعض جہلاء نے ''وَجْهُ اللهِ'' سے اللہ تعالیٰ کا منہ گوشت پوست وغیرہ، اور:

''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' (طٰہٰ:۵)

ترجمہ:... ''وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔''

سے بادشاہ تخت نشین سمجھ لیا، ان شبہات کی تردید آیت:

''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ:... ''نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی۔''

سے کردی گئی ہے، اس کے علاوہ دُوسری آیاتِ قرآنیہ بھی ہیں، مثلاً:

''اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ'' (النحل:۱۷)

ترجمہ:... ''بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ
نہ پیدا کرے؟''

جن سے اس وہمِ باطل کا ازالہ کیا گیا ہے، اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ ذاتِ باری سبحانہ کو ممکنات کی صفات سے بری قرار دیا جائے، اور ہر عیب و نقص سے پاک اعتقاد کیا جائے، سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ!

آغازِ سوَر:

سوَرِ قرآن مجید خطوطِ شاہی کی مانند ہیں، جیسے خطوط کبھی حمدِ خدا تعالیٰ سے شروع کئے جاتے ہیں، اور کبھی اس کے بغیر، کسی کے لئے عنوان تجویز کیا جاتا ہے اور کسی کے لئے نہیں، اور بعض کی ابتدا مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے کی جاتی ہے، پھر ان میں سے کوئی مختصر ہوتا ہے اور کوئی مطول، اسی طرح کسی سورت کو حمد سے شروع کیا گیا، جیسے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"، اور کسی کو تسبیح سے، جیسے: "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ"، کسی سورت کے ابتدا میں غرض لکھ دی جاتی ہے، مثلاً: "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ"، اور کسی کی ابتدا مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے ہوئی ہے، جیسے: "تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ"، "يٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ"، "سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا ..... الخ"، اور بعض بغیر عنوان کے شروع کر دی گئی ہیں، جیسے: "قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا" اور "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ..... الخ"۔

عرب میں فصاحت و بلاغت کا عام چرچا تھا، بڑے زور دار قصیدے لکھے جاتے تھے اور ابتدائے قصائد میں تشبیب وغیرہ بیان کر کے پھر مقصد کی طرف رُجوع کیا جاتا تھا، اسی طرح بعض سورتوں میں ابتداءً کسی مناسب تمہید کو لاکر پھر مقصد بیان کیا جاتا ہے، جیسے: "وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا. فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ..... الخ" اور "اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ"، اور جس طرح بالعموم مکتوبات کے آخر میں مخاطب کو خصوصی توجہ دِلانے کے لئے اَحکامِ سابقہ کا اعادہ اور خلاصہ ہوا کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی آخر سوَر کو جوامع الکلم، تاکیدِ بلیغ اور تہدیدِ عظیم پر ختم فرماتے ہیں، مثلاً:

"لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا

مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ" (البقرہ:۲۸۴)

ترجمہ:... "اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اگر ظاہر کروگے اپنے جی کی بات یا چھپاؤگے اس کا حساب لے گا تم سے اللہ۔"

اور بعض مضامین میں ایک کلام سے کسی چیز کو شروع کیا جاتا ہے، اور پھر اسی کلام پر اسے ختم کیا جاتا ہے، مثلاً: "یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ" سے اہلِ کتاب کو نصیحت کی ابتدا ہوئی، اور پھر بعینہٖ انہی الفاظ پر آخر پارہ میں اس نصیحت کو ختم کردیا گیا، وغیر ذالک من النکات۔

ترتیبِ سوَر:

محققین کے نزدیک ترتیبِ سوَر توقیفی ہے، یعنی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ رُوحی وجسمی) نے جس ترتیب کے ساتھ سورتوں کو رکھا، اس میں قیاس و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ ترتیب بحکمِ خداوندی ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءۃ کے شروع میں تسمیہ کا حکم نہیں فرمایا تھا، اس لئے وہاں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد:۱۸ صفحہ:۲۵۷ میں ہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لئے نہیں لکھی تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس کے ساتھ بسم اللہ نہیں لائے تھے، باقی قرآن مجید کے حاشیہ پر جو کلماتِ تعوّذ لکھے جاتے ہیں، ان کا پڑھنا بدعت ہے۔

الاَیمان فی القرآن:

قسم چار طرح کی ہوتی ہے:

اوّل:... کسی کو بڑا اور متصرف فی الاُمور سمجھ کر قسم کھائی جائے، اور مُقسَم بہ

کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ اُسے میرے حالات کی پوری خبر ہے، اور قسم پوری نہ کرنے کی صورت میں مجھے نقصان پہنچانے پر وہ قادر ہے، تو ایسی قسم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، غیراللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا بھی ناجائز ہے اور اس اعتقاد پر غیراللہ کی قسم کھانا بھی حرام ہے، پس عوام جو یہ قسم کھاتے ہیں کہ: ''اگر میں فلاں کام نہ کروں تو فلاں بزرگ میرا بیڑا تباہ کرے'' اسی قبیل سے ہے جو قطعاً حرام ہے۔

دوم:... یہ کہ قسم کھانے والا قسم کو اپنے مدعا پر بمنزلہ شاہد یا دلیل کے لائے، قرآن کی اکثر قسمیں اسی نوع کی ہیں، یہ قسمیں نہ صرف جائز ہیں، بلکہ پسندیدہ اور مستحسن بھی ہیں، اور فصحائے عرب کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ چلپی حاشیہ مطول میں صراحۃً اس کو جائز رکھا گیا ہے، فوز الکبیر میں شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اس کی مثال فارسی میں اس طرح لکھی ہے کہ:

''قسم بہ لب مے گونِ تو و زلفِ مشکینِ تو کہ محبوب دِل رُبائی۔''

سوم:... یہ کہ قسم کو دُعا کے موقع پر لایا جائے، جیسے:

''لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ۔''

(الحجر:۷۲)

ترجمہ:... ''قسم ہے تیری جان کی! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔''

چہارم:... وہ قسم ہے جو بددعا کے موقع پر استعمال کی جائے، جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ قسم ہے:

ثَکِلْتُ بُنَیَّتِیْ اِنْ لَّمْ تَرَوْھَا
تُثِیْرُ النَّقْعَ مِنْ طَرَفَیْ کداء

ترجمہ:... ''میں اپنی ذات کو گم پاؤں، اگر اے کفارِ مکہ!

تم کدا (پہاڑی) کے دونوں طرف ان گھوڑوں کو گرد و غبار
اُڑاتے نہ دیکھو۔“

”ہا“ کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے۔ تو گویا حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی قسم اُٹھائی تھی، اسی وجہ سے فتحِ مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: کدا پہاڑی کے دونوں طرف سے گھوڑوں کو لانا، اور فرمایا کہ: ”آج ہم نے حسان بن ثابت کی قسم پوری کردی ہے۔“

مکی و مدنی آیات:

جو آیتیں مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئیں، وہ مدنی ہیں، خواہ کسی جگہ نازل ہوئی ہوں، اور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں، وہ مکی ہیں، خواہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ کے سوا کسی دُوسرے مقام پر۔

نسخِ آیات:

نسخِ آیات کا مسئلہ فنِ تفسیر کے مشکل مسائل میں سے ایک ہے، اور یہ اِشکال، بسبب اختلاف اصطلاحِ متقدمین و متاخرین کے پیدا ہوا ہے، صحابہؓ و تابعینؒ کے کلام میں نسخ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوتا تھا نہ کہ اصطلاحِ اُصولیّین کے مطابق، پس متقدمین کے نزدیک نسخ کا معنیٰ یہ تھے:

”تغيّر اية باٰية اُخرىٰ، سواء كان بتقييد مطلق
أو تخصيص عام، أو انتهاء مدة عمل، أو تغيّر رسم
ثابت، أو شريعة سابقة.“

چونکہ نسخ کے یہ معنی عام اور وسیع المصداق تھے، اس لئے نسخ کی تعداد پانچ سو آیات تک پہنچی۔

متأخرین کے نزدیک نسخ کی تعریف یہ ہے:

"رفعُ حکم مطلقًا بالقراءة أو بدون القراءة."

اس تعریف کی بنا پر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "الاتقان" میں اور شیخ ابنِ عربی رحمہ اللہ نے بیس آیتوں میں نسخ کو تسلیم کیا ہے، باقی میں تسلیم نہیں کیا، لیکن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "فوز الکبیر" میں صرف پانچ آیتوں کے نسخ کو تسلیم کیا ہے، باقی پندرہ کی توضیح فرمادی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "فوز الکبیر" میں اُن بیس آیات کا بھی جواب تحریر فرمایا ہے جن کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "الاتقان" میں منسوخ قرار دیا ہے، اور باقی صرف پانچ آیات میں نسخ کو تسلیم کیا ہے، اور وہ پانچ یہ ہیں:

ا:... ابتدائے اسلام میں میراث کے حکم سے پہلے وصیت فرض تھی، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے:

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ..... الخ." (البقرۃ:۱۸۰)

ترجمہ:... "فرض کردیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت، بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال، وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ۔"

یہ حکم مندرجہ ذیل آیتِ میراث سے منسوخ ہوگیا:

"يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِىْٓ اَوْلَادِكُمْ ..... الخ."

(النساء:۱۱)

ترجمہ:... "حکم کرتا ہے تم کو اللہ، تمہاری اولادوں کے حق میں ....."

اس آیت کو منسوخ قرار دینے کے بعد مدارک نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ جو لوگ نئے مسلمان ہوتے اور ان کا کوئی رشتہ دار مسلمان نہ ہوتا تو ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم تھا کہ مرتے وقت اپنے کافر ماں باپ وغیرہ کے لئے وصیت کردیا کریں، اور یہ حکم استحبابی تھا اور اب بھی باقی ہے، پس اس صورت میں لفظ ''کُتِبَ'' کے معنی ''فُرِضَ'' نہ رہیں گے، بلکہ ''نُدِبَ'' کے ہوں گے، (''نُدِبَ'' کے بجائے ''کُتِبَ'' جو فرمایا گیا، تو یہ ترغیب کے لئے ہے)۔ (کذا نقل من مجمع البحار)

بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ: ''اَلْوَصِیَّۃُ'' میں الف لام عہد کا ہے، یعنی شرعی وصیت، اس صورت میں آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر مال رکھتا ہے تو مرتے وقت اس پر فرض ہے کہ وہ اس بات کی وصیت کرے کہ: ''میرے مال کو میرے شرعی وارثوں میں شرعی طور پر تقسیم کرنا!''، پس ''بِالْمَعْرُوْفِ'' کے معنی یہ ہوں گے کہ موافق قاعدۂ شرعی کے تقسیم کی وصیت کرجائے۔

۲:... ابتدائے اسلام میں جس عورت کا شوہر مرجاتا، اس کی عدّت ایک برس مقرّر تھی، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ۔'' (البقرہ:۲۴۰)

ترجمہ:... ''اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو وصیت کردیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے۔''

یہ حکم آیتِ ذیل سے منسوخ ہوکر عدّت صرف چار ماہ دس دن باقی رہ گئی:

''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا۔'' (البقرۃ:۲۳۴)

ترجمہ:... ''اور جو لوگ مرجائیں تم میں سے اور چھوڑ
جائیں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے
آپ کو چار مہینے اور دس دن۔''

لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس میں نسخ نہیں، اس لئے کہ چار ماہ دس دن کا حکم وجوبی ہے، اور ایک برس کا حکم استحبابی ہے۔ کذا قال ابن عباس والیه مالَ البخاری فی صحیحه۔

۳:... ابتدائے اسلام میں دس گنا کفار سے مقابلہ کرنا فرض تھا، جیسا کہ ارشاد ہے:

''اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ
.... الخ.'' (الانفال:۶۵)

ترجمہ:... ''اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے
والے تو غالب ہوں گے دو سو پر۔''

اس کے بعد دُوسری آیت جو اس کے بعد ہی مذکور ہے، نازل ہوئی اور اس نے اس کو منسوخ کردیا، چنانچہ فرمایا گیا:

''اَلْـٰٔـنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا،
فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ .... الخ.''

(الانفال:۶۶)

ترجمہ:... ''اب بوجھ ہلکا کردیا اللہ نے تم پر سے اور
جانا کہ تم میں سستی ہے، سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم
رہنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر۔''

اس آیت کے بعد دس گنا کے بجائے صرف دو گنا سے مقابلہ کرنا فرض رہ

گیا، اور اگر دو گُنا سے زائد ہیں تو اُن سے بھاگنا بھی جائز ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی غلبۂ کفار کے وقت باقی ہے، منسوخ نہیں ہے، ابتداءِ آیت:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ....الخ" (الانفال:۶۵)

ترجمہ:... "اے نبی! شوق دِلا مسلمانوں کو لڑائی کا۔"

کو اگر منسوخ نہیں کہا جاتا تو یہ بھی منسوخ نہیں ہے، اور جیسے وہ ترغیب الی الجہاد کے لئے ہے، اسی طرح یہ بھی ترغیب کے لئے ہے، ترغیب میں نسخ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں، اور اگر جملہ: "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ .... الخ" نہ ہونا چاہئے تھا، تو یہ بھی دُرست نہیں، کیونکہ یہ تو خبر ہے، اور نسخ حکم میں ہوتا ہے نہ کہ خبر میں، اس کے علاوہ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آیت: "اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللهُ .... الخ" کے نازل ہوچکنے کے بعد بھی مسلمان مجاہدین نے ایک ہزار کی قلت سے اسّی ہزار کفار کا مقابلہ کیا ہے، کذا قال شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ۔

۴:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ بیبیوں کے علاوہ مزید کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیا گیا تھا، کما قال:

"لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ" (الاحزاب:۵۲)

ترجمہ:... "حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد۔"

مگر یہ حکم اس سے پہلی آیت سے یا اس آیت: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ .... الخ" سے منسوخ ہوگیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

"لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ، أی بعد ما

بينت لک من هٰذا الأصناف بَنٰتِ عَمِّکَ .... الٰی قوله .... فأحل له من هٰذه الأصناف ما شاء۔"

یعنی اہلِ قرابت میں سے غیرمہاجرات حلال نہیں، اور دُوسری عورتوں میں سے غیرموٴمنات حلال نہیں، پس یہ آیت: "لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ" کا تتمہ ہے، ناسخ نہیں۔ (کذا فی بیان القرآن)

۵:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغیر صدقہ دیئے سرگوشی کرنا ممنوع ٹھہرادیا گیا تھا، کیونکہ منافقین، مسلمانوں کی دِل آزاری کے لئے خواہ مخواہ سرگوشیاں کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حرج کرتے اور مسلمانوں کو بھی ایذا دیتے تھے، اس لئے فرمایا گیا:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً" (المجادلة:۱۲)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسولؐ سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات۔"

تو یہ آیت دُوسری آیت:

"ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقٰتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللهُ عَلَیْکُمْ .... الخ۔" (المجادلة:۱۳)

ترجمہ:... "کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں، سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کردیا تم کو۔"

سے منسوخ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں بھی سرگوشی کے لئے صدقہ دینے کا حکم بقرینہ: "ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْهَرُ" وجوبی نہ تھا، بلکہ استحبابی تھا، اور اگر

وجوبی کہا جائے تو پھر بھی ایسے وقت میں سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے، جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اگر اب بھی منافقین اور آوارہ لوگوں کو سرگوشیوں سے روکنا مقصود ہو تو یہ حکم جاری ہوگا، لہٰذا آیتِ مذکورہ میں نسخ ماننے کی حاجت نہ رہی۔

سورت:

لفظِ ''سورۃ'' کا اطلاق کبھی ''قِطْعَةٌ مِّنَ الْاٰيَات'' پر ہوتا ہے، جیسے فرمایا گیا:

''وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ .... الخ'' (التوبہ:۱۲۷)

ترجمہ:... ''اور جب نازل ہوئی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے ان میں ایک دُوسرے کی طرف۔''

اقل منها ثلث اٰیاتٍ، اور کبھی مکمل سورت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، وغیرہ وغیرہ۔

وجہ تسمیہ:

''سورۃ'' ''سُورُ البلد'' سے مشتق ہے، یعنی جس طرح شہر کی خارجی دیوار اور فصیل، شہر کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے، اسی طرح گویا چند مضامین کو ایک سورت احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے۔

ربط الآیات:

اس مسئلے کے بارے میں بھی علمائے تفسیر کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات دُرَرِ منثورہ ہیں یا منظومہ؟ جو علمائے کرام ان کے دُرَرِ منثورہ (یعنی بکھرے ہوئے موتی) ہونے کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: قرآن

مجید کی آیاتِ بینات حسبِ حاجت نجماً نجماً، شاہی فرامین کی مانند نازل ہوئی ہیں، لہٰذا ان میں ربط کوضروری قرار دینا لاحاصل ہے، ہاں! ایک قصہ کی آیات آپس میں ضرور مربوط ہوتی ہیں۔

جو علمائے تفسیر ربط کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ہر قائل کا کلام باربط ہوتا ہے، تو حضرتِ حق سبحانہ کا کلام بے ربط کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آیات کو ان کے نازل ہونے کے بعد خاص خاص جگہوں پر رکھنے کا حکم فرمانا بھی اس کا مؤید ہے، ورنہ ترتیبِ وضعی، ترتیبِ نزولی سے مختلف ہونی چاہئے تھی، اور یہ حضرات تمام آیاتِ سوَر میں ربط دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ھکذا فی رُوح المعانی)

ربط:... ''ربط'' کے معنی تعلق اور مناسبت کے ہیں، اور مناسبت کے معنی لغت میں مشاکلت اور مقاربت کے ہیں، مقصد یہ ہوا کہ دو جملوں یا آیتوں کا باہمی تعلق معلوم کیا جائے، پھر ربط کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی خاص، کبھی حسی اور کبھی عقلی، اور کبھی محض تلازمِ ذہنی ہوتا ہے، جیسا کہ سبب و مسبّب، علت و معلول، نظیرین وضدین میں، وغیر ذالک من العلاقات۔

بیانِ ربط کا فائدہ یہ ہے کہ اجزائے کلام کے باہمی ارتباط سے کلام میں استحکام پیدا ہوجاتا ہے، جیسا کہ دیوار کے مختلف اجزاء کو مربوط کرنے سے دیوار مستحکم ہوجاتی ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ اس قاعدے کو یاد رکھیں گے تو مناسبت و ربط کا اُصول آپ کو معلوم ہوجائے گا۔

ایک آیت کے بعد دُوسری آیت کو دیکھئے، اگر وہ حکم، قصد یا استدلال کے لحاظ سے پہلی آیت کا تکملہ وتتمہ ہے، تو اُس کی مناسبت ظاہر ہے، اگر دونوں آیتیں

ایک دُوسرے کی تفسیر، تشریح یا بدل پیش کرتی ہیں، تو بھی مناسبت ظاہر ہے، ہاں! اگر دونوں جملے بذاتِ خود مستقل ہیں تو اب دیکھنا چاہیۓ کہ ایک جملے کا دُوسرے پر حروفِ مشترکہ عطف کے ساتھ عطف کیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر عطف کیا گیا ہے تو ضرور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کوئی نہ کوئی وجہٗ عطف پائی جائے گی، جسے آسانی کے ساتھ تلاش کیا جاسکتا ہے، اور اگر دونوں میں عطف نہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی ربط اُن روابط میں سے ہوگا جن کا ذکر آئندہ کیا جاتا ہے۔

تنظیر:

یعنی ایک نظیر کو دُوسری نظیر سے الحاق کرنا عقلاء کی شان ہے، جیسے:

''کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْۢ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ...''

(الانفال:۵)

ترجمہ:... ''جیسے نکالا تجھ کو تیرے رَبّ نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے۔''

اس سے پہلی آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمورِ سیاست میں کسی کی مخالفت اور طعن کی پروا نہ کیجئے، کیونکہ ان کے مصالح عوام کی سمجھ میں نہیں آتے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سے نکلنا جنگِ بدر کے لئے طبائعِ عامہ کے خلاف تھا، مگر اس کی برکات کا سب نے مشاہدہ کیا۔

مضادت:

ایک چیز بیان کرکے اس کی ضد کو بیان کرنا ''مضادت'' کہلاتا ہے، جیسا کہ ایمان داروں کے اوصاف اور نتائج بیان کرکے کفار اور فجار کے اوصاف اور اُن کا انجام بیان کیا جاتا ہے: ''تعرف الأشياء بأضدادها''۔

اِستطراد:

ایک مضمون بیان کرتے ہوئے اس کے مناسب دُوسری بات بیان کردینا اور پھر اصل مضمون کی طرف لوٹ جانا ''اِستطراد'' کہلاتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

''یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا، وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِکَ خَیۡرٌ۔''

(الاعراف:۲۶)

ترجمہ:... ''اے اولادِ آدم! ہم نے اُتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں، اور اُتارے آرائش کے کپڑے اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے۔''

اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے وہ حالات مذکور ہیں جبکہ وہ برہنگی کی وجہ سے اپنے جسم پر درختوں کے پتے چپکاتے پھرتے تھے، اس موقع پر اِستطراداً اُس لباس کا ذکر کردینا مناسب سمجھا گیا جو خدا تعالیٰ نے بنی آدم کو بعد میں بنانا سکھایا جو اُن کی زینت کا باعث ہے، اور لباس میں بھی لباس التقویٰ کا ذکر اور زیادہ انسب ہوا۔ اسی طرح آیت:

''لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَلَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ۔'' (النساء:۱۷۲)

ترجمہ:... ''مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرّب ہیں۔''

میں ملائکۂ مقرّبین کا ذکر عرب کے خیال کی تردید کے لئے مناسب معلوم

ہوا، کیونکہ وہ بھی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، جیسے نصاریٰ، حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور ممکن ہے کہ اس میں بھی نصاریٰ کا رَدّ ہو، کیونکہ بعض نصاریٰ حضرت جبریل علیہ السلام کو اقانیمِ ثلاثہ کا ایک جزو مانتے ہیں۔

حسنِ تخلص:

اس میں اور اِستطراد میں یہ فرق ہے کہ اِستطراد میں ایک مضمون سے دُوسرے مضمون کو کسی مناسبت سے بیان کر کے پھر اصل مضمون کی طرف آجاتے ہیں، اور حسنِ تخلص میں اس خوبی سے دُوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں کہ اس انتقال کی طرف خیال بھی نہیں آنے پاتا، اس لئے کہ دونوں مضمونوں میں کمالِ اتحاد ہوتا ہے، یہ قرآن مجید میں بہت مواقع پر پایا جاتا ہے اور اس خوبی سے ہے کہ بڑے بڑے فصحاء حیران رہ جاتے ہیں، جیسا کہ سورۂ اعراف میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور قرونِ ماضیہ کا ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی نوبت آئی، اور یہاں تک پہنچے کہ موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو کوہِ طور پر لے گئے اور پھر اپنی اُمت کے لئے ان الفاظ میں دُعا کی: ''وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً'' (الاعراف:۱۵۶) (اور لکھ دے ہمارے لئے اس دُنیا میں بھلائی)۔ اور اس کا جواب ملا کہ: گو میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے، مگر میرا عذاب بھی جس کو میں چاہوں پہنچتا ہے، اس مقام سے خدا تعالیٰ نے تخلص کر کے جناب سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ کے مناقب بیان کر کے فرمایا کہ: اے موسیٰ! یہ رحمت خاص آپ کی اُمت کا حصہ نہیں، یہ تو ایک آنے والے نبی کی اُمت کا حصہ ہے جس کی تعریف یہ ہے:

''فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ..... الخ.'' (الاعراف:۱۵۶، ۱۵۷)

ترجمہ:... ''سو اس کو لکھ دُوں گا ان کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں، وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمی ہے۔''

اس کے بعد اس بات کے جتلانے کے لئے کہ وہ نبیٔ اُمی جس کی صفات موسیٰ علیہ السلام کے سامنے خدا تعالیٰ نے بیان کیں، وہ کون ہیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ:

''قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا.'' (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:... ''تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرنا ضروری تھا، جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں:

''اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ.'' (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:... ''جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔''

اس کے بعد لوگوں کو ایسے رسول پر ایمان لانے کا حکم کرنا عین مناسب تھا، اسی لئے فرمایا:

''فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ

بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ ..... الخ۔" (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:... "سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر۔"

اسی طرح تمام آیاتِ قرآن میں غور کرنے سے وہ مناسبات سامنے آتی چلی جاتی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اسی طرح سورتوں کے فواتح و مقاطع (ابتدا و انتہا) میں وہ مناسبت ہے کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ عاجز آئے، اس پر علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ایک مستقل کتاب "مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع" لکھی ہے۔

حروفِ مقطعات:

قرآن مجید کے حروفِ مقطعات کے ذکر میں جو فوائد ودیعت فرمائے گئے ہیں وہ غور کرنے سے معلوم ہوسکتے ہیں، ازاں جملہ یہ ہے کہ بجز تین چار سورتوں (رُوم، عنکبوت، نٓ) کے جہاں کہیں سورت کو اِن حروف سے شروع کیا گیا ہے، وہاں ضرور اس کے بعد قرآن کا بھی کسی نہ کسی شکل میں ذکر موجود ہے، مثلاً:

"الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ" (البقرة)

"الٓمّٓصٓ۔ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ" (الاعراف)

"الٓرٰ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ" (یوسف)

"طٰہٰ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی" (طٰہٰ)

"طٰسٓمّٓ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ" (القصص)

"الٓمّٓ۔ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ" (السجدة)

"یٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ" (یٰسٓ)

"صٓ. وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ" (صٓ)

"حٰمٓ. تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ" (المؤمن)

"قٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ" (قٓ)

وغیرہ، تو ان سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ دیکھو! قرآن بھی انہی حروف وکلمات سے مرکب ہے، جن سے فصحائے عرب کلام مرتب کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود تحدی کے یہ لوگ ایک ادنیٰ سورت بھی اس کی مثل نہیں بناسکتے؟ پس معلوم ہوا کہ یہ قرآن منکرین کے قول کے مطابق انسان کا کلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

مقطعات کا ظنی علم جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں، راسخین فی العلم کو بھی ہوسکتا ہے، اکثر کا قول تو اس بارے میں یہ ہے کہ:

"وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰہُ" (آل عمران:۷)

"یعنی اُن کی واقعی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

لیکن جو حضرات ان کی تأویل کرتے ہیں اور غور وفکر کے بعد ان کے معانئ ظنّیہ متعین فرماتے ہیں، ان کا استدلال یوں ہے کہ آیتِ مذکورہ میں "اِلَّا اللّٰہُ" پر وقف نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد کا ٹکڑا "وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" بھی اسی کے ساتھ ہے۔

"وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ"

(آل عمران:۷)

"یعنی متشابہاتِ قرآنی کی تأویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اُن لوگوں کے جن کا علم پختہ اور بالغ ہے۔"

بعض علماء حروفِ مقطعات سے مندرجہ ذیل طریقے سے اشارات نکالتے ہیں: الف سے اللہ، ل سے جبریلؑ، م سے محمدؐ، یعنی اللہ تعالیٰ نے بواسطۂ جبریل علیہ السلام کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا، مزید تحقیق ''فوز الکبیر'' کے آخری صفحات پر ہے، وہاں دیکھ لیں۔

محاورات:

قرآن مجید کے فہم کے لئے اس کے محاورات کا علم بھی ضروری ہے، جو شخص محاورات نہیں جانتا وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اُٹھاتا ہے، مثال کے طور پر ''هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا'' (ہود:۵۶) کا محاورہ اس معنی میں ہے کہ: ''اس کے قبضے میں ہے''، ''قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ'' (عبس:۱۷) کا محاورہ اس معنی میں ہے کہ: ''مارا جائے انسان، وہ کیا ہی ناشکرا ہے!''، ''تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ'' کا محاورہ یہ معنی رکھتا ہے کہ: ''ابولہب کو خدا غارت کرے!''۔

محاورے میں اس کی بھی اجازت ہوتی ہے کہ خطاب کا صیغہ استعمال کیا جائے، لیکن اس سے مراد عموم ہو، جیسے کہا جاتا ہے کہ: ''تم مسلمانوں کا یہ حال ہے'' اسی طرح کسی معنی غیرمحسوس کی صورتِ محسوسہ میں لے آنا بھی رائج ہے، جیسے درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

الف:... ''وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ....'' (بنی اسرائیل:۶۴)

ترجمہ:... ''اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے۔''

ب:... ''بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ....'' (الاحزاب:۱۰)

ترجمہ:... ’’پہنچے دل کلوں تک۔‘‘

ج:... ’’وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا....‘‘ (یٰسٓ:۹)

ترجمہ:... ’’اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار۔‘‘

ان آیتوں میں ایک غیرمحسوس معنی کو صورتِ محسوسہ میں پیش فرمایا گیا ہے، وغیرذالک۔

کبھی کلام علیٰ محاوراتِ الخصم فرماتے ہیں، جیسے باطل معبودوں کو قرآن میں بھی ’’اِلٰہ‘‘ کے لفظ سے ذکر کردیا گیا ہے، جیسے:

’’لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا....‘‘ (الانبیاء:۲۲)

ترجمہ:... ’’اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوجاتے۔‘‘

کبھی تمسخر کے طریقے پر ذلیل کے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال کرتے ہیں جو مشعرِ تعظیم ہو، جیسے:

’’ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ‘‘ (الدخان:۴۹)

ترجمہ:... ’’یہ چکھ تو ہی ہے بڑا عزّت والا سردار۔‘‘

اس کی مثال ہماری زبان میں ایسی ہے جیسے کسی کو طنز کے انداز میں کہہ دیں: ’’آپ تو مرشد ہیں!‘‘۔

دلائل القرآن:

ہر دعوے کے اثبات کے لئے قرآن مجید نے کچھ دلائل پیش کئے ہیں، اور وہ چار قسم پر ہیں:

۱:... محض عقلی۔

۲:... عقلی علیٰ سبیل الاعتراف عن الخصم۔

۳:... نقلی۔

۴:... دلیل وحی۔

دلیلِ عقلی: دو قسم پر ہے: آفاقی و انفسی۔ جیسا کہ علوم القرآن کے عنوان میں اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، مثال:

"یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ...الیٰ قوله... فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (البقرہ:۲۱، ۲۲)

ترجمہ:... "اے لوگو! بندگی کرو اپنے رَبّ کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے ..... سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔"

دعویٰ اور حکم "اِعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" ہے، اور دلیلِ عقلی: "اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ" سے "رِزْقًا لَّكُمْ" تک ہے، اور اس کے بعد نتیجے کے طور پر: "فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا .... الخ" فرمایا، پس: "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" کے حکم پر ایسی دلیل ذکر فرمائی جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے کہ خالقیت اور پھر زمین کو فرش بنانا اور آسمان کو چھت اور بارش برسانا، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہیں، جب دلیل اللہ کے

ساتھ مختص ہے تو پھر دعویٰ اور حکم بھی اسی کے ساتھ مختص ہونا چاہئے، لہٰذا عبادت سے ایسی عبادت مراد ہوگی جس میں دُوسرے کی ملاوٹ نہ ہو، اس لئے فرمایا: ''فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا''۔

قاعدہ:...رضی نے فرمایا کہ: جس دلیل کے شروع یا درمیان میں حصر ہو تو تمام دلیل اور اس کے متعلقات میں حصر ہوتا ہے، پھر اسی دلیل کے متعلق ''کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا'' فرمایا ہے۔

نقلی دلیل: وہ ہے جو کسی آسمانی کتاب یا کسی رسول یا ان کے ماننے والوں سے نقل کی گئی ہو، پھر یہ دلیل اجمالی ہوگی یا تفصیلی۔

دلیلِ نقلی اجمالی کی مثال سورۂ انبیاء میں ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔'' (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ:...''اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے، سو میری بندگی کرو۔''

دلیلِ نقلی تفصیلی کی مثال یہ ہے:

''وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔ اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا۔'' (مریم:۴۱، ۴۲)

ترجمہ:...''اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا، بے شک تھا وہ سچا نبی، جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے! کیوں پوجتا

ہے اس کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ۔"
دلیلِ نقلی از کتبِ سابق کی مثال یہ ہے:
"وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ وَكِيْلًا." (بنی اسرائیل:۲)
ترجمہ:..."اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز۔"
دلیلِ نقلی کتبِ سابقہ کے ماننے والوں کی مثال یہ ہے:
"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ، اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ." (البقرہ:۱۲۱)
ترجمہ:..."وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا، وہی اس پر یقین لاتے ہیں۔"
دلیلِ نقلی از جنات کی مثال یہ ہے:
"قُلْ اُوْحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا. يَّهْدِىْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ.... الخ." (الجن:۱،۲)
ترجمہ:..."تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے، پھر کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ سجھاتا ہے نیک راہ، ہم اس پر یقین لائے۔"
دلیلِ وحی اس کو کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں فرماویں کہ میں اپنی

رائے سے کچھ نہیں کہتا، بلکہ حق جل وعلا شانہ کا حکم بیان کرتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کو تمہارے تک پہنچادوں۔ اس کی مثالیں یہ ہیں:

الف:... "قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ، اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ." (یونس:۱۵)

ترجمہ:... "تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اس کی جو حکم آئے میری طرف۔"

ب:... "قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ." (المؤمن:٦٦)

ترجمہ:... "تو کہہ مجھ کو منع کردیا کہ پوجوں ان کو جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے، جب پہنچ چکیں میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رَبّ سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ تابع رہوں جہان کے پروردگار کے۔"

دلیلِ عقلی علیٰ سبیل اعتراف الخصم: وہ ہے کہ جسے منکرین کو مخاطب کرتے ہوئے بطور استفہام کے بیان کی جائے، اور اس کے ساتھ ان کے تسلیمی حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آخر میں ان کی طرف سے جواب مذکور ہو، جس کی مثال یہ ہے:

"قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ، فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ." (یونس:۳۱)

ترجمہ:... ''تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ اور کون
نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون
تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ سو بول اُٹھیں گے: اللہ!''

لفظِ قرآن و کتاب:

جس سورت کی ابتدا میں ''قُرْاٰن'' کا لفظ آجائے تو اُس سورت میں ایسا کوئی واقعہ ضرور ہوتا ہے جو پہلی کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔

جہاں ابتدا میں ''کِتٰب'' کا لفظ ہو جیسے: ''تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ'' یا ''ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ'' تو اس سے مراد قرآن مجید ہوتا ہے، یا وہی سورت ہوتی ہے، جیسے سورۂ یونس، یوسف یا شعراء وغیرہ کی ابتدا میں: ''تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ'' آیا ہے، اور کبھی سورت کا دعویٰ مراد ہوتا ہے، جیسے: ''حٰمٓ مؤمن'' کی ابتدا میں: ''حٰمٓ. تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ'' آیا ہے، اس سے سورت کا دعویٰ مراد ہے: ''فَادْعُوا اللهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ''۔

اگر ''کِتٰب'' کا لفظ سورت کے درمیان آجائے اور وہاں اہلِ کتاب کا ذکر ہو تو وہاں اکثر کتبِ سابقہ مراد ہوں گی، جیسا کہ: ''اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا'' میں ''اَلْکِتٰب'' سے مراد توراۃ و انجیل ہے۔

اگر ''کِتٰب'' کی صفت ''مُبٰرَکٌ'' یا ''مُصَدِّقٌ'' آجائے تو اس سے قرآن مجید مراد ہوگا۔

اگر یہ دونوں (کِتٰب و قُرْاٰن) کسی سورت کی ابتدا میں آجائیں، جیسے سورۂ الحجر میں ہے: ''تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ'' اس جگہ کتاب سے مراد کتبِ سابقہ

ہیں، یعنی اس سورت میں اُن مضامین کا بیان ہوگا جو کتبِ سابقہ میں ہیں۔

اور "قُـرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ" سے وہ مضامین مراد ہوں گے جو صرف قرآنِ کریم میں وارِد ہوئے ہیں اور کتبِ سابقہ میں اُن کا ذکر نہیں ہوا۔

"كِتٰب" کا لفظ کبھی مجموعۂ کتاب پر اطلاق ہوگا، جیسے: "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" اور کبھی قطعة من الآيات پر اطلاق ہوگا، جیسے کہ ارشادِ الٰہی: "صُحُفًا مُّطَهَّرَةً. فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ"۔

ابتدا میں لفظِ "مُبِيْن" ہوتو اکثر دلائلِ نقلیہ سورت میں مذکور ہوتے ہیں، اور اگر لفظِ "حَكِيْم" ہوتو اکثر دلائلِ عقلیہ، اور اگر دونوں ہوں تو ہر دو عقلیہ ونقلیہ دلائل ہوں گے۔

رُوح:

بعض جگہ "رُوح" سے مراد بدن والی رُوح ہوتی ہے، جس پر بدن کا دار و مدار ہے، جیسا کہ:

"وَيَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ." (بنی اسرائیل:۸۵)

ترجمہ:... "اور تجھ سے پوچھتے ہیں رُوح کو، کہہ دے رُوح ہے میرے رَبّ کے حکم سے۔"

اور بعض اوقات "رُوح" سے مراد جبریل علیہ السلام ہوتے ہیں، جیسا کہ: "اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" (البقرہ:۲۳)، "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ" (الشعراء:۱۹۳)، "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓـئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا" (القدر:۴)، (ان آیات میں) "رُوْح" سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، تیسری آیت میں تخصیص بعد تعمیم ہے۔

اور کبھی ''رُوح'' سے مراد قرآن مجید ہوتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی:

''وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا، مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَان .... الخ'' (الشوریٰ:۵۲)

ترجمہ:...''اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے، تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور ایمان۔''

اور کبھی ''رُوح'' سے توحید مراد ہوتی ہے، جیسے ارشادِ الٰہی:

''يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ.'' (النحل:۲)

ترجمہ:...''اُتارتا ہے فرشتوں کو بھید دے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں کہ خبردار کردو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو۔''

تخویف وتبشیر:

اَحکام کی تعمیل کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرایا جاتا ہے، اس کو ''تخویف'' کہتے ہیں، یا تو یہ دُنیاوی گرفت ہوتی ہے، جیسا کہ:

''وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا.'' (مریم:۹۸)

ترجمہ:...''اس سے پہلے ہم نے کئی جماعتیں تباہ کیں، کیا آپ ان میں سے کسی کے متعلق کچھ جانتے ہیں یا اُن کی کچھ آہٹ سنتے ہیں؟''

یا تخویفِ اُخروی ہوتی ہے، جیسے:

"وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا"(مریم:۸۶)

ترجمہ:... "اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا لے جائیں گے۔"

اس کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "تذکیر بما بعد الموت" سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ گزر چکا۔

"تبشیر" بھی کبھی دُنیوی ہوتی ہے، جیسے: "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ" (جب اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچے)، اور کبھی اُخروی ہوتی ہے، جیسے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا." (الکہف:۱۰۷)

ترجمہ:... "ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے بہشت میں باغات کی مہمانی ہوگی۔"

تأدیب:

کبھی اللہ تعالیٰ مبلغین یعنی انبیاء علیہم السلام کو کسی بھول چوک پر تعلیماً متنبہ فرماتے ہیں، جیسے:

الف:... "فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ." (ہود:۴۶)

ترجمہ:... "اے نوح! جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق مت پوچھ، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تاکہ تو ناسمجھ لوگوں میں نہ ہوجاوے۔"

ب:... "عَفَا اللهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ." (التوبہ:۴۳)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرمائے، آپ نے
انہیں کیوں اجازت دی؟''

اگر اس کو تأدیب پر حمل کیا جائے، اور بعض فرماتے ہیں کہ: ''عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ'' بطور محاورے کے ذکر کیا گیا ہے، تنبیہ و تأدیب مقصود نہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ بھول چوک کو بھی سخت الفاظ میں بیان فرماتے ہیں، جیسے: ''عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ'' (التوبہ:۴۳)، ''وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی''، ''اِنِّیْ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ'' (ہود:۴۶)، ''فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ'' (یونس:۹۴) وغیرہ، اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی، بلکہ جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے کہ ایسی معمولی فروگزاشت پر تنبیہ ہوئی، نیز جس کو کمال تک پہنچانا مقصود ہو اس کی ہر حرکت و سکون پر دارو گیر کی جاتی ہے۔

تَسْلِیَہ:

منکرین، حتی الوسع ایذا دینے میں کمی نہیں کیا کرتے، طعن، استہزاء، مجادلہ، معارضہ، منہ دَر منہ بکنا، حق کو گرانا ان کا شیوہ ہوتا ہے، مبلغِ مہربان کی ان کے کرتوت دیکھ کر کبھی نا اُمیدی تک اور کبھی خوف زدہ ہوکر بے ہمتی تک نوبت پہنچنے والی ہوتی ہے کہ رحمتِ خداوندی ان کی دست گیری فرماتی ہے، اور مضبوطیٔ قلب و اطمینان کے لئے یوں تسلی دیتی ہے:

''وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ
قَبْلِکَ۔'' (فاطر:۴)

ترجمہ:... ''اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے
رسول تجھ سے پہلے، اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔''

اور کبھی:

"فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ"

(طٰہٰ:۱۳۰)

ترجمہ:... "سوتو سہتا رہ جو وہ کہیں اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رَب کی۔"

اور کبھی ان الفاظ سے تسلیہ فرماتے ہیں:

"وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ" (النحل:۱۲۷)

ترجمہ:... "اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو ان کے فریب سے۔"

اور کبھی اس طرح:

"وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ" (الحجر:۸۷)

ترجمہ:... "اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجے کا۔"

وغیر ذالک۔

جباریت:

جب انسان گناہ و کفر سے بار بار روکنے کے باوجود باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اس بندے سے ہدایت و ایمان کی طاقت بطور سزا کے سلب کرلیتا ہے، جیسے:

"ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ." (المنافقون:۳)

ترجمہ:... "یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہوگئے پھر مہر لگ گئی ان کے دِل پر، سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے۔"

یعنی بسبب اس کے کہ وہ ایمان لانے کے بعد پھر منکر ہوئے، تو ان کے دِلوں پر مہر لگ گئی، مہر لگنا منکر ہونے کے بعد ہے، اسی طرح دُوسری جگہ ارشاد ہے:

"ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰهُ، وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ." (التغابن:۶)

ترجمہ:... "یہ اس لئے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں، پھر کہتے کہ آدمی ہم کو راہ دکھائیں گے؟ پھر منکر ہوگئے اور منہ موڑا، اور اللہ نے بے پروائی کی، اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا ہے۔"

انکار کرنے اور منہ موڑنے پر استغناءِ الٰہی مرتب ہوا۔ اسی کو "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ" میں بیان کیا گیا ہے، یہ جبر اور ظلم نہیں، بلکہ جباریت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ چونکہ ہر چیز کا مالک ہے، اس نے اپنے غضب سے اس منکر شخص سے ہمتِ ایمان چھین لی، لیکن یہ ہمتِ ایمان کا چھین لینا پیغمبر اور کتاب و ہدایت سے کفر و عناد کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ پھر دو صورتیں ذکر فرمائیں، ایک سعید کی اور ایک شقی کی، جیسے: "ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً کَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً" (النحل:۱۱۲) (اور بتلائی اللہ نے ایک مثال ایک بستی تھی چین امن سے تھی) اس سے بھی کوئی خاص بستی مراد نہیں ہے۔ اور اسی طرح: "وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ. الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ"

(البقرہ:۲۶، ۲۷) (اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمان کو جو توڑے اللہ کا اقرار اس کو پختہ کرنے کے بعد)۔

دفعِ شبہ:

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر ایسوں کو تبلیغ، عبث اور بے فائدہ ہے، پھر حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی آیتوں کے نزول کے بعد کیوں تبلیغ فرماتے رہے؟

جواب:... اس کا جواب یہ ہے کہ عبث اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، یہاں اگرچہ ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں ہوتا تھا، لیکن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ادائے پیغام کا ثواب ضرور ملے گا، نیز ان کا اختیارِ طبعی تو سلب نہیں کیا گیا، اور تبلیغ اس لئے تھی کہ:

"لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ." (النساء:۱۶۵)

ترجمہ:... "تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد۔"

تاکہ لوگ نہ ماننے والے کل قیامت کو یوں نہ کہہ سکیں کہ:

"لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى" (طٰہٰ:۱۳۴)

"یعنی کیوں نہ ہماری طرف رسول بھیجے کہ ہم ذلیل اور رُسوا ہونے سے پہلے تیری کتاب پر عمل کرتے؟"

اس کے علاوہ حضرت حکیم الأمت قدس سرہٗ نے آیت: "خَتَمَ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" پر بیان القرآن میں ایک نفیس تقریر فرمائی ہے، وہاں دیکھ لیں۔

ربط القلوب:

جباریت کے مقابلے میں ربط القلوب ہے، جب انسان ہدایت کے راستے کو قبول کرتا ہے اور اسلام پر مستقیم ہو جاتا ہے، تو ابتدا میں انابت الی اللہ یعنی رُجوع الی اللہ ہوتا ہے، یہ اوّل درجہ تذکیر ہے، تذکیر کے بعد انابت کی راہِ صحیح پر تھوڑا تھوڑا چلنے لگتا ہے تو ہدایت یعنی خیر والی توفیق ہوتی ہے کہ رحمتِ خداوندی ان کی دست گیری فرماتی ہے: "وَاٰتٰـهُمْ تَقْوٰهُمْ" (محمد:۱۷) (اور ان کو اس سے ملا بچ کر چلنا) اور کبھی جو لوگوں کی تکذیب سے خوف زدہ اور نا اُمید ہوں تو ان کے اطمینان کے لئے یوں تسلی دی جاتی ہے: "وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ." (فاطر:۴) اور کبھی: "فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ"، اور کبھی: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ" اور کبھی:

"اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى. وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" (الکہف:۱۳،۱۴)

"یعنی وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رَبّ پر اور زیادہ کیا ہم نے ان کا فہم اور گرہ دی اُن کے دِلوں پر۔"

یعنی مضبوط و ثابت قدم رکھا ہمیشہ کے لئے، اس درجہ کو بقا کہتے ہیں کہ دین سے ہرگز دِل برداشتہ نہ ہوں گے۔

قصص القرآن:

وہ قصے کہ جن کی طرف آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، ان کی غرض یہ ہے کہ آیات کا فہم اور ان کا مقصد پوری طرح واضح ہو جائے۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ مفسرین نے جو قصے لمبے چوڑے بیان کئے ہیں ان میں سے اکثر اسرائیلیات سے مأخوذ ہیں، جن کے بارے میں بخاری رحمہ اللہ نے

مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: "لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ"۔

لہٰذا وہی قصے کا حصہ معتبر ہوگا جو نقادِ حدیث نے صحیح تسلیم کیا ہو، جیسے تفسیر ابنِ کثیر نے ہر قصے کی اچھی طرح چھان بین فرمائی ہے۔

تخصیصِ عام:

تخصیصِ عام یا تقییدِ مطلق، یہ دونوں اصطلاحات تقریباً ہم معنی ہیں، قرآنِ کریم میں بہت سی آیات عام سے خاص یا مطلق سے مقید کی گئی ہیں، علامہ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں متعلقہ آیات کے ماتحت اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

تعمیمِ خاص:

قرآن مجید میں بعض اوصاف سعادت اور شقاوت کو ایک ذات کی طرف منسوب کرکے بیان کیا گیا ہے، حالانکہ اس جگہ کوئی شخصِ معین مراد نہیں ہوتا، بلکہ صرف ان اوصاف کے حسن و قبح کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

"وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔" (الاحقاف:۱۵)

ترجمہ:... "اور ہم نے حکم کردیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کا، پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے۔"

پھر دو صورتیں ذکر فرمائیں، ایک سعید کی اور ایک شقی کی، مثلاً:

۱:... "ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً۔" (النحل:۱۱۲)

ترجمہ:... ''بتلائی اللہ نے ایک مثال ایک بستی تھی چین امن سے۔''

اس سے بھی کوئی خاص بستی مراد نہیں ہے۔ اسی طرح:

۲:... ''هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ.....'' (الاعراف:۱۸۹)

ترجمہ:... ''وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا تا کہ اس کے پاس آرام پکڑے، پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اس کے ساتھ۔''

اس آیت میں بھی ''فَلَمَّا تَغَشّٰهَا'' ہے۔ (ایک قول کے مطابق کوئی خاص آدمی مراد نہیں ہے، ورنہ دُوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں)۔

اسی طرح:

۳:... ''وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ'' (القلم:۱۰)

ترجمہ:... ''اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا۔''

سے بھی ایک قول کی بنا پر کوئی خاص آدمی مراد نہیں ہے، جس کسی میں بھی یہ خصال موجود ہوں گی، وہی اس کا مصداق ہوگا۔ اسی طرح:

۴:... ''كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ'' (البقرہ:۲۶۱)

ترجمہ:... ''جیسے ایک دانہ اس سے اُگیں سات بالیں
ہر ہر بالی میں سو سو دانے۔''

بطورِ مثال کے بیان فرمایا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا خوشہ ملے، وغیر ذالک۔

دفع الوہم:

کبھی بعنوان سوال و جواب شبہ ظاہر الورود کو دفع کیا جاتا ہے۔

یا سوال قریب الفہم کا جواب دیا جاتا ہے، کلامِ سابق کی وضاحت کے لئے، نہ اس لئے کہ اُس وقت کسی نے سوال کیا تھا، جیسے صحابہ کرامؓ کبھی سوال کو فرض کر کے اس کا جواب دیتے ہیں، اور مطلب کو صورتِ سوال و جواب میں پیش کرتے ہیں۔

اور کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ بظاہر کلام کو دیکھنے سے کوئی سوال و جواب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ ایک ہی مربوط کلام معلوم ہوتا ہے، لیکن واقعہ میں اس جگہ کسی ایسے سوال کا جواب مذکور ہوتا ہے جو حضراتِ صحابہؓ کی طرف سے کیا گیا تھا، جیسے:

''لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ.''

(النساء:۹۵)

ترجمہ:... ''برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے۔''

میں ''غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ'' کی قید، کا نزول چونکہ حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سوال پر بطور جواب کے ہوا ہے، جس سے اندھے، لنگڑے، لُنجے وغیرہ کا جواب مل گیا، یہی ان کا سوال تھا۔

اور کبھی آیت میں کسی دُوسری آیت کے تناقض یا مصداقِ آیت سے بظاہر شبہ نظر آتا ہے، اس کا حال مفسر بیان فرمادیتا ہے، اس حل کو توجیہ کہتے ہیں، جیسے: "یـٰأُخْتَ هٰرُوْنَ" کے بارے میں سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے درمیان بہت مدّت تھی، تو حضرت مریم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن کیسے ہوئیں؟ گویا سائل دِل میں یہ سوال چھپائے رکھتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام گزشتہ صالحین کے نام پر رکھا کرتے تھے۔"

قرآن مجید میں بعض جگہ حذفِ لفظ یا اِبدال، مجاز اور اِستعار وغیرہ ہوا کرتا ہے، اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں تاکہ بصیرت ہو:

حذف:

۱:...حذف یا تو مضاف کا ہوگا، جیسے:

"لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ...." (البقرہ:۱۷۷)

یعنی "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ"۔

اسی طرح: "وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ" (البقرہ:۹۳)، أی: "حُبَّ الْعِجْلَ"۔

اسی طرح: "ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ" (بنی اسرائیل:۷۵)، أی: "ضِعْفَ عَذَابِ الْحَیَاةِ وَضِعْفَ عَذَابِ الْمَمَاتِ"۔

۲:... یا حذف موصوف کا ہوگا، جیسے: "وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً" (بنی اسرائیل:۵۹) یعنی "اٰیَةً مُّبْصِرَةً"، اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ اُونٹنی بینا تھی اور نابینا نہیں تھی۔

۳:... یا حرفِ جار کا حذف ہوتا ہے، جیسے: "وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ" (الاعراف:۱۵۵) أی: "مِنْ قَوْمِهٖ"۔

۴:... یا فعل کا حذف ہوتا ہے، جیسے: "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰی" (الزمر:۳)، أی: "یَقُوْلُوْنَ"۔

۵:... یا مفعول کا حذف ہوتا ہے، جیسے: "اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ" (الاعراف:۱۵۱)، أی: "اِتَّخَذُوا الْعِجْلَ اِلٰهًا"۔

۶:... یا معطوف کا حذف ہوتا ہے، جیسے: "تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ" (الصافات:۲۸)، أی: "عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشِّمَالِ"، وغیر ذالک۔

اِبدال:

کبھی ایک فعل کو دُوسرے فعل کی جگہ کسی غرض کے لئے نقل کرکے لاتے ہیں، جیسے: "اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ" (الانبیاء:۳۶)، أی: "یَسُبُّ اٰلِهَتَكُمْ"، "یَسُبُّ" کی جگہ "یَذْكُرُ" لایا گیا ہے۔ اسی قبیل سے یہ قول بھی ہے کہ: "فلاں کے دُشمنوں کے ساتھ یہ کیا گیا" اصل میں یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ کیا گیا، ادب کی بنا پر اس کا نام نہیں لیا گیا۔

اسی طرح: "وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ" (الانبیاء:۴۳)، أی: "لَا یُنْصَرُوْنَ"، چونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے ممکن نہیں، اس لئے "لَا یُنْصَرُوْنَ" کی جگہ "لَا یُصْحَبُوْنَ" فرمادیا۔

اسی طرح: "ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (الاعراف:۱۸۷)، أی: خَفِیَتْ۔

کبھی شبہِ فعل میں اِبدال ہوتا ہے، جیسے: "فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ" (الشعراء:۴)، حالانکہ بجائے "خٰضِعِیْنَ" کے "خَاضِعَاتِ" کہنا چاہئے تھا، کیونکہ

"اَعۡنَاق" مؤنث ہے، مگر جب اعناق سے مراد جزو بول کر کل لیا گیا یعنی "وہ لوگ" تو ان کے لئے "خٰضِعِیۡنَ" جمع مذکر کا صیغہ لانا بلاغت کے مطابق ہوگیا۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: "وَکَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ" (التحریم:۱۲) یعنی ان میں مردوں جیسی صفات تھیں۔

اور کبھی حرف کا اِبدال ہوتا ہے، جیسے: "وَّلَاُصَلِّبَنَّکُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ" (طٰہٰ:۷۱)، أی: "عَلٰی جُذُوۡعِ النَّخۡلِ"۔

یا: "فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ" (النحل:۳۶)، أی: "عَلَی الۡاَرۡضِ" ، اس میں نکتہ یہ ہے کہ حروف میں مجاز اکثر تضمین کے لئے ہوتا ہے کہ ایک لفظ میں دُوسرے لفظ کے معنی ضمناً آجائیں۔

اسی طرح کبھی مستقبل کو ضروری الوقوع ہونے کے سبب ماضی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: "وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ" (الزمر:۶۸)، اور: "وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا" (الزمر:۷۱)۔

اور کبھی حالتِ قبیحہ کو جملہ دُعائیہ سے تعبیر کرتے ہیں: "قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَهٗ" (عبس:۱۷)، "تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ"۔

اور کبھی کسی بات کو مخاطب کے علم کے موافق ظنی و تخمینی الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: "مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ" (الصافات:۱۴۷)، "وَاِنَّاۤ اَوۡ اِیَّاکُمۡ لَعَلٰی هُدًی اَوۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ" (سبأ:۲۴)۔

کبھی ایک جملے کے بجائے دُوسرے جملے کو لاتے ہیں، جیسے: "وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ" (البقرہ:۲۲۰)، أی: "وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ لَا بَاۡسَ بِذَالِکَ" اور "اِنۡ یَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ" (یوسف:۷۷)، أی: "اِنۡ یَّسۡرِقۡ فَلَا عَجَبَ فَقَدۡ سَرَقَ .... الخ"۔

کبھی اصل کلام میں تنکیر ہوتی ہے، مگر لام یا اضافت سے لے آتے ہیں اور تنکیر بدستور باقی رہتی ہے، جیسے: "قِيلِهٖ يَا رَبِّ" (الزخرف:۸۸)، أي: "قِيلَ لَهٗ يَا رَبِّ"، اختصار کی وجہ سے "قِيلِهٖ" فرمادیا۔ "لَحَقُّ الْيَقِينِ" (الحاقہ:۵۱)، أي: "حَقٌّ يَقِينٌ"، بوجہ اختصار اضافت کردی گئی۔

کبھی مذکر کے بجائے مؤنث اور مؤنث کے بجائے مذکر کو لاتے ہیں، اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع یا بالعکس لے آتے ہیں، جیسے: "فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ" (الانعام:۷۸)، نیز فرمایا گیا: "وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا" (التوبۃ:۶۹)۔

اسی طرح احادیث میں کثرت سے یہ جملہ آتا ہے: "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ"۔

کبھی مخاطب کی جگہ غائب اور غائب کی جگہ مخاطب آتا ہے، جیسے: "حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ" (یونس:۲۱)۔

اور کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ آتا ہے یا اس کے برعکس، جیسے: "هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا" (الملک:۱۵)، أي: "تَمْشُوْا"۔

اور کبھی اِعراب میں بجائے "وْ" کے "یْ" آتی ہے، جیسے: "وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ" (الحج:۳۵)، "مُقِيْمِيْنَ" بجائے "مُقِيْمُوْنَ" لایا گیا ہے۔

لیکن آج کے بعض علماء، سیبویہؒ وغیرہ کے قواعدِ صَرف و نحو کو اتنا صحیح سمجھتے ہیں کہ آیت کو کھینچ تان کر اُن کے مطابق کرنا ضروری جانتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اہلِ زبان کا محاورہ اسی طرح ہے، اور یہ صحیح ہے۔

علاوہ ازیں قواعد کی صحت کا مدار قرآن پر ہے نہ کہ قرآن کا مدار صَرف و نحو پر، نیز قرآن عرب اوّل کی لغت پر نازل ہوا، اس میں یہ تقییدیں کم ہیں، "اِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" (طٰہٰ:۶۳) اسی لغت پر ہے جس کی تاویل کی ضرورت نہیں، فافہم!

مجاز:

اسم کا ایک معنی ہوگا یا زائد، اگر ایک معنی ہے اور وہ معنی مشخص بھی ہے تو اس کو علَم کہتے ہیں۔

اگر معنی مشخص نہیں بلکہ عام ہے تو وہ ''کلی'' ہے، جیسے ''انسان''۔

پھر اگر وہ سب افراد میں برابر ہے تو اس کو ''متواطی'' کہتے ہیں۔

اگر تفاوت ہے تو اس کو ''مشکک'' کہتے ہیں، جیسے ''سیاہ'' کا لفظ جس کے افراد مساوی نہیں، کیونکہ سیاہی کہیں کم ہوتی ہے اور کہیں زیادہ۔

پھر اگر اس کے معنی متعدّد ہوں تو اگر سب کے لئے برابر وضع کیا گیا ہے تو اس کو ''مشترک'' کہتے ہیں، جیسے ''عین'' کا لفظ ہے۔

اگر سب کے لئے برابر وضع نہیں کیا گیا ہے تو پھر اگر پہلا وضعی معنی متروک ہوگیا ہے اور دُوسرے معنی میں مستعمل ہونے لگ گیا ہے تو اس کو ''منقول'' کہتے ہیں۔

اور اگر ناقل عرف ہے تو اس کو ''منقول عرفی'' کہتے ہیں، جیسے عربی میں لفظِ ''دابۃ'' ہر ایک زمین پر چلنے والے کے لئے موضوع تھا، پھر عرفِ عام میں خاص چوپایہ کے لئے مستعمل ہونے لگا۔

اور اگر ناقل شرعی ہے تو اس کو ''منقول شرعی'' کہتے ہیں، جیسے کہ لفظِ ''صلوٰۃ'' خاص دُعا کے واسطے موضوع تھا، پھر ارکانِ مخصوصہ میں مستعمل ہونے لگ گیا، اسی طرح ''زکوٰۃ''، ''صوم'' وغیرہ۔

اگر ناقل کوئی گروہِ خاص ہے تو اس کو منقول اصطلاحی کہتے ہیں، جیسے نحویوں کے نزدیک کلمہ وکلام۔

اور اگر پہلے معنی متروک نہیں ہوئے تو اوّل معنی میں اس کو حقیقت اور

دُوسرے معنی میں مجاز کہتے ہیں، جیسے لفظِ ''شیر'' کہ واضع نے اس کو درندے کے لئے وضع کیا تھا، مگر ''بہادر'' کو بھی شیر کہنے لگے، تو ''بہادر'' پر اس کا اطلاق مجازی ہے اور درندہ پر حقیقی۔

دو کلمے اگر ایک معنی رکھتے ہیں تو ان کو ''مترادف'' کہتے ہیں، جیسے: ''مَطَر'' و ''غَیْث''۔

اور اگر ہر ایک کا معنی جداگانہ ہو تو ان کو مبائن کہتے ہیں، جیسے: حجر، شجر، بر و بحر، وغیرہ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ کو اس کے اصلی معنی چھوڑ کر دُوسرے معنی پر اطلاق کرنا بغیر کسی علاقے کے دُرست نہیں، علماء نے اس قسم کے پچیّس علاقے قرار دیئے ہیں: مشابہت، سبب و مسبّب، لازمیت و ملزومیت، تقیید اور اطلاق وغیرہ، ان میں سے صرف ایک علاقہ مشابہت کے سبب اگر ایک لفظ، دُوسرے لفظ کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے تو اس کو ''اِستعارہ'' کہتے ہیں، باقی اور علاقوں میں مجاز مرسل۔

اِستعارہ:

اِستعارہ بھی مجاز کی ایک قسم ہے، جس میں علاقۂ تشبیہ پایا جاتا ہے، مگر حرفِ تشبیہ ظاہر میں مذکور نہیں ہوتا، جیسے ''شیر'' بول کر ''بہادر'' مراد لینا مجاز ہے، جب کسی مقام پر لفظ کے حقیقی معنی دُرست نہ ہوسکیں تب مجازی معنی مراد لئے جاتے ہیں، اور بغیر قرینے کے مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں ہے۔

اِستعارہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں:

۱:... ''مستعار'' اس لفظ کو کہتے ہیں جو دُوسرے معنی کے لئے مانگا گیا ہو۔

۲:... ''مستعار منہ'' وہ معنی حقیقی ہے جس سے لفظ مانگا گیا ہے، یعنی مشبہ بہ۔

۳:... ''مستعار لہٗ'' جس معنی کے لئے وہ لفظ مانگا گیا ہے، یعنی مشبہ، جیسے: ''اَسَـدٌ کَـاتِـبٌ'' میں لفظ ''اَسَـدٌ'' مستعار اور اس (اسد) کا وجود مستعار منہ ہے۔ ''زَیـــدٌ'' (مثلاً) مستعار لہٗ اور مشبہ ہے، جس کو ادعاءً شیر کا فرد بنایا گیا ہے، اور لفظِ ''اسد'' کا معنی حقیقی مستعار منہ ہے، اور اِستعارہ ان ارکانِ ثلاثہ یعنی مستعار، مستعار منہ اور مستعار لہٗ کے لحاظ سے بہت سی اقسام پر منقسم ہے۔

ایک محسوس کا دُوسرے محسوس کے لئے اِستعارہ جیسے: ''وَاشْتَـعَـلَ الـرَّأْسُ شَیْبًــــا'' (مریم:۴) یعنی بڑھاپے کا شعلہ سر میں بھڑک اُٹھا۔ مستعار منہ آگ کا بھڑکنا ہے، مستعار لہٗ بڑھاپا ہے، اور مستعار لفظِ ''اِشْتَـــعَـــلَ'' ہے، مشبہ بہ آگ اور مشبہ بڑھاپے کی سفیدی ہے، اور ان میں سے ہر ایک محسوس ہے۔

کبھی ایک معقول کا دُوسرے معقول کے لئے استعارہ ہوتا ہے، اور مناسبت بھی عقلی ہوتی ہے، جیسے: ''مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا'' مستعار منہ خواب، مستعار لہٗ موت، اور دونوں میں مشترک مشابہت افعال کا ظہور نہ ہونا ہے، اور ان میں سے ہر شے عقلی ہے، نہ کہ محسوسِ ظاہری، وغیـرہ ذالک من الاقسـام، باقی قسمیں مطول میں دیکھ لی جائیں۔

تشبیہ:

''تشبیہ'' لغت میں ایک چیز کو دُوسری چیز سے مشابہت دینے کو کہتے ہیں، اور اصطلاحِ علمِ بیان میں دو چیزوں کا باہمی ایک وصفِ خاص میں، اشتراک ظاہر کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ میں چار چیزیں ضروری ہوتی ہیں:

۱:... مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے، مثلاً: ''زید''۔

۲:... مشبہ بہ: جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے، مثلاً: ''اسد''۔

۳:... اداتِ تشبیہ: وہ حروف جن کے ساتھ تشبیہ بیان کی جائے، مثلاً: ’’ک‘‘۔

۴:... وجہ تشبیہ: وہ وصفِ خاص جس میں تشبیہ دی جائے، مثلاً: ’’شجاعت‘‘۔

پھر وجہ تشبیہ یا واحد ہوگی یا متعدّد، اور غرضِ تشبیہ اکثر مشبہ کی طرف عائد ہوتی ہے، کبھی اس کا ممکن الوقوع ہونا ثابت کیا جاتا ہے، اور کبھی اس کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ایک کپڑے کو دُوسرے کپڑے سے سیاہی میں تشبیہ دی جاتی ہے۔

یا اس کے وصف کی مقدار بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی سیاہ چیز کو کالے کوّے سے تشبیہ دی جائے۔

یا اس کے حال کی تقریر مقصود ہوتی ہے، جیسے کسی کے کام کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا ہو تو اس کو پانی پر لکھنے سے تشبیہ دیتے ہیں، ان چاروں صورتوں میں مشبہ بہ وصف میں اکمل ومشہور ہونا چاہئے۔

یا مشبہ کی خوبی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ کسی حسین کے بالوں کی سیاہی کو ’’مشک‘‘ سے تشبیہ دی جائے۔

یا اس کی قباحت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی کی آنکھ کو بلّی کی آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اور کبھی غرضِ تشبیہ مشبہ بہ کی طرف عائد ہوتی ہے، اور حرفِ تشبیہ بھی محذوف ہوتا ہے، مثلاً: ’’تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ‘‘ (النمل:۸۸)، أي: ’’تَمُرُّ مِثَلَ مَرَّ السَّحَابِ‘‘ اس کی تفصیل بھی طویل ہے، فانظر فی موضعہ۔

کنایہ:

لغت میں ’’کنایہ‘‘ کے معنی ہیں: کوئی بات اشارہ میں کہنا۔ اور اصطلاح میں

اس کے معنی ہیں: ایک لفظ بول کر اس کے معنی کا لازم مراد لینا، جہاں پر اصل معنی مراد لینا بھی ممکن ہے، جیسے: "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ" (المائدۃ:٦٤) کنایہ ہے بہت دینے والے سے، "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طٰہٰ:۵) کنایہ ہے تسلطِ شاہی سے کہ وہ شاہی تخت پر ہے اور ہر چیز کا مالک ہے، سب کچھ اسی کے حکم سے ہو رہا ہے۔

بیانِ صفاتِ خداوندی کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ جس ذات کی مثل کوئی چیز نہ ہو، نہ وہ ممکنات میں داخل ہو، نہ محسوسات میں، نہ اس کی طرف ادراکِ خیال پہنچ سکے، نہ طائرِ وہم کی اُس تک پرواز ہو تو اُس ذاتِ بابرکات کی تصویر بندوں کے سامنے کھینچی جائے تو کیسے؟ ناممکن ہے! اس لئے ایسے مواقع میں وہی الفاظ لائے جاتے ہیں جو کہ انسان کے تصوّر اور عقل میں آسکیں، اور اس کے ساتھ: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" (الشوریٰ:۱۱) سب جسمانیت کی نفی کر رہی ہے، لہٰذا بیانِ مقصود کے لئے ایسے الفاظ اختیار فرمائے جو مانوس و متصوّر ہوں اور ادراکِ انسانی میں آسکتے ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ پُرشوکت بھی ہوں، ورنہ بجائے اقرار کے انکار، اور بجائے اُنس و محبت کے وحشت و حیرت ہوتی، چنانچہ فرمایا:

"وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ"

(الحاقۃ:۱۷)

یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ قیامت کے روز جب وہ تختِ عدالت پر جلوس فرمائے گا تو اس شان و شوکت سے ظہور کرے گا، "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ" (المائدۃ:٦٤) میں کنایہ ہے اِعطائے عام و تام و دائم سے، اسی طرح: "يَدُ اللهِ"، "وَجْهُ اللهِ"، "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" (القلم:٤٢)، "وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (الزمر:٦٧) یہ سب کنایات اور اِستعارات ہیں، جن کے معنی اس کی ذات اور قبضہ و قدرت کے ہیں، اور "سَاقٍ" کنایہ ہے شدّت سے، اسی طرح "يُقْرِضُ

اللہ‘‘ اِستعارہ ہے اِنفاق بالخلوص سے۔

اسی طرح بطور مشاکلت کے جزا کو ان کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ’’وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ‘‘ (آل عمران:۵۴)، ’’اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ‘‘ (البقرہ:۱۵) اور ’’اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا‘‘ (الطارق:۱۶) یہ سزا کے اِستعارات ہیں، حالانکہ بدی کی سزا بدی نہیں ہوتی، مگر بطور مشاکلت کے فرمادیا۔

اسی طرح: ’’لَامَسْتُمُ‘‘ فرما کر ’’جَامَعْتُمْ‘‘ مراد لیا، کیونکہ تصریح خلافِ تہذیب ہے، ’’اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا‘‘، ’’اِحصانِ فرج‘‘ کے لغوی معنی حفاظتِ گریبان کے ہیں، یعنی اپنے دامن کو محکم و محفوظ رکھا، مگر مراد سترِ خاص ہے، ھکذا فی الاتقان۔

اور بعض مواقع پر خطاب عام ہوتا ہے اور لفظ خاص، گویا لفظِ خاص کنایہ ہے عام مخاطب سے، مثلاً:

’’لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ‘‘ (الزمر:۶۵)

اسی طرح تعریض کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے، مثلاً: ’’هٰذَا رَبِّيْ‘‘ اس سے مخاطبوں پر تعریض مقصود تھی کہ تمہارا معبود ہے، میرا نہیں، یا ہمزۂ استفہام محذوف ہے: ’’اَهٰذَا رَبِّيْ‘‘ وغیرہ۔

ثُمَّ:

لفظِ ’’ثم‘‘ کا استعمال تین طرح سے آتا ہے:

۱:... بطور تراخی زمان کے، جیسے: ’’جَاءَ زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرو‘‘ یعنی عمرو، زید کے بعد آیا اور دیر سے آیا۔

۲:... بطور استبعاد کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ماقبل کی موجودگی میں اس کے مابعد کا ہونا بعید از عقل ہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ"

(الانعام:۱)

ترجمہ:..."سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے
پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اُجالا، پھر یہ کافر
اپنے رَبّ کے ساتھ اور کو برابر کردیتے ہیں۔"

یہاں "ثم" استبعاد کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں کا
پیدا کرنے والا ہے اس کی موجودگی میں مشرکین کا اپنے بزرگوں یا درختوں اور قبروں یا
بتوں کو اپنے رَبّ سے محبت و تعظیم میں برابر کرنا بعید از عقل ہے۔

۳:...بطور تعقیبِ ذکری، یعنی یہ کہ اس کا مابعد صرف ذکر میں اس کے ماقبل
سے پیچھے ہے، خواہ وہ واقع میں اس سے مقدّم کیوں نہ ہو؟ جیسے:

"وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ" (الاعراف:۱۱)

ترجمہ:..."اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر صورتیں بنائیں
تمہاری، پھر حکم کیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدمؑ کو۔"

اس مقام پر "ثم" تعقیبِ ذکری کے لئے ہے، معنی یوں ہوں گے:

"البتہ ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر ہم ہی نے تمہیں
صورتیں دیں، پھر یہ بات بھی سن لو کہ ہم ہی نے فرشتوں سے کہا
تھا کہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے آگے سجدہ کرو۔"

ظاہر ہے کہ ہماری پیدائش وغیرہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے
کہیں مؤخر ہے، یہ معنی اسی صورت میں ہوں گے جبکہ "خَلَقْنٰكُمْ" وغیرہ کو اس

کے حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے، اور اگر تجوزاً اس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش مراد لی جائے تو تعقیبِ ذکری وغیرہ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔

مَا:

لفظِ "مَا" سے کبھی مسئلۂ توحید مراد ہوتا ہے، جیسے:

"اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللهَ، قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ." (حٰمٓ السجدة:۱۴)

ترجمہ:... "جب آئے ان کے پاس رسول آگے سے اور پیچھے سے کہ نہ پوجو کسی کو سوائے اللہ کے، کہنے لگے: اگر ہمارا ربّ چاہتا تو بھیجتا فرشتے، سو ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانتے۔"

یہاں مراد وہی قولِ رسول "اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللهَ" ہے۔

اسی طرح:

"اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ." (حٰمٓ المؤمن:۷۰)

ترجمہ:... "اور جنہوں نے کتاب کو اور اس چیز کو جس کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا، جھٹلایا، وہ قریب ہی جان لیں گے۔"

اس جگہ بھی "مَا" سے مراد مسئلۂ توحید ہی ہے، اس لئے کہ دُوسری آیت میں یہ ہے کہ:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ

اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ۔" (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ:... "آپ سے پہلے ہم نے ہر رسول کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، سو میری بندگی کرو۔"

اور کبھی "مَا" سے مرادِ معبودانِ باطلہ کی عبادت ہوتی ہے، جیسے:

"فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ۔"

(المؤمن:۸۲)

"یعنی جب عذاب اللہ کا آیا تو پھر کام نہ آیا ان کے جو وہ کماتے تھے۔"

اس پر شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "مَــا" سے مرادِ معبودانِ باطلہ کی عبادت ہے، بقرینہ آیتِ آئندہ:

"فَلَـمَّـا رَاَوۡ بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗ وَکَفَرۡنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشۡرِکِیۡنَ۔" (المؤمن:۸۴)

ترجمہ:... "جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو تو بولے کہ: ہم ایمان لائے اللہ وحدہٗ لا شریک پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے۔"

یعنی اب پتہ چلا کہ واحد خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے، جن ہستیوں کو خدائی درجہ دے رکھا ہے وہ سب بے کار ہیں اور عاجز و درماندہ، پس وہ اعمالِ شرکیہ نذر و نیاز وغیرہ بے فائدہ ثابت ہوئے اور کبھی "مَا" سے اور معانی بھی لئے جاتے ہیں۔

اِنَّمَا:

علمِ معانی والوں نے "اِنَّمَا" کو "مَا اِلَّا" کے معنی میں فرمایا ہے، مگر رضی نے

اس کے معنی ''پختہ بات'' کے بھی کئے ہیں، یعنی یہ بات پختہ ہے، خواہ اس میں حصر والے معنی بھی آجائیں یا نہ آویں، جیسے:

''لَقَالُوْا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ'' (الحجر:۱۵)

ترجمہ:... ''تو بھی یہی کہیں گے کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو، نہیں! بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے۔''

اس جگہ حصر کے معنی نہیں ہیں۔ اسی طرح:

''اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ .... الخ'' (النحل:۱۱۵)

ترجمہ:... ''اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت۔''

میں بھی حصر کے معنی نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ محرّمات ان کے سوا اور بھی ہیں، اور اگر ''مَا اِلَّا'' کے معنی لئے جائیں تو بہت سے جوابات کی ضرورت پڑتی ہے، اور پختہ بات والے معنی پر سوال بھی مشکل سے ہوسکتا ہے۔

اِذْ:

''اِذْ'' ظرفیہ ہوتا ہے، اس کا مضاف الیہ اس کے مابعد متصل کا جملہ ہوتا ہے، اور بعض مفسرین نے ''اِذْ'' کا عامل اس سے پہلے ''اُذْكُرْ'' محذوف مانا ہے، اب اس کے لئے مفعول بہ کی ضرورت پڑی، کیونکہ ''اُذْكُرْ'' متعدی ہے، لہٰذا بعض ''اُذْكُرْ'' کے بعد ''اَلْقِصَّةَ'' کو مفعول بہ مانتے ہیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ ''اُذْكُرِ الْقِصَّةَ'' الیٰ آخرہ، یعنی فلاں قصہ کو ملاحظہ فرمایئے، نہ یہ کہ قصہ پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ فوز

الکبیر میں فرمایا ہے کہ قصے کا مقصد ذہن میں اس کا نقشہ بٹھانا ہوتا ہے، تاکہ تخویف یا تحویل یا ترغیب یا عبرت ہو، لہٰذا ایسے موقع پر عامل کو تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔
بعض نے "اِذْ" کو زائد مانا ہے، اور عباسی نے "اِذْ" کے معنی "قَــد" کئے ہیں، لیکن سب سے بہتر وہی بات ہے جو رضی نے لکھی ہے کہ اس کا متعلق کبھی اس سے مقدم ہوتا ہے اور کبھی مؤخر، لہٰذا اس قانون کے مطابق "اُذْکُــرْ" نکالنے کی ہر جگہ ضرورت نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے: "وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا" (البقرہ:۳۰) میں "اِذْ" کو "قَالُوْا" مؤخر کے متعلق کیا ہے۔

کَذٰلِکَ:

یہ کبھی تشبیہ کے لئے آتا ہے اور کبھی "لِــذٰلِکَ" کے معنی میں آتا ہے، جیسے کہ جلالین نے فرمایا ہے کہ آیت:

"وَکَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ" (غافر:۶)

ترجمہ:... "اور اسی طرح ٹھیک ہوچکی بات تیرے ربّ کی منکروں پر کہ یہ ہیں دوزخ والے۔"

میں "کَذٰلِکَ" کا کاف تشبیہ کے بجائے تعلیل کے لئے ہے، یعنی "لِذٰلِکَ حَقَّتْ .... الخ"، أی: "لِذٰلِکَ الْمُجَادَلَةِ".

کبھی کاف کمال کے بیان کرنے کے لئے آتا ہے، اس بنا پر:

"وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰــکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ" (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ:... "اور اس طرح کیا ہم نے تم کو اُمتِ معتدل

تا کہ ہوتم گواہ لوگوں پر۔"

کے معنی یوں ہوں گے کہ ہم نے تمہیں ایسی برگزیدہ اور عمدہ اُمت بنایا، جیسا کہ کسی اچھے نوجوان کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ نوجوان ایسے ہوتے ہیں،

"وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا" (الرعد:۳۷)

"یعنی ہم نے اس پر ایسا باکمال حکمِ عربی نازل کیا۔"

اَلَمْ تَرَ:

"اَلَمْ تَرَ" کبھی ابتدائے کلام میں آتا ہے اور کبھی درمیان میں، اگر ابتدا میں آئے تو رُؤیت قلبی مراد ہوگی یا رُؤیتِ بصری۔ اگر رُؤیتِ قلبی مراد ہوگی تو معنی یوں ہوں گے: "کیا تو نے نہیں جانا؟ یعنی اب جان لے!"، جیسے:

"اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ"

ترجمہ:... "کیا تو نے نہ دیکھا کیا کیا تیرے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔"

اگر رُؤیتِ بصری مراد ہوتو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ: "کیا تو نے نہیں دیکھا اور نہیں سنا؟ اگر نہیں دیکھا اور نہیں سنا تو اب دیکھ اور سن لے!"، جیسا کہ طحاوی باب "ما يدعيه الرجلان كيف الحكم فيه" میں ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَلَمْ تَرٰى ان مُجَزِّزًا نظر انفًا اِلٰى زَيْدٍ .... الخ."

لوگ زید رضی اللہ عنہ کے نسب پر کچھ طعن کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے باپ کا فرمایا تھا، اور مجزز قیافہ شناس تھا، علامات دیکھ کر معلوم

کرلیتا تھا کہ یہ شخص اپنے باپ کا ہے یا نہیں؟ مجزز نے دونوں کے پاؤں دیکھ کر کہا: "ان ھٰذہ الأقدام بعضها من بعض." اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "ان مجززا نظر انفا الٰی زَیْدٍ" معنی یوں ہوں گے کہ: "اے عائشہ! تو نے نہیں دیکھا اور نہیں سنا تو اب مجھ سے سن لے کہ مجزز نے ابھی زید کی طرف دیکھا"۔

اور اگر "الم تر" کلام کے درمیان میں آئے تو اکثر اس کا مابعد ماقبل سے مربوط نظر نہیں آتا، بلکہ اصل مقصود سے مرتبط ہوتا ہے، جیسے کہ:

"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ..... الخ." (البقرۃ:۲۴۳)

ترجمہ...."کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے"۔

اس کے ماقبل میں طلاق اور عدّت کا ذکر ہے اور مابعد میں جہاد کا ذکر ہے، بظاہر یہاں وجہِ ارتباط نظر نہیں آتی، تو عرض یہ ہے کہ چند رُکوع ماقبل میں اصل مقصود مسئلہ جہاد: "وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ" (البقرۃ:۱۹۰) تھا، درمیان میں چند اُمورِ متعلقہ اصلاح کے لئے شروع کردیئے، پھر "اَلَمْ تَرَ" سے اصل مقصد جہاد کی طرف رُجوع کیا گیا ہے۔

اِلَّا:

رضی میں ہے کہ "اِلَّا" بوقتِ استثناء منقطع "لٰـکِن" کے معنی میں ہوتا ہے، جس کے اسم وخبر کبھی مذکور ہوتے ہیں اور کبھی محذوف، مذکور کی مثال یہ ہے:

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ

اِرْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا۔" (الجن:۲۶،۲۷)

ترجمہ:... "غیب کا جاننے والا ہے، اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا، لیکن رسول کے آگے پیچھے فرشتوں کو نگہبان بنا کر چلا دیتا ہے۔"

بہتر یہ ہے کہ "اِلَّا" اس مقام پر بمعنی "لٰكِنَّ" ہو اور "مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" اس کا اسم اور "فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ" خبر۔ مستثنیٰ منقطع باعتبار مضمون کے ماقبل سے جدا ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس جگہ مستثنیٰ منقطع قرار دیا ہے، اور بعض نے مستثنیٰ متصل فرمایا ہے۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ:

ایسے جملے کے متعلق تین قول ہیں:

۱:... واوٗ ہر جگہ عطف کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ کبھی تاکید و وصلت کے لئے بھی ہوتی ہے، اور "وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً" (الواقعہ:۷)، "وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا" (الزمر:۷۳)، "وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ" (آل عمران:۱۴۱)، "وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ" (آل عمران:۱۴۰) وغیرہ میں واوٗ زائد ہے۔

۲:... کبھی واوٗ موصوف صفت کے درمیان بھی آتی ہے، موصوف وصفت میں جو اتصال ہوتا ہے اس کی تاکید کے لئے، جیسے قولہ تعالیٰ:

"اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" (الانفال:۴۹)

ترجمہ:... "جب کہنے لگے منافق اور جن کے دِلوں میں بیماری ہے۔"

اور سیبویہؒ نے فرمایا کہ: وہ مثل اس کے ہے جیسا کہ: "دُرْتُ بِـــزَيْـــدٍ وَصَـــاحِبِكَ" (جبکہ "صـــاحبک" سے مراد وہی زید ہو)، اس میں بھی واوٗ محض اتصال کی تاکید کے لئے ہے، عطف کے لئے نہیں۔

۳:... شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے "وَلِيَـعْـلَـمَ" میں واوٗ کو عاطفہ قرار دیا ہے، اور معطوف پہلے جملے کا مضمون فرمایا ہے، اور بعض کے نزدیک معطوف علیہ محذوف ہوتا ہے جس کا تعین موقع اور محل کی مناسبت سے کیا جاسکتا ہے۔

فائدہ:... "لِيَـعْـلَـمَ اللهُ"، "لِنَعْلَمَ"، "حَتّٰى نَعلَمَ"، "لَنَبْلُوَنَّكُمْ" اور "لَمَّا يَعْلَمِ اللهُ" وغیرہ قرآن مجید میں مذکور ہیں، ان سب سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد میں ہوا ہو، ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا، حالانکہ اس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے: "كَـانَ اللهُ بِـكُـلِّ شَـيْءٍ عَلِيْمًا" اس کے علماء نے کئی طرح سے جواب دیئے ہیں:

بعض نے علم سے تمیّز اور جدا جدا کردینا مراد لیا ہے۔

اور بعض نے امتحان کے معنی کئے ہیں۔

اور کسی نے علم کو بمعنی رُویت لیا ہے۔

اور کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا ہے۔

اور بعض نے حدوثِ علم کو پیغمبر اور مؤمنین کی طرف راجع کیا یا مخاطبین کی طرف لوٹایا۔

بعض اکابر محققین نے علم حالی، جو معلوم کے وجود کے بعد متحقق ہوتا ہے، مراد لیا ہے، جس پر جزا و سزا، مدح و مذمت مرتب ہوتی ہے، اور اسی کو بعض مدققین نے پسند فرمایا ہے۔

بعض علماء نے دو باتیں نہایت دقیق بیان فرمائی ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ حسبِ ارشادِ باری تعالیٰ:

''وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا'' (الطّلاق:۱۲)

تمام چیزیں اوّل سے آخر تک حقیر و عظیم، قلیل و کثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اس کو ایک ساتھ ہے، اس کے علم میں تقدم و تأخر ہرگز نہیں، مگر آپس میں ایک دُوسرے کی نسبت بے شک مقدم و مؤخر گنی جائیں گی، سو علمِ خداوندی کے اعتبار سے تو سب کی سب، بمنزلہ شے واحد موجود کے ہیں، اس لئے وہاں ماضی، حال اور مستقبل نکالنا بالکل غلط ہے، البتہ تقدم و تأخرِ باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبداہت نکلیں گے، سو جناب باری تعالیٰ نے کبھی تو ان اشیاء کے تقدم و تأخر کا لحاظ فرما کر کلام فرمایا ہے، اور کبھی اپنے علم کے مناسب کلام فرمایا ہے، پس اوّل صورت کا لحاظ رکھتے ہوئے ماضی کی جگہ ماضی، حال کی جگہ حال اور استقبال کی جگہ استقبال کا صیغہ ذکر فرمایا، اور دُوسری صورت کا لحاظ رکھتے ہوئے ماضی اور حال کے صیغے تو استعمال ہوسکتے ہیں، لیکن استقبال کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا، پس جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی کے الفاظ سے فرمایا، جیسے: ''وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ'' وغیرہ تو وہاں اس کا لحاظ ہے کہ سب اشیاء حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہیں، اور جہاں اُمورِ گزشتہ کو صیغۂ استقبال سے بیان فرمایا، جیسے آیت: ''اِلَّا لِنَعْلَمَ'' وغیرہ میں تو وہاں یہ بات مدِنظر ہے کہ یہ چیز بہ نسبت اپنے ماقبل کے مستقبل ہے، علمِ الٰہی کے لحاظ سے استقبال نہیں کہ اس کے علم میں حدوث کا وہم ہو، مزید تحقیق حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ کے فوائدِ قرآن میں دیکھ لیں، پارۂ سیقول کے اوّل صفحہ پر۔

ماضی:

''وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

وَقَدۡ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيۡكُمۡ إِلَّا مَا ٱضۡطُرِرۡتُمۡ إِلَيۡهِ۔"

(الانعام:۱۱۹)

ترجمہ:... "تمہیں کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اُسے نہیں کھاتے؟ اور اب وہ تمہارے لئے حرام کردہ اشیاء بیان کر رہا ہے، مگر جب مجبور ہوجاؤ اس کے کھانے پر۔"

یہاں اِشکال وارد ہوتا ہے کہ: "قَدۡ فَصَّلَ" ماضی کا صیغہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرماتِ الٰہیہ سورۂ انعام سے پہلے تفصیل سے بیان ہوچکی ہیں، حالانکہ سورۂ بقرہ و مائدہ بالاتفاق سورۂ انعام کے بعد نازل ہوئی ہیں، اسی اِشکال کی وجہ سے حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے بیان القرآن میں سورۂ انعام سے پہلے سورۂ نحل لی ہے، جو بالاتفاق سورۂ انعام سے پہلے نازل ہوئی ہے، لیکن اس میں یہ شبہ پڑتا ہے کہ سورۂ نحل میں اس حکم کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ سورۂ انعام سے بھی اس میں تفصیل کم ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ کہا جاوے کہ کبھی کبھی صیغۂ ماضی لایا جاتا ہے، اور تفصیل بعد میں کی جاتی ہے، جیسے:

"سُورَةٌ أَنزَلۡنَٰهَا وَفَرَضۡنَٰهَا وَأَنزَلۡنَا فِيهَآ ءَايَٰتِۭ بَيِّنَٰتٍ" (النور:۱)

"یعنی یہ سورت ہے نازل کر رہے ہیں ہم اس کو اور فرض کر رہے ہیں اور اُتار رہے ہیں باتیں صاف صاف۔"

جیسے سورۂ نور میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور تفصیل بعد کو ہے تو اسی طرح "فَصَّلَ" کو سمجھو۔

اَمْرٌ:

بعض جگہ اَمر کا صیغہ ایجادِ فعل کے لئے نہیں، بلکہ اِبقائے فعل اور اس پر مداومت کرانے کے لئے ہوتا ہے کہ یہ کام کرتے رہو، کما فی الحدیث: "اِقْـرَأْ یَـابْنَ حُضَیْرٍ" "یعنی اے ابنِ حضیر! پڑھتے رہو۔" کذا نقل عن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

اور اسی طرح:

"اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ" (العنکبوت:۴۵)
"یعنی تلاوت کرتے رہو اس کتاب کی جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

اَرَاَیْتَ:

رضی میں ہے کہ ہمزۂ استفہام یا افعالِ قلوب پر آتا ہے یا ان کے مفعول پر۔

اگر ان کے ہر دو مفعولوں پر آئے تو افعالِ قلوب مکفوف عن العمل ہوں گے، یعنی عمل نہ کریں گے، اور اگر "رَاَیْـتَ" کے مفعولِ ثانی پر استفہام آئے تو یہ مکفوف نہیں ہوتا، بلکہ ایک مفعول کا تقاضا کرے گا، جیسے: "رَاَیْـتَ زَیْـدًا مَـا صَنَعَ"، میں "زَیْدًا" مفعول ہے "رَاَیْتَ" کا، اور "مَا صَنَعَ" علیحدہ جملہ ہے جو جواب ہے سوال کا، یعنی جس وقت کسی نے کہا: "رَاَیْتَ زَیْدًا" تو دُوسرے نے کہا: "مَـاذَا تَـقول له؟" تو پہلے شخص نے اس کے جواب میں کہا: "مـا صـنـع؟" أي: "أخبرني ما صنع؟" لہٰذا معلوم ہوا کہ "مَـا صَنَعَ" علیحدہ جملہ ہے اور "اَخْـبِـرْنِیْ" محذوف ہے، اور "مَـا صَنَعَ" "رَاَیْتَ" کا مفعول نہیں ہے، اور کبھی اس وقت بھی مفعول محذوف ہوتا ہے، جیسے: "رَاَیْتَ مَا صَنَعَ؟" اس صورت میں بھی "مَا صَنَعَ" علیحدہ جملہ ہے، اور "زَیْدًا" مفعول محذوف ہے۔

اگر استفہام ”رَاَیْتَ“ پر وارد ہو تو اس صورت میں بھی ایک مفعول چاہتا ہے، پھر وہ مفعول کبھی: ”نَسْیًا مَّنْسِیًّا“ یا ”مَنوِیًّا“ محذوف ہوتا ہے اور اس کے بعد استفہام ضرور آتا ہے ظاہراً یا مقدوراً، باشرط یا بلاشرط، اور کبھی ”اَرَاَیْتَ“ مکرر سہ کرّر لایا جاتا ہے، پھر اگر ایک کے ساتھ مشروط ہو تو تمام شرطیں باعتبار معنی کے ایک بنا کر اس کے بعد جزا ہوتی ہے، جیسے:

”اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی. عَبْدًا اِذَا صَلّٰی. اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰی. اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی. اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی. اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی.“ (العلق:۹ تا ۱۴)

ہر سہ شروط کی جزا ”اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی“ ہے، یعنی دال بر جزا ہے، معنی یہ ہوں گے کہ:

ترجمہ:... ”خبر دے تو مجھ کو کہ جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے، جب وہ ہدایت پر ہو، جب وہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو، جب وہ شخص جھٹلاتا ہو، رُوگردانی کرتا ہو، کیا اُس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟“

”اَرَءَیْتَ“ کے بعد استفہام ظاہر کی مثال یہ ہے:

”قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰـکُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ.“ (الانعام:۴۰)

ترجمہ:... ”تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت، کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔“

اس میں ”اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ“ استفہام ظاہر ہے۔

اور استفہام مقدر کی مثال یہ ہے:

''اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ'' (بنی اسرائیل:۶۲) أی:
''اَرَاَیْتَ هٰذَا الْمُکَرَّمَ لِمَ کَرَّمْتَهٗ'' اور ''لَئِنْ اَخَّرْتَنِ'' کلامِ مستأنف ہے۔

فائدہ:... ''اَرَاَیْتَکَ'' میں ''ک'' کمال کے لئے ہے، نہ کہ ضمیر اور مفعول بہ، کیونکہ اس جگہ مفعول بہ محذوف ہے، کاف برائے کمال کا مطلب یہ ہے کہ: ''اَرَاَیْتَ'' کے آخر میں جو ''ت'' خطاب کے لئے ہے اُسی کی تکمیل کے لئے ''ک'' خطاب کو لایا گیا ہے۔

''اَرَاَیْتَ'' باوجود خطاب مفرد ہونے کے بمعنی ''اَخْبِرُوْنِیْ'' ہے، تاکہ خطاب عام ہوجائے، اور مفرد و متعدد سب کو شامل ہوجائے۔

أَوَ کُلَّمَا:

جب ہمزہ استفہام، واوَ، فا اور ثم عاطفہ پر داخل ہوجائے تو زمخشری کے نزدیک: واوَ، ثم اور فا، کا معطوف علیہ ہمزۂ استفہام کے بعد محذوف ہوتا ہے، مثلاً: ''اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوْا'' کی اصلی عبارت: ''اَکَفَرُوْا وَ کُلَّمَا عٰهَدُوْا'' ہوگی، واوَ کا معطوف علیہ ''کَفَرُوْا'' ہمزۂ استفہام کے بعد محذوف ہے، رضی کے نزدیک کلام سابق کا مضمون معطوف علیہ ہوتا ہے۔

پھر ہر سہ حروفِ عاطفہ میں فرق بھی لکھا ہے کہ:

''واوَ'' عاطفہ اور ''ثم'' تو ہمیشہ ایسے مقامات پر عطف کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں، لیکن ''فا'' میں دوصورتیں ہیں، کبھی عاطفہ ہوتی ہے اور کبھی سببیّہ۔

مدخول ''فا'' کی بھی دوصورتیں ہیں، کبھی جملہ منفیہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، اگر جملہ منفیہ نہ ہو تو ہمزۂ استفہام انکاری کے لئے آئے گا۔

مثالِ ''واوَ'': ''قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی، اَوَ لَمْ یَکْفُرُوْا'' (القصص:۴۸)۔

یہاں ''اَوَ لَمْ یَکْفُرُوْا'' معطوف ہے ''قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ'' کے مضمون پر اور چونکہ ہمزہ کا مدخول جملہ منفیہ ہے اس لئے ہمزہ تو بیخ وتقریر کے لئے ہوگا۔

مثالِ ''فا'': ''مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ'' (یونس:۴۲) اس میں ''اَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ'' معطوف ہے ''مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ'' پر، ''مِنْهُمْ'' بمعنی ''بَعْضُهُمْ'' تاکہ جملہ پر عطف ہوجائے، اور استفہام انکاری ہے۔

مثالِ ''ثم'': ''مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ. اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ'' (یونس:۵۰،۵۱)۔

خطابِ عام:

بعض جگہ قرآن مجید میں خطاب جنسِ مخلوق کو ہوا کرتا ہے، یعنی انسان، فرشتہ، جن، سب کو شامل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ''وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ'' (الحجر:۲۲) اس میں ''اَنْتُمْ'' میں مخاطب سے مراد صرف انسان نہیں، بلکہ جن، انسان، فرشتے سب کو خطاب ہے کہ کسی کے قبضے میں یہ چیزیں نہیں ہیں:

''قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ''

(بنی اسرائیل:۱۰۰)

اس مثال میں ''اَنْتُمْ'' میں سب کو خطاب عام ہے۔

''مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا'' (النمل:۶۰)

اس میں بھی خطاب سب جن وانس اور فرشتوں کو ہے، وغیر ذالک۔

اختلافِ معمولین:

بعض جگہ ایک معمول کے ساتھ ایک فعل کا تعلق ہوتا ہے اور دُوسرے معمول کے ساتھ دُوسرے فعل کا، اور یہ دُوسرا فعل چونکہ محذوف ہوتا ہے، اس لئے بظاہر دونوں مختلف معمول ایک ہی فعل کے ماتحت دکھائی دیتے ہیں، اور ان کے معنی کرنے میں اُلجھن پیش آجاتی ہے۔

اختلافِ معمولین کی صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ دُوسرے معمول کا فعل محذوف مان لیا جائے، جیسے کسی کا قول: "علفتها تِبنًا وَماءً باردًا" یعنی میں نے اس کو بھوسہ اور پانی کھلا دیا، حالانکہ کھلانے کا فعل ماء (پانی) کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا، پانی پلایا جاتا ہے نہ کہ کھلایا جاتا ہے، چنانچہ اس اشکال کو دُور کرنے کے لئے "ماءً باردًا" کا فعل "اَشْرَبْتُ" محذوف مانا جائے گا، اور تقدیرِ عبارت یوں ہوگی: "عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَاَشْرَبْتُهَا مَاءً بَارِدًا" (میں نے اُس سواری کو بھوسہ کھلایا اور پانی پلایا)، اس طرح ایک فعل کے ساتھ دو مختلف معمولوں کا لانا اگرچہ ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے دقت طلب ہوتا ہے، لیکن محاورہ اور بلاغت کے لحاظ سے اس کا مقام پسندیدہ اور بلند ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے: "وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ" (الانعام:۱۳) سکون رات کے ساتھ مخصوص ہے، نہ کہ دن کے ساتھ، اس لئے "سَكَنَ" کا تعلق "فِي الَّيْلِ" کے ساتھ تو دُرست ہے، لیکن "وَالنَّهَارِ" کے ساتھ اس کا تعلق دُرست نہیں ہے، کیونکہ دن حرکت کے لئے ہے، نہ کہ سکون کے لئے، اس اِشکال کو بھی اسی طرح دُور کیا جائے گا، "وَالنَّهَارِ" کا فعل محذوف مان لیا جائے اور کہا جائے: "وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَنَشَرَ فِي النَّهَارِ"۔

دُوسری مثال:

''یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ کَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا۔'' (الانعام:۱۵۸)

''یعنی جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رَبّ کی، کام نہ آوے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا، یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی۔''

اس آیت کو اگر اپنے ظاہری معنی پر چھوڑ دیں تو اس سے معتزلہ کا یہ مذہب ثابت ہوتا ہے کہ عملِ صالح کے بغیر ایمان معتبر اور نافع نہیں ہے، کیونکہ آیت کا خلاصہ اس طرح ہوتا ہے کہ:

''یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا اَوۡ اٰمَنَتۡ وَلَمۡ تَکۡسِبۡ فِیۡ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا''

''یعنی جو شخص طلوعِ شمس (من المشرق) سے پہلے ایمان نہیں لایا اس کو بعد طلوعِ شمس ایمان لانا مفید نہ ہوگا، یا ایمان تو طلوع سے قبل لے آیا لیکن عملِ صالح نہ کئے تھے تو اس کو بھی محض ایمان بلا عمل نافع نہ ہوگا۔''

کذا قرر الزمخشری۔ اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔

لیکن ابن المنیر نے اس کا جواب دیتے ہوئے عبارت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:

''لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا اَوۡ کَسۡبُهَا خَیۡرًا لَّمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ لَمۡ تَکُنۡ کَسَبَتۡ فِیۡ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا۔''

یعنی جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا تو اُس وقت اس کا ایمان مفید نہ ہوگا، اور جس نے پہلے سے عملِ صالح نہیں کیے اب اُس کے عملِ صالح معتبر نہ ہوں گے، یعنی توبہ قبول نہ ہوگی، اس تقریر کی بنا پر عملِ صالح کی نفی ہوئی نہ کہ اصل ایمان کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا" کے بعد "اَوْ كَسْبُهَا" کا لفظ محذوف ہے، آیت کی اس تقریر کے مطابق معتزلہ کا مذہب ثابت نہ ہوا، اور اِشکال بھی رفع ہوگیا، اس آیت کے اور بھی متعدّد جوابات ہیں، رُوح المعانی میں دیکھ لئے جائیں۔

مسئلہ اِلٰہ:

اس کی تحقیق حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب مدظلہٗ نے اپنی کتاب "جواہر القرآن" میں بسط سے فرمائی ہے، اسے دیکھنا چاہئے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً، جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:

مشرکین، اللہ تعالیٰ کے قائل تھے، دو خدا کے قائل نہ تھے، خالقِ آسمان، زمین، وتمام اشیاء، اور ہر شے پر غالب، بڑے علم والا، بارش برسانے والا، مردہ زمین کو زندہ کرنے والا، روزی دینے والا، موت وحیات کا مالک، ہر شے کو پناہ دینے والا، کانوں، آنکھوں کا مالک اور سارے جہان کا مدبر اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے تھے، ان کو آیات سے صریحاً ثابت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں ایک ماننے کے بعد اپنے دُوسرے معبودوں کو اِلٰہ مانتے تھے، اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت صرف اس بات میں تھی کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا دُوسرا کوئی اِلٰہ نہیں، اس کے سوا رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی بات میں مخالفت نہیں ہوئی، گویا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت بحیثیت رسول ہونے کے صرف اسی مسئلے کی وجہ سے تھی۔

اسی مسئلے کی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتہامات مثل: شاعر،

ساحر، کذّاب، کاہن وغیرہ لگائے، جیسا کہ سورۂ صافات میں ہے:

"اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ. وَیَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَتَارِکُوْٓا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ." (الصافات:۳۵،۳۶)

ترجمہ:... "جب انہیں لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہا جاتا تو اکڑتے اور کہتے تھے کہ: کیا ہم ایک شاعر پاگل کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟"

اور سورۂ صٓ میں ہے:

"اَجَعَلَ الْاٰلِھَةَ اِلٰـھًا وَّاحِدًا، اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ." (صٓ:۵)

ترجمہ:... "کیا اتنے معبودوں میں سے ایک ہی کو معبود بنا رکھا ہے؟ یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے!"

اس سے معلوم ہوا کہ معبودانِ باطلہ کی نفی کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ سب کچھ کہا گیا۔

اسی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، مشرکین کے معبودوں کی عبودیت کی نفی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، اور لوگوں نے دُشمنی کی:

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ." (الانبیاء:۲۵)

ترجمہ:... "آپ سے پہلے بھی ہم ہر پیغمبر کی طرف وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔"

الٰہ بمعنی معبود کون کون بنائے گئے؟

فرشتے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، سورج، ستارے، جنات، بالخصوص شیطان، بزرگوں کی قبریں، پیر و مرشد، اور جن درختوں کے نیچے ایسے بزرگ بیٹھے، اور دراصل بزرگوں ہی کو معبود خیال کیا جاتا تھا۔

سورۂ سبا کی آیت:

"وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ" (سبا:۴۰)

میں فرشتوں کے معبود بنالینے کا ذکر ہے۔

اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۔"

(بنی اسرائیل:۵٦)

میں باتفاقِ مفسرین، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے معبود بنانے کی نفی ہے۔

سورۂ نجم میں ہے:

"اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى. وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى"

(النجم:۱۹،۲۰)

ان میں لات ایک بزرگ تھا، جیسا کہ بخاری جلد:۲ صفحہ:۷۲۱ میں ہے۔

سورۂ نوح میں ہے:

"وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا" (نوح:۲۳)

یہ نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک آدمی تھے، جب فوت ہوئے تو ان کی صورتیں پتھروں پر کندہ کیں اور ان کو غائبانہ پکارا گیا، کما فی البخاری جلد:۲ صفحہ:۷۳۲ سطر:۳۔

اور تفسیر عزیزی میں اس مقام پر ہے کہ یہ پانچوں حضرت شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے، فتح الباری میں ایک روایت مرسل ہے کہ وَدّ حضرت شیث علیہ السلام کا نام ہے اور چار ان کے بیٹے تھے، بہرحال یہ پانچوں نیک مرد تھے، پتھر نہ تھے۔

سورج کے متعلق سورۂ نمل میں ہے:

"وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ."

(النمل:۲۴)

جس میں سورج کے معبود بنانے کی نفی ہے۔

سورۂ انعام میں ہے:

"فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا" (الانعام:۷۶)

اس میں ستاروں کے معبود بنانے کی نفی مذکور ہے۔

سورۂ جن میں ہے:

"وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ" (الجن:۶)

اس میں جنوں کے معبود بنا لینے کا تذکرہ ہے۔

حدیثِ نبوی:

الف:... "لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدًا."

ب:... "اِذَا مَاتَ فِيْهِمِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَيْهِ

قُبَّةً۔" (مشکوٰۃ)

میں قبور کے معبود بنانے کی نفی مذکور ہے، زیادہ تفصیل ''جواہر القرآن'' میں دیکھیں۔

اِلٰہ کے معنی کی تشریح:

سورۂ نمل میں آیت: "اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ....." (النمل:۶۰)

اور: "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ" (النمل:۶۵) میں اِلٰہ ہونے کے لوازمات بیان فرمائے گئے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کی طاقت، اور آسمان سے پانی برسانا اور اس سے درختوں کے پیدا کرنے کی طاقت اور زمین کو ٹھہرانے کے لائق بنانے اور اس میں نہریں جاری کرنے اور دریاؤں میں پردہ رکھنے اور مضطر کی پکار کو پہنچنے اور سختی دُور کرنے اور تم کو پہلوں کے نائب بنانے اور جنگل میں راہ دکھانے اور مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے اور آسمان و زمین کے غیب جاننے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، پس جو ذات کہ اس میں یہ طاقت نہیں ہے وہ معبودِ برحق نہیں ہوسکتا۔

قانون:

جہاں کہیں قرآن مجید میں اِلٰہ کا لفظ آجائے اور غیراللہ سے اِلٰہ ہونے کی نفی کی جائے، وہاں غیراللہ سے عام (خواہ ملک ہو یا انسانِ مقرّب یا جن وغیرہ) مراد ہوتا ہے۔

فائدہ:... غائبانہ پکارنا جو اس کے لئے مافوق الاسباب متصرف فی الأُمور ہونے کے اعتقاد کے ساتھ ہو، ممنوع ہے، اور اس ممانعت میں وہ اُمور داخل نہیں ہیں جن میں انسان ایک دُوسرے کا محتاج ہے اور ایک دُوسرے کی مدد چاہتا ہے، جیسے

اُستاذ، مرشد، لوہار، مستری وغیرہ، اس میں تو حق تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدہ:۲)

ترجمہ:... "اور ایک دُوسرے کی نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو اور گناہ وظلم پر ایک دُوسرے کی مدد نہ کرو۔"

اِلٰہ بمعنی معبود، عبادت سے مشتق ہے، اور عبادت کے معنی علامہ ابنِ قیمؒ نے مدارج السالکین جلد:۱ صفحہ:۴۰ میں یہ فرمائے ہیں:

"العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بأن للمعبود سلطة غيبية (أى فى العلم والتصرف) فوق الاسباب يقدر بها على النفع والضرر فكل دعاء وثناء ينشأ من هذا الاعتقاد فهو عبادة."

ترجمہ:... "عبادت وہ چیز ہے کہ اعتقاد کرے کہ معبود کو ایسا غیبی غلبہ علم اور تصرف میں ظاہری اسباب سے بالاتر حاصل ہے کہ وہ نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے، پس جو دُعا اور تعریف اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔"

اگر کسی کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا اور افعال و اقوال تعظیمی ہوتے ہیں مثلاً: اُستاذ، پیر، والدین کے سامنے دو زانو بیٹھنا، ان کی خدمت میں تحفہ تحائف لے جانا، ان کے مرنے کے بعد دُعا، صدقات اور خیرات وغیرہ کرنا، مناسب طاعت ہیں، عبادت نہیں، افعالِ مسنونہ ہیں، بدعت نہیں۔

لیکن چند افعال اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بالکل حرام ہیں، خواہ اعتقادِ شرکیہ سے ہوں یا اس کے بغیر ہوں جیسے: حلف بغیر اللہ، سجدہ لغیر اللہ، کسی

ذی رُوح چیز کی صورت بنانا وغیرہ، اور اگر کسی میں وہ اعتقاد عبادت والا رکھتا ہے تو جو افعال و اقوالِ تعظیمی اس کے لئے کرے گا مثلاً: قبر کے سامنے دو زانو بیٹھے، یا کپڑا ڈالے یا وہاں شیرینی تقسیم کرے، قبر کو بوسہ دے، یا زندہ پیر کی اس اعتقاد کے ماتحت تعظیم کرے تو سب افعال و اقوال شرکیہ ہوں گے، کوئی چیز بھی اس کی ربّ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہوگی، جب تک ایسے اعتقاد سے توبہ نہ کرے، فافہم!

پس اگر اس اعتقاد سے کہ اس کو غائبانہ ما فوق الاسباب قوّت و قدرت اور علمِ تام، میرے معاملات و حاجت روائی و مشکل کشائی میں حاصل ہے، پس اس سے اُمید رکھ کر یا ڈر سے اس کو غائبانہ حاجات میں پکارا یا اس کی قبر کے سامنے سجدہ کیا، اس کے نام کی نذر و نیاز دی گئی، یا اس کی قبر کا طواف کیا گیا، تو یہ سب اس پیر کی عبادت ہوگئی اور اگر یہ اعتقاد نہیں تو جو فاتحہ و دُعا و خیرات اس کی رُوح کو بخشی جائے گی وہ شرک نہ ہوگا، بلکہ شرعاً مستحسن ہے۔

الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه ومباركًا عليه

عبداللہ عفی عنہ

”عبادت وہ چیز ہے کہ اعتقاد کرے کہ معبود کو ایسا
غیبی غلبہ، علم اور تصرف میں ظاہری اسباب سے بالاتر
حاصل ہے کہ وہ نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے،
پس جو دعا و تعریف اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔“

القول الوجیز فی اصولِ کلامِ العزیز

یعنی

اصولِ قرآن پر ایک مختصر رسالہ

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

واضح ہو کہ قرآنِ مجید و فرقانِ حمید کا فہم چند چیزوں پر مبنی ہے، جو کہ مختصراً خدمتِ پاک میں عرض کی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر مقدمہ تفسیرِ حقانی فصلِ چہارم سے مأخوذ ہیں۔ قرآن مجید میں پانچ اُمور بکثرت موجود ہیں:

۱:... **علم المخاصمہ**: یعنی گمراہوں (یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین) کے عقائدِ باطلہ کی تردید۔

۲:... **علم التذکیر بآلاء اللہ**: یعنی اپنی نعمتوں کا یاد دِلانا، اور انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات تین طرح کے ہیں۔

ابتدائی نعمتیں: یعنی انسان پر اللہ تعالیٰ کی وہ ابتدائی نعمتیں کہ پہلے منی سے، پھر مضغہ وغیرہ سے بنایا۔

بقائی نعمتیں: کہ انسان کو بقائے زندگی تک ہزاروں نعمتیں عطا فرمائیں۔

انتہائی نعمتیں: کہ مرنے کے بعد اس کو قبر میں داخل کیا۔

یہ نعمتیں یاد دِلا کر نصیحت فرمائی ہے، اور اس کو ایسے اُسلوب و طریقے سے واضح کیا ہے جس کے سمجھنے میں بوڑھے، جوان، شہری اور دیہاتی سب برابر ہیں۔

۳:...**علم التذکیر بأیّام اللہ:** یعنی گزشتہ حوادث و واقعات بیان فرماکر سامعین کونصیحت فرمانا۔

پھر ان کے بیان کرنے میں چند چیزیں ملحوظ رکھی گئی ہیں:

ا:...کتبِ تواریخ کی طرح قصے کو اوّل سے آخر تک بیان نہیں کیا گیا، بلکہ جس قدر نصیحت و عبرت ہے، اتنا بیان کیا گیا ہے۔

۲:...وہ قصے بیان فرمائے جو کہ اہلِ کتاب یا آباء و اجداد سے میل جول کے مشہور تھے، وگرنہ بجائے عبرت کے حیرت ہوتی۔

۳:...جن واقعات سے عبرت مقصود تھی، ان کو الگ الگ اُسلوب و فوائد سے مکرّر، سہ کرّر ذہن نشین کرانے کے لئے بیان کیا گیا، تاکہ تصویرِ واقعات پیشِ نظر رہے، اور یہ بھی کہ جو لوگ شبہاتِ ضعیفہ کے سبب پیغمبروں کے مقابلے میں آئے تو خدا تعالیٰ نے ان کا جواب دیا اور پیغمبروں کی مدد فرمائی، اس کو اس لئے بیان فرمایا تاکہ یہ لوگ بھی ویسی ہی بلا میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ ان قصص کے بیان سے مقصد صرف یہ ہے کہ ان کو سن کر شرک و معاصی سے نفرت ہو، خدا تعالیٰ کے عذاب سے خوف پیدا ہو، اور مخلصین کو عنایت و مددِ ایزدی پر بھروسہ ہوجائے۔

۴:...**علم التذکیر بما بعد الموت:** یعنی جو اَحوال انسان پر مرتے وقت اور مرنے کے بعد وارِد ہوتے ہیں، اُن کو سنا کر نصیحت فرمانا، اس لئے کہ اس کے سننے سے دِل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس سے دُنیا سے دِل سرد ہوجاتا ہے، اور خدا تعالیٰ کا خوف یا محبت پیدا ہوتی ہے۔

۵:...**علم الاحکام:** پھر اَحکامِ قرآنی دو قسم ہیں: نافع اور مضر۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو، دو قسمیں ہیں: ضروری اور غیرضروری۔

نافع میں سے وہ اَحکام جن کے ترک پر سزا ہے، ان کو ضروری قرار دیا، اور

جن کے ترک پر کوئی نکیر نہیں، ان کو غیرضروری قرار دیا، جیسے مستحبات۔ اسی طرح ''احکامِ ضار'' میں سے جو حرام ہیں، ان کا ترک ضروری قرار دیا اور دُوسرے درجے کے اُمور کا ترک غیرضروری قرار دیا، جیسے مکروہِ تنزیہی۔ نافع پر عمل کرنے کا حکم فرمایا، اور مضر سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ جیسے طبیبِ جسمانی، نافع ادویہ و اغذیہ (نفع بخش غذا اور دوا) کا حکم فرماتا ہے، اور مضار (نقصان دہ) سے روکتا ہے، ویسے ہی ''حکیم علیم'' نے طیب (پاکیزہ) کو حلال فرمایا ہے اور خبائث (گندگیوں) کو حرام، چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف:۱۵۷)۔

پھر یہ اَحکام یا تو محض اعتقادی ہوں گے (جن میں اعضاء کے فعل کی چنداں حاجت نہیں)، یا عملی، ایسے اعتقادی اَحکام ناقابلِ تنسیخ ہیں یعنی ان میں نسخ نہیں ہوسکتا، کیونکہ عقائد منسوخ نہیں ہوتے۔

۲:... اگر وہ اَحکام عملی ہوں کہ جن میں اعضاء کو دخل ہے، تو وہ دو حال سے خالی نہیں، اوّل: اَحکام عملی، یا تو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہوں گے یا بندوں کے ساتھ، وہ عملی اَحکام جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کی چند قسمیں ہیں:

ا:... اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور رُوح کے علاوہ اپنے تمام اعضاء سے اس کی شکرگزاری کرنا، جیسے: نماز، کہ اس میں خشوع بھی ہے (جو رُوح و قلب کا فعل ہے) اور افعالِ اعضاء بھی۔

۲:... پھر یہ اَحکام یا تو قوّتِ بہیمیہ اور شہوت کو مغلوب کرنے کے لئے ہوں گے، جیسے روزہ۔

۳:... یا یہ اَحکام بے کسوں کی مدد کرنے اور اپنے مال کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرنے سے متعلق ہوں گے، جیسے زکوٰۃ۔

۴:... یا یہ اَحکام عاشقانہ ہیئت بنا کے اللہ تعالیٰ پر تصدق (قربان) ہونا، دُعا

ومناجات کرنا اور مال و جان صَرف کرنے سے متعلق ہوں گے، جیسے حج۔

۵:... یا یہ اَحکام دِل کے موافق زبان سے اقرار کرنے سے متعلق ہوں گے، جیسے ادائے (کلمہ) شہادت۔

۶:... یا یہ اَحکام دُنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ، فواحش مٹانے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ہوں گے، جیسے جہاد۔

وہ عملی اَحکام جو بندوں کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ بھی چند قسم ہیں:

۱:... یا تو وہ اَحکام ایک شخص کے معاملات کی دُرستی سے متعلق ہوں گے، اس کو تہذیبِ اخلاق کہتے ہیں۔

۲:... یا وہ اَحکام ایک گھر کی معاشرت و انتظام کے متعلق ہوں گے، اس کو تدبیرِ منزل کہتے ہیں۔

۳:... یا وہ اَحکام شہر اور ملک کے متعلق ہوں گے، اس کو سیاستِ مدنیہ و سیاستِ ملکی کہتے ہیں۔

یہ سب اَحکام اعتقادی و عملی: جن میں طہارتِ ظاہری و باطنی، حدود و قصاص، میراث، طلاق، نکاح، بیع و شراء وغیرہ شامل ہیں، یہ سب قرآن مجید میں ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: ”کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ“ (الانعام:۶۰) حضرتِ حق تعالیٰ نے عام متون کے مطابق مصنّفین کی طرز کو اختیار نہیں فرمایا کہ ہر شے کی جامع و مانع تعریف بیان فرمادیں، بلکہ عادتِ عرب پر چھوڑا، مثلاً: فرمایا کہ: زانی کو درّے مارو اور چور کے ہاتھ کاٹو، بعد میں فقہاء رحمہم اللہ نے ”عرب العرباء“ کی عادت کے موافق استخراج فرماکر اس کی جامع و مانع تعریف فرمائی ہے۔

اجرائے اَحکام بلحاظِ فطرت:

اجرائے اَحکام میں حضرت تعالیٰ جل شانہ نے فطرت کا لحاظ فرمایا ہے، گویا جو فطرت کے موافق تھا، اس کو برقرار رکھا، یعنی جو چیز عرب میں جس صورت پر تھی، وہ اُسی صورت پر باقی رکھی گئی، اور جس چیز میں تغیر و تبدل، افراط و تفریط اور تغلیط ہوگئی تھی، اس کی اصلاح فرمائی یا مٹادی، جیسے بعض بیوع کو بعینہٖ باقی رکھا، بعض کی اصلاح فرمائی اور بعض کو مٹادیا (فانظروا فی القدوری وغیرہ)۔

اس اصلاح میں عرب کی اصلاح کو اَصل اور بنیاد قرار دیا، اور باقی کو فروع اور تابع بنایا، اسی لئے بعض اَحکامِ شریعت کا مادّہ رسوم و عاداتِ عرب پر مشتمل ہے، اگر عاداتِ عرب کو دیکھیں گے تو اکثر اَحکام کی علت اور مصلحت (جس پر مدار ہے) ضرور پائیں گے، لیکن ان علل پر اَحکام کی بنیاد رکھنا، جس کو قیاس کہتے ہیں، مجتہد کا منصب ہے۔

مضامینِ قرآن:

قرآن شریف کی کوئی آیت ان خوبیوں سے خالی نہیں:

۱:...صفاتِ الٰہی تعالیٰ اس طور بیان فرمائی گئی ہیں کہ بندے سمجھ سکیں، جیسے: رحیم، کریم، سمیع، مرید، متکلم وغیر ذالک۔

۲:...خدائے تعالیٰ نقص وعیب سے پاک ہیں۔

تنبیہ:... انسان کی جبلت و فطرت ہے کہ اگر کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دی جائے تو اگرچہ اس تشبیہ میں ادنیٰ مناسبت ہی ہو، مگر بوجہ قوّتِ وہمیہ کے وہ اس کو پورا مشبہ بہٖ سمجھ کر، مشبہ پر، مشبہ بہٖ کے اَحکام جاری کردیتا ہے، اسی وجہ سے بعض نے لفظ ”وَجْـــهُ اللهِ“ (البقرۃ:۱۱۵) سے اللہ تعالیٰ کا گوشت پوست والا منہ، اور ”عَــلٰـی

الْعَرْشِ اسْتَوٰی" (طٰہٰ:۵) سے اللہ تعالیٰ کو بعینہٖ بادشاہ تخت نشین کی مثل سمجھ لیا ہے، اسی لئے "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" (الشوریٰ:۱۱) اور "اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ" (النحل:۱۷) وغیرہ جیسی آیات اس وہم کو مٹانے کے لئے نازل ہوئی ہیں، تاکہ خدا تعالیٰ سبحانہ کو ممکنات کی صفات سے بالکل بَری سمجھا اور اعتقاد کیا جائے، وھو العلی الکبیر!

۳:...توحید کی طرف بلانا اور شرک کو مٹانا۔

۴:...انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ثناء وصفت اور یہ کہ وہ داعی الی الخیر ہیں۔

۵:...ملائکہ، فرماں بردار مخلوق ہیں۔

۶:...مؤمنین کی مدح اور ان کو غلبہ کا وعدہ۔

۷:...منکرین کی مذمت، حسرت، مغلوبیت اور دُنیوی و اُخروی سزا۔

۸:...دُنیا کی بے ثباتی کا بیان۔

۹:...عقبیٰ کا ثبوت اور اس کی مدح۔

۱۰:...حلت وحرمت کا بیان۔

۱۱:...تدبیرِ منزل، سیاستِ ملکی اور تہذیبِ اخلاق کا بیان۔

۱۲:...محبتِ الٰہی اور من یحبّہ کا بیان۔

۱۳:...اخلاقِ حمیدہ: اعلاء کلمۃ اللہ، خلوصِ نیت، صدق وغیرہ، کی تعریف، اخلاقِ رذیلہ جیسے: ریا، بخل، کذب اور نفاق کی مذمت۔

۱۴:...قیامت، جنت، دوزخ، سزا اور جزا کا ذکر۔

۱۵:...آثارِ قدرت سماوی و اَرضی میں تفکر کی ترغیب۔

۱۶:...گزشتہ سچے واقعات کا ذکر اور ان سے حصولِ عبرت کی رغبت وغیر ذالک۔

آغازِ سوَر:

ان خوبیوں کے باوجود ہر سورت کے عنوان کو شاہی فرمان کی مثل علیحدہ علیحدہ اُسلوب سے شروع کیا گیا ہے، بعض کو حمد سے اور بعض کو تسبیح سے، جیسے: "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ"، "یُسَبِّحُ لِلّٰہِ" یا "سَبَّحَ لِلّٰہِ" وغیرہ سے، اور بعض ایسے مجمل الفاظ سے جس کی تفصیل تمام سورت ہے، جیسے: "الٓمّٓ"، "الٓمّٓرٰ" اور "حٰمٓ عٓسٓقٓ" وغیرہ۔

بعض سورتوں کو بغیر عنوان، بعض کو مطول، بعض کو مختصر، اور بعض کے شروع میں بطورِ فصحاء، بلغاء کے دُوسرے مضامین کو بغرض تمہید بیان فرما کر پھر مقصد بیان فرمایا گیا ہے، جیسے: "وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا"، "اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ"۔

بعض قصوں کے اوّل و آخر میں ایک سا لفظ لایا گیا ہے، جیسے: "یٰـبَنِیۡٓ اِسۡرَآءِیۡـلَ" کہ سورۂ بقرہ میں اوّل قصے میں فرمایا گیا ہے، پھر بعینہٖ انہی الفاظ پر آخر پارہ میں ختم کردیا گیا ہے۔ الغرض قرآن مجید نے سچائی کے باوجود ہر مضمون کو شاعرانہ مبالغے کے بغیر ایسا بیان فرمایا ہے کہ باوجود معارضہ و مجادلہ کے نہ کسی نے نزولِ قرآن کے وقت اس میں نقص ثابت کیا ہے (اگر چہ مخالفین عربیت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے)، نہ اب کر سکتے ہیں اور نہ آئندہ کر سکیں گے: "وَلَـهُ الۡـمَثَلُ الۡاَعۡلٰی" ہاں! بعض ناواقف منہ کھول کر کہہ بھی دیتے ہیں، اگر چہ بات نہ بنے:

چوں نیست در مشام عماد ہیچ امتیاز
سرگیں میش و عنبر سارا برابر است

اندازِ خطاب:

قرآن مجید کی تعلیم مشفقانہ ہے، جیسے باپ اپنے بیٹے کو مختلف اُسلوب و انداز، بار بار کہنے، اِشکالات دُور کرنے اور تبدیلیٔ مضامین سے جہاں تک ہو سکے

سمجھاتا ہے اور فہمِ مضامین کی راہ میں حائل رُکاوٹوں کو دُور کرتا ہے، اسی طرح رحمٰن و رحیم نے اپنے بندوں کو سمجھایا ہے، اور تغیرِ عنوانات سے ایسا لطف دیا ہے کہ ہر لفظ اور ہر، ہر مضمون دِلکش و دِل پذیر ہے کہ: ہر کرشمہ دِل میکشد کہ جا اینجا است، **هو المسک ما کررته یتضوع۔**

تفسیر:

تفسیر (یعنی تفسیر کا مجرد) ''فسر'' سے مشتق ہے، یعنی مرادِ متکلم کو کھولنا، پھر تفسیر کی دو اہم قسمیں ہیں: ۱:...نقلی۔ ۲:...عقلی۔

۱:...تفسیرِ نقلی: وہ ہے جس میں آثارِ سلف (یعنی قرنِ اوّل) اور قدماء کے اقوال ہوں، جس کی شاخیں: معرفتِ ناسخ و منسوخ، اسبابِ نزول، مقاصدِ آیات اور شرحِ مجمل ہیں۔ قرآن میں اس طرزِ تفسیر کے اِمام حضرت ابنِ جریر طبریؒ ہیں (جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی)، اس کے علاوہ دُوسرے بھی ہیں، بعد میں اِمام سیوطیؒ و ابنِ شیبہؒ وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیر میں وہ روایات بھی نقل کردی ہیں جو ان اہلِ کتاب سے منقول ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض صحیح اور بعض غلط ہیں۔

پھر ان میں سے بعض روایات کو کسی نے حضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کردیا، اور کسی نے حضرت ابنِ عباسؓ، کعب بن احبارؒ یا وہب بن منبہؒ کی طرف منسوب کردیا، جیسے قصہ ''تلک الغرانیق العلیٰ''، قصۂ عشق حضرت داؤد علیہ السلام، زمین کا سات طبق ہونا، زمین کا بیل کے سینگ پر ہونا، اور زہرہ کا قصہ وغیرہ۔

بعض محدثین نے ان روایات کو اپنی کتب میں خوش اعتقادی سے نقل فرمایا ہے، جس پر مخالف معترض ہوئے، پھر محققین جیسے: ابنِ جوزیؒ اور قرطبیؒ وغیرہما نے ان تمام لغو و بے اصل قصص کو اپنی اپنی تفسیر سے خارج کردیا اور فیصلہ کیا کہ وہ

شانِ نزول یا ''توجیہ مشکل'' جو ترمذی، بخاری یا سندِ صحیح سے ثابت ہو، مقبول ہے، وگرنہ نہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے علی بن طلحہؒ کی سند بہت صحیح ہے، اس واسطے اِمام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی سند کے اقوال کو جگہ جگہ اختیار کیا ہے۔

بعض علماء کو یہ شبہ ہوا ہے کہ بخاری کی کتاب التفسیر میں علی بن طلحہؒ کا نام کسی سند میں نہیں پایا جاتا، مگر حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرمایا ہے کہ: بخاریؒ نے جو: "قال ابن عباس" بغیر سند کے نقل کیا ہے، اصل میں یہ قول علی بن طلحہؒ کی سند سے ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ طلحہؒ اور ابنِ عباسؓ میں دو ثقہ اشخاص مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کا واسطہ ہے، اسی واسطے یہ سند منقطع بھی نہیں، لہٰذا اس سند کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں، اِمام احمدؒ نے بھی اس سند کی تعریف کی ہے، اسی طرح عطاء بن السائبؒ، سعید بن جبیرؒ کے واسطے سے جن اقوال کی روایت کرتے ہیں، وہ سند بھی صحیح ہے، اسی طرح تفسیر کے باب میں مرہ بن شرحبیل کوفی کی روایت سے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالعالیہ کی روایت سے اُبیّ بن کعبؓ کے جو اقوال ہیں، ان کی سند بھی صحیح ہے۔ (کذا فی مقدمۃ احسن التفاسیر)

۲:... تفسیرِ عقلی: وہ ہے جس میں حلِ لغات، بیانِ ترکیباتِ نحوی، بیانِ محاورات اور دفعِ اِشکالات وغیرہ ہو۔

تنبیہ:... الفوز الکبیر مصنفہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ قرآن مجید بہ لغتِ عرب اوّل نازل ہوا ہے، اگر کسی جگہ اِعراب میں بجائے ''واؤ'' کے ''یا'' آجائے، تثنیہ کی جگہ مفرد، یا مذکر کی جگہ مؤنث ہو تو کوئی تعجب نہیں، جیسے ارشادِ الٰہی: "اَلْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ" میں "مقیمین" کے معنی کو مرفوع، مثلاً:

"الْمُؤْتُوْنَ" کی مانند کہنا ہوگا، انتہیٰ ملخصاً۔

مگر آج کے نحویوں (سیبویہؒ وغیرہ) کے قواعد کو اتنا صحیح سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ عام طور پر لوگ آیت کو کھینچ کھانچ کر ان کے قواعد کے مطابق کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اہلِ زبان کا محاورہ ہی صحیح ہے، نہ کہ ہمارا قاعدہ کلیہ۔

اس کے علاوہ قواعد کی صحت کا مدار قرآن پر ہے، فصاحتِ کلامِ مجید قواعد کی تطبیق پر منحصر نہیں۔

اسی طرح بعض متصوفین نے توجیہاتِ باطلہ کے ذریعہ قرآن مجید کی صریح تحریف کی ہے، جس سے اصل مدعا متروک ہوجاتا ہے، اور جہال کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھتے بھی یہی لوگ ہیں۔

الغرض علمِ تفسیر وہ علم ہے جس میں احوالِ قرآن مجید سے طاقتِ بشریہ کی بقدر، محض اس قدر بحث کی جائے کہ ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی مراد یہ ہے۔

تأویل:

تأویل، اَوَّلَ سے مأخوذ ہے، جس کا معنی ہے: "بیان کردن آنچہ سخن بوے باز گردد"۔ صراح، معالم التنزیل میں ہے:

"صرف الآية الى معنى محتمل موافق لما قبلها وبعدها غير مخالف الكتاب والسنة من طريق الاستنباط فقد رخص فيه لأهل العلم."

یعنی ایسے معنیٰ محتمل کی طرف آیت کو لے جانا، جو ماقبل و مابعد کے موافق ہو اور کتاب وسنت کے مخالف بھی نہ ہو، اور یہ صرف اہلِ علم کے لئے جائز ہے۔

سیّد سند رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کشاف میں اس کو جائز فرمایا ہے۔ اسی طرح

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں، اور مُلّا علی قاریؒ نے شرحِ مشکوٰۃ میں بھی اُسے جائز فرمایا ہے۔

ہاں! تمام علماء و محققین نے "تفسیر القرآن بالرأی الفاسد علیٰ جھۃ الھویٰ" کو ناجائز و حرام فرمایا ہے، "وان أصاب فیہ"، یعنی قرآن مجید کو اپنی غرضِ فاسدہ کی طرف لے جانا تفسیر بالرائی ہے، جو حرام ہے، اگرچہ وہ رائے میں صحیح بھی کیوں نہ ہو!

شانِ نزول:

صحابہؓ، تابعینؒ سب کے نزدیک نزول کا معنی تام ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ: صحابہ کرامؓ نزول کا اطلاق اس واقعہ پر بھی کیا کرتے، جس کے وقوع پر آیت نازل ہوئی ہوتی، اور اس واقعہ پر بھی، جو اس جیسا کوئی دُوسرا واقعہ ہوگیا ہوتا، خواہ وہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں واقع ہوتا یا بعد میں، ایسے موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں، بلکہ اصل حکم کا منطبق ہونا ضروری ہے۔

کبھی ایک ہی واقعہ دو بار ہوگیا، تو اس میں یوں فرمادیتے کہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے، یعنی اس آیت کا حکم دو بار جاری ہو چکا ہے۔

کبھی مشرکین و اہلِ کتاب کے عقائد و عادات کی وضاحت فرما کر فرماتے کہ اس بارے میں آیت نازل ہوئی، اس سے اُن کی غرض یہ ہوتی کہ اسی اعتقاد یا عادت پر تو نازل ہوئی ہے، خواہ یہی قصہ ہو یا اس کے مشابہ ہو۔

کبھی محدثین اس آیت کو جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے استشہاداً پڑھا تھا، شانِ نزول کہہ دیتے ہیں، جبکہ حقیقت میں یہ سب شانِ نزول نہیں ہیں۔

نزولِ قرآن کا سبب:

نزولِ قرآن کا سبب دراصل نفوسِ بشریہ کی اصلاح کرنا ہے، پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیتِ مخاصمہ کا سببِ نزول ہے، اور اعمالِ فاسدہ کا پایا جانا آیتِ اَحکام کا سببِ نزول ہے، اور لوگوں کا نڈر ہوجانا آیتِ غضب کا سببِ نزول ہے، اور لوگوں کا خوفزدہ ہونا آیاتِ رحمت کا سببِ نزول ہے، یہی باعث ہے کہ شانِ نزول کے بیان کرنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال مختلف ہیں، اس بحث کی زیادہ تحقیق مقدمہ اتقان، الفوز الکبیر اور مقدمہ تفسیرِ حقانی میں ہے، اگر ضرورت ہوتو دیکھ لیں۔

ربطِ آیات:

اس میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کی آیات دُرَرِ منثورہ ہیں یا منظومہ؟ جو علمائے کرام انہیں دُرَرِ منثورہ یعنی بکھرے ہوئے موتی کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید کی آیاتِ بینات حسبِ حاجات نجماً نجماً مثلِ فرمانِ شاہی کے وقتاً فوقتاً نازل ہوئی ہیں، اس میں ربط دینا لاحاصل ہے، ہاں! ایک قصے کی آیات کو ربط دینا ضروری ہے۔ اور جو علمائے کرام انہیں دُرَرِ منظومہ فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: ہر قائل کا کلام باربط ہوتا ہے، حضرتِ تعالیٰ کا کلام بے ربط کیسے ہوگا؟ وہ ربط دینے میں تکلف کرتے ہیں۔

ترتیبِ سوَر:

محققین کے نزدیک ترتیبِ سوَر توقیفی ہے، یعنی جیسے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم (رُوحی وجسمی فداہٗ) ایک سورت کو دُوسری سورت کے ساتھ رکھنا تلقین فرماگئے ہیں، ایسے ہی اب بھی ہے، سورتِ براءۃ کے شروع میں تسمیہ کا حکم نہ فرمایا تھا،

اس لئے نہیں لکھی گئی، جو آیتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں۔

بیانِ محاورات:

محاورات کا علم ضروری ہے، جو محاورہ نہیں جانتا، وہ مطلب فہمی میں دِقت اُٹھاتا ہے، چنانچہ: "هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا" (ہود:۵۶) کا معنی محاورے کے لحاظ سے یہ ہے کہ اُس کے قبضے میں ہے، "قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ" (عبس:۱۷) کا بطور محاورہ معنی یہ ہے کہ مارا جائے آدمی کیا ہی ناشکرا ہے۔ "تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ" کا معنی یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ٹوٹیں، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کو خدا غارت کرے، یہ بھی محاورہ ہے کہ خطاب کے صیغے لائے جائیں مگر کوئی خاص شخص مقصود نہ ہو، بلکہ عموم مراد ہو، جیسے کہا جاتا ہے: ''تم مسلمانوں کا یہ حال ہے''۔

اسی طرح کسی غیرمحسوس چیز کو صورتِ محسوس میں لانا، جیسے: "اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ" (بنی اسرائیل:۶۴) اور ارشادِ الٰہی: "وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا" (یٰسٓ:۹)، وقولہ تعالیٰ: "بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ" (الاحزاب:۱۰) شدّتِ خوف کا محاورہ ہے، جیسے کہتے ہیں: ''ناک میں دَم آگیا'' وغیر ذالک۔

کبھی علیٰ محاورات الخصم بھی کلام فرماتے ہیں، جیسا کہ مشرکین غلط معبودوں کو ''اِلٰہ'' کہہ دیتے تھے، اسی بناء پر: "لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" (الانبیاء:۲۱) میں جھوٹے معبودوں پر لفظِ ''اِلٰہ'' کا اطلاق کیا گیا ہے۔

کبھی تمسخر کی غرض سے مشعرِ تعظیم لفظ فرما دیتے ہیں جیسے: "ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ" (الدخان:۴۹) جیسے کسی کو طنز کے انداز میں کہہ دیں: ''آپ تو مرشد ہیں!''۔

الایمان فی القرآن:

قرآن شریف میں جو قسمیں آتی ہیں، جیسے: "وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰـهَا" وغیرہ، وہ دعویٰ کے لئے بمنزلہ گواہوں کے ہیں، یعنی ایک مدعا کے ثابت کرنے کے لئے بمنزلہ دلیل کے ہیں، حقیقت میں یہاں قسم کھانا مقصود نہیں، بلکہ شاہد لانا مطلوب ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ بوقتِ تفسیر اس کی وضاحت ہوجائے گی۔

مسئلہ:... کسی کو بڑا سمجھ کر از رُوئے تعظیم اس کی قسم کھانا، اس خوف سے کہ اگر میں نے قسم کو پورا نہ کیا تو وہ بڑی ہستی ہے، مجھے ضرر پہنچائے گی، غیر اللہ کی ایسی قسم اُٹھانا شرک ہے، معاذ اللہ!

اس کے سوا دُعا، بددُعا یا شاہد مدعا بنا کر غیر اللہ کی قسم لینا جائز ہے، دُعا، مثلاً: "لَعَمْرُکَ! لَاَفْعَلَنَّ کَذَا"، بددُعا، جیسے حسان بن ثابتؓ نے قسم اُٹھائی تھی:

ثکلت بنیتی ان لم تروها

تثیر النقع من طرفی کداء

ترجمہ:... "بیٹیوں کا غم دیکھوں اگر تم گھوڑوں کو

اطرافِ کداء (پہاڑی) میں غبار اُڑاتے نہ دیکھو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطرافِ کداء میں گھوڑے دوڑا کر حضرت حسانؓ کی قسم کو پورا کیا۔

قرآنِ کریم میں وارد شدہ قسمیں بطورِ شواہدِ مدعا ہیں، جیسا کہ ان فارسی محاورات میں ہے: قسم بہ لبِ میگوں تو، وزلف شبگون تو کہ تو محبوبِ دِلربائی۔

(بلغۃ الحیران فی ربطِ آیات القرآن صفحہ:۳)

اِنّما کا معنی حصر کا ہے، یعنی "اِنَّمَا" "ما اِلَّا" کے معنی میں ہے، اور اس کا

معنیٰ: ''پختہ بات'' کا بھی آتا ہے۔ (رضی کافیہ)

فائدہ:... ''الا'' بمعنیٰ ''لٰـکن'' یعنی استثناء منقطع آیا کرتا ہے، اور ما بعد ''الا'' کا ''لٰکن'' کا اسم ہوتا ہے، اور خبر کبھی محذوف ہوتی ہے اور کبھی مذکور۔

(رضی کافیہ کلہ من بلغۃ الحیران)

جباریت:

جباریت یعنی جب انسان گناہ اور کفر سے بار بار روکنے سے بھی باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے بطور سزا اس بندے سے ہدایت اور ایمان کی طاقت سلب کرلیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ'' (البقرۃ:۷) یہ جبر اور ظلم نہیں، بلکہ جباریت ہے، یعنی پہلے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا، پھر پیغمبر اور کتاب بھیج کر ہدایت کا راستہ دِکھاتا ہے، جب وہ آدمی عناد اور کفر کے سبب سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ (چونکہ سب کچھ کا مالک ہے) اپنے غضب سے اس سے ایمان کی توفیق، ہمت اور طاقت چھین لیتا ہے، یعنی اس کو ایمان کی طرف آنے ہی نہیں دیتا، اور وہ: ''خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ'' کے درجے میں آجاتا ہے، اس کو جبر نہیں کہا جاتا، جیسا کہ کہا گیا ہے:

این نہ جبر و معنی جباریست
معنے جباریت را زاری است

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ کفر سے باز نہ آنے والوں سے ایمان کی طاقت سلب کرلے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَمَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ، الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَہْدَ اللّٰہِ..... الخ'' (البقرۃ:۲۶، ۲۷)۔

اس کے مقابلے میں ''ربط القلوب'' ہے، جب انسان ہدایت کے راستے کو

قبول کرتا ہے، اسلام پر مستقیم رہتا ہے، اور اللہ و رسولؐ کی تابعداری اس کے دِل میں گھر کر جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دِل کو ایمان پر محکم و مضبوط کر دیتا ہے، پھر وہ گمراہ ہونے سے محفوظ ہوجاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" (الکہف:۱۴)۔

جباریت کے معنی پر یہ اِشکال لازم نہیں آتا کہ پھر ایسوں کو اَحکام سنانا عبث ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فعلِ عبث کیوں سپرد ہوا؟

کیونکہ عبث اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، یہاں اگر لوگوں کو فائدہ نہ ہوگا، تو نہ ہو، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فائدہ ہوگا کہ ادائے پیغام کا ثواب ملے گا، پھر عبث کیسے ہوا؟ (بیان القرآن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ص:۴)

حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس مقام میں "ختم اللہ" کی اور طرح تقریر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> "کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت یوں خبر دے دی، اور خدا تعالیٰ کی خبر کے خلاف واقع ہونا محال ہے، تو اَب ایمان نہ لانے میں ان کو معذور سمجھنا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ یہ فرمانا تو ایسا ہے جیسے طبیبِ حاذق کسی مریض مبتلائے دِق کی نسبت کہے کہ اس کی دِق درجہ چہارم میں پہنچ گئی ہے، یہ اب اچھا نہ ہوگا، سو ظاہر ہے کہ وہ مریض اس طبیب کے کہنے سے مدقوق (دق زدہ) نہیں ہوگیا، مدقوق (دق زدہ) تو وہ اپنی کسی بے احتیاطی کے سبب پہلے سے ہے، بلکہ طبیب کا یہ کہنا خود اس کے مدقوق (دق زدہ) ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح

یہاں سمجھنا چاہئے کہ اس کافر کا ناقابلِ ایمان ہونا اللہ تعالیٰ کی اس خبر دینے سے نہیں ہوا، بلکہ ناقابل ہونے کی صفت خود اس کی شرارت، عناد اور مخالفتِ حق کے سبب پیدا ہوئی ہے، جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جب آدمی کسی کی مخالفت پر آمادہ و کمربستہ ہوجاتا ہے اور ہر وقت اسی کوشش میں رہتا ہے، تو موافقت و مصالحت کی استعداد و صلاحیت گھٹتی جاتی ہے، حتیٰ کہ بالکل نیست و نابود ہوجاتی ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے ہر ایک میں پیدائش کے ساتھ استعداد قبولِ حق کی رکھی ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، مگر یہ شخص ہوائے نفسانی وخودغرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے، حتیٰ کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہوجاتی ہے، اس وقت کی حالت پر طبیبِ رُوحانی یوں کہہ سکتا ہے کہ اب یہ حق کو قبول نہ کرے گا، کیونکہ اس کی استعداد دُرست نہیں رہی۔ اب اس میں اِشکالِ عقلی نہ رہا۔''

کیونکہ اس نے باختیارِ خود اپنی استعداد برباد کرلی ہے، اس استعداد کی تباہی کا سبب و فاعل وہ خود ہی ہے، مگر چونکہ بندوں کے جمیع افعال کے خالق اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہیں، اس لئے اس آیت میں اپنے خالق ہونے کا بیان فرمادیا کہ جب وہ خود اس تباہی کا سبب ہوا اور بہ قصدِ خود اس نے اس کو اختیار کرنا چاہا، تو ہم نے بھی وہ بداستعدادی کی کیفیت اس کے قلب وغیرہ میں پیدا کردی۔ بند لگانے سے اس بداستعدادی کا پیدا کرنا مراد ہے، سو یہاں بھی ان کا یہ فعل اس ختم (بند لگانے) کا سبب ہوا، اور ختم (بند لگانا) اس فعل کا سبب نہیں ہوا، پس ان کی معذوری کی کوئی وجہ نہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت قوموں کے حالت:

مشرکین کے مذاہب:

عرب میں مختلف مذاہب کے لوگ تھے، مثلاً: مشرکین، یہود، نصاریٰ اور مجوس وغیرہ، مشرکین اگرچہ ملتِ ابراہیمیہ و اسماعیلیہ کے مدعی تھے، کیونکہ ان میں سے اکثر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، مگر صدیوں سے انبیاء نہ ہونے کی وجہ سے حنیفیت کے شاہی محل کے محض کہیں کہیں نام ونشان باقی تھے، پس ان میں اوّل مرض جو پھیلا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ و تقدس کو دُنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا کہ جس طرح ان کے دربار میں حاجت براری کے لئے عرض معروض، وزیروں، مشیروں وغیرہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، اسی طرح خدا تعالیٰ نے بعض بندوں کو اپنی خدائی سے حصہ عطا فرمایا ہے، ان کے تقرّب کے سوا نہ کسی کی عبادت قبول فرماتا ہے، نہ حاجت روائی کرتا ہے، بلکہ بعض کا خیال یہ تھا کہ خدا تعالیٰ ان میں حلول کر آتا ہے اور ان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ہنود اپنے اوتاروں کی نسبت، اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہیں: تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا! (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند اور پاک ہیں)۔

الحاصل! کسی کو رزق رسانی، کسی کو دفعِ بیماری، کسی کو مصیبت اور کسی کو دُوسرے کاموں کا حاجت روا و مشکل کشا سمجھا اور ان کے تقرّب کے لئے عبادات، قربانی اور نذر و نیاز دینے کو اعلیٰ وسیلہ سمجھا، اور یوں سمجھا کہ ان کے تقرّب سے تقرّبِ الٰہی ہوتا ہے، اور ان سے رُوگردانی کرنا جان و مال کے نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لئے ان کی پرستش ضروری ہے، اور جن لوگوں پر ان کا یہ گمان تھا، وہ انبیاء علیہم السلام، اولیاء رحمہم اللہ اور ملائکۂ عظام علیہم السلام تھے۔ (کذا فی مقدمہ تفسیر حقانی)

ان مشرکین میں سے بعض، عناصر: آگ، پانی وغیرہ، بعض آفتاب، ماہتاب اور دیگر عجائبِ مخلوقات، اور بعض جنوں اور اَرواحِ خبیثہ کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی ہنود و مجوس اور ان کی ذُرّیت موجود ہے، جو اُن کی طرف خیال جمانے کے لئے ان کی پیتل اور پتھر کی تصویریں بنا کر اور اپنے آگے رکھ کر عبادت کرنے لگے، لیکن وہ انہیں جہتِ قبلہ خیال کرتے تھے، بعد میں متأخرین نے خود ان کو ہی معبود سمجھ لیا۔ ہر، ہر قبیلے کا ہر، ہر کام کے لئے علیحدہ بت تھا، جس کا رَدّ قرآن میں جابجا موجود ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ..... الخ'' (یونس:۱۸)۔

بعض جزا سزا تو دُور کی بات، خود خالق کے بھی منکر تھے چنانچہ: ''وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ'' (الجاثیہ:۲۴) میں ان کے اسی حال کا بیان ہے، اور بعض خالق کے مقر اور بعث ونشر کے منکر تھے، جن کا جواب اس آیت میں ہے: ''اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ'' (سورۂ ق:۱۵)۔

اور بعض دوبارہ زندہ ہونے کے بھی مقرّ ومعترف تھے، مگر رسولوں کے منکر اور دفعِ عذاب کے لئے بتوں یا ملائکہ کی شفاعت کے قائل تھے، جن کے جواب میں فرمایا: ''مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ'' (یونس:۳) ''وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى'' (الانبیاء:۲۸)، اسی اعتقاد کے تحت بت کے نام پر قربانی وغیرہ کیا کرتے تھے، اور آمدنی میں سے ان کا حصہ مقرّر کر رکھا تھا، اور بعض نے حلال چیزیں ان کے تقرّب کے لئے حرام کر رکھی تھیں، ان کا رَدّ سورۂ انعام کی آیت:۱۴۰ ''قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ ..... الخ'' سے بیان فرمایا گیا ہے۔

عموماً ان کے دو شبہات تھے، ایک: حشرِ اَجساد کا مشکل ہونا، جیسا کہ وہ کہتے تھے: ''ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ..... الخ'' (بنی اسرائیل:۴۹)۔

دوم:...رسولوں کا انسانی شکل میں آنا اور حوائجِ بشریہ میں ان کا دُوسرے نوعِ انسان کا شریک ہونا، چنانچہ وہ کہتے: "مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ...... الخ." (الفرقان:۷)۔

جو فرشتوں کے قائل تھے، وہ کہتے: فرشتہ رسول کیوں نہیں ہوا؟ جس کا رَدّ جابجا قرآن میں موجود ہے، اور بعض فرشتوں کو "بناتُ اللہ" (اللہ کی بیٹیاں) اور بعض جنوں کو خدا تعالیٰ کا ہم نسب مانتے تھے، جس کا رَدّ سورۂ والصافات کے اخیر میں ہے۔

بعض کاہنوں کو غیب دان مانتے تھے، جس کے رَدّ میں یہ فرمایا کہ: غیب دان میرے (اللہ کے) سوا کوئی نہیں، وغیر ذالک۔

ان سب کا رَدّ قرآن مجید میں مصرّح ہے، اور یہ رَدّ منطقی دلیل کے طریق پر نہیں ہے کہ اس میں صغریٰ و کبریٰ ہوں، بلکہ اکثر مقدماتِ مشہورہ مُسلّمہ سے رَدّ کیا گیا ہے، اور اس کو مکرّر فرماکر دِل نشین کردیا ہے، اور اس کی ایسی تعلیم فرمائی کہ اس کے سمجھنے میں ذکی، غبی سب کو فائدہ ہو۔

یہود:

یہودیوں میں سے بعض تشبیہ کے قائل تھے کہ حق جل شانہ کے لئے جسم اور مکان ثابت کرتے تھے، اور حضرتِ تعالیٰ کی قدرت و قوّت کو متناہی مانتے تھے، کہتے تھے کہ: حضرتِ تعالیٰ زمین و آسمان پیدا کرکے تھک گیا ہے، ہفتہ کے روز آرام فرمایا ہے، اس کے رَدّ میں: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ" (الشوریٰ:۱۱)، "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ" (ق:۳۸) وغیرہ آیات وارِد ہوئی ہیں۔

دوم:... یہ کہ توراۃ میں موجود محبت کے الفاظ جیسے: "بیٹا"، دیکھ کر بوجہ کج فہمی کے یہود کہنے لگے کہ ہم خدا کے محبوب اور بیٹے ہیں: "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ"

(المائدہ:۱۸) اور کہنے لگے: ”لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ“ (البقرہ:۹۰) کہ اگر ہم کو عذاب ہوا تو بس چند دن ہوگا۔ اِس کا رَدّ سورۂ اخلاص وغیرہ بہت سی آیات میں ہے۔

سوم:... شہوت پرستی اور بدمستی کی وجہ سے انبیاء پر بدظنی کرتے تھے، تو اس کے رَدّ میں آیت: ”لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ“ (صٓ:۴۷) وارِد ہوئی ہے۔

چہارم:... انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے برخلاف منہیات میں ایسے مستغرق تھے کہ کتابِ الٰہی کی تعلیم و تدریس کے بجائے جادو، منتر میں ہمہ تن مشغول تھے، جس کا بیان پارۂ اوّل میں مذکور ہے۔

پنجم:... حضرت مسیح علیہ السلام و حضرت مریم علیہا السلام پر بدگمانی کرتے، ان کے مقتدیوں کے ساتھ دِلی عداوت رکھتے اور کہتے کہ: اگر موسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔

لہٰذا وہ سب بشارات کو مؤوّل کرتے تھے، اس اشتباہ کے رَدّ میں فرمایا: ”وَلٰـکِنْ شُبِّـهَ لَهُمْ“ (النساء:۱۵۷)۔ نیز یہود، حضور نبیِ آخر الزمان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام دائماً کے منتظر تھے، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، تو یہود انکاری ہوگئے، اس کا رَدّ فرمایا: ”فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ“ (البقرہ:۸۹)۔

ششم:... حضرت اکرم الخلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہود کی وجۂ عداوت یہ تھی کہ یہود کا خیال تھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب فرمائیں گے، ہماری پاسداری اور عیسائیوں کی خلاف ورزی کریں گے، مگر حضور لامع النور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور اِنجیل کو کتاب اللہ فرمایا، اور ان کی خرابیوں کی اصلاح فرمانے لگے تو یہود کی اُمید بر نہ آئی، اور وہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت میں کلام کرنے لگے، جب قطعی دلائل سے

ملزم (الزام زدہ) ہونے لگے تو کہا کہ: رسول اُمی، عرب کا ہے، ہمارا نہیں، کیونکہ دینِ موسوی ابدی ہے، منسوخ نہیں ہوگا، اور یہ کہ نبوّت کا استحقاق بنی اسرائیل کا ہے، بنی اسماعیل کا نہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے سے شریعتِ موسوی کے بعض اَحکام کے اَبدی ہونے میں فرق نہیں آتا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا وہ حصہ جو اَبدی ہونے کے لائق ہے، ایک ہے، البتہ جزئیات مختلف ہیں۔

دوم: یہ کہ اَبدی سے طویل زمانہ مراد ہے، پھر جب بعض منصف مزاج یہود مسلمان ہوگئے، تو یہود کی عداوت بڑھتی چلی گئی اور آخر کار سب یہودی ذلیل ہوئے۔

نصاریٰ:

بعض عیسائی، حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے تھے، اور کہتے تھے کہ: آپ انسانی جامہ پہن کر حسبِ دستور حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے دُنیا میں ظاہر ہوئے، اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے اُوپر لینے کے لئے پھانسی چڑھے، تین دن دوزخ میں رہے، اور پھر زندہ ہوکر اور حواریوں کی بے وفائی پر خفا ہوکر آسمان پر چڑھ گئے، اور دوبارہ آنے کا وعدہ فرمایا۔ پادری فنڈر اپنی کتاب "مفتاح الاسرار" میں اس کو بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں، قرآن شریف میں اس کا رَدّ مصرّح ہے۔

بعض عیسائی کہتے تھے: "اِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ" (المائدہ:۷۳) اس کا رَدّ بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔

بعض کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ، بشر کے گناہ معاف کرنے پر قادر نہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء گناہگار چلے آئے ہیں، یہ بات پولوس

کے خطوط اور دیگر کتابوں میں اب تک پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ان میں رَہبانیت رواج پا گئی، یعنی شادی نہ کرنا، اور قلندرانہ طرز پر زندگی بسر کرنا، مگر اس کو وہ نبھا نہ سکے اور غلط کاریوں میں مشغول ہوگئے، اس کا رَدّ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

منافق:

یہ لوگ لذّتِ دُنیاوی کے حاصل کرنے کے لئے یا اپنے بچاؤ کے لئے بظاہر مسلمان ہوگئے، اور درحقیقت کافر تھے، یہ اسلام کے فروغ میں بہت رخنہ اندازی کرتے رہے، آخرکار خراب ہوئے، اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوۃ والسلام علی رسولہ خیر خلقہ محمد واٰلہ
واصحابہ واتباعہ اجمعین
سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت
استغفرک واتوب الیک

اس مختصر رسالے کا نام ''القول الوجیز فی اُصول کلام العزیز'' رکھا جاتا ہے، خدا تعالیٰ اس کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، وسعتِ رحمت سے اس کو قبول فرمائے، طالبین کو اس سے نفعِ عظیم عطا فرمائے، اور احقر پُرتقصیر کے لئے ذخیرہ بنائے، امین یا رب العالمین، رب الأنبیاء والمرسلین، رب العرش العظیم!

عرض: اگر اس میں کوئی لفظی یا معنوی غلطی پائیں تو اس کی اصلاح فرمادیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

''نزولِ قرآن کا سبب دراصل نفوسِ بشریہ کی اصلاح کرنا ہے، پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیتِ مخاصمہ کا سببِ نزول ہے، اعمالِ فاسدہ کا پایا جانا آیتِ احکام کا سببِ نزول ہے، لوگوں کا نڈر ہو جانا آیتِ غضب کا سببِ نزول ہے اور لوگوں کا خوفزدہ ہونا آیتِ رحمت کا سببِ نزول ہے۔''

الکلمات الرّاجحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحۃ

یعنی

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہٗ لِلنَّاسِ کَافَّۃً وَّجَعَلَہٗ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

جملہ علوم چار خدائی کتابوں میں درج ہیں، مگر قرآنِ پاک ان سب علوم پر حاوی ہے، اور قرآنِ پاک کے جملہ علوم بطورِ تلخیص سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں، اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ شریف میں ہے، اور بسم اللہ کی ''ب'' علومِ تسمیہ (بسم اللہ) کا خلاصہ ہے۔

تفصیل اس اِجمال کی یوں ہے کہ جملہ علوم کا مقصدِ حقیقی صرف یہ ہے کہ بندہ جنابِ خداوندی تک رسائی حاصل کرے، اور چونکہ بندہ انتہائی کثافت میں مبتلا ہے، اور جنابِ خداوندی میں انتہائی تنزّہ و پاکیزگی ہے، اس واسطے یہ رسائی سوائے ذکر اللہ کے کسی اور طرح ممکن نہیں، ذکر اللہ سے دِلچسپی ہو اور قول وفعل میں ہر طرح سے اس کی یاد میں استغراق بھی اس درجہ کا ہو کہ رسائی میں یکتائی پیدا ہو جائے۔

اور عربی گرائمر میں ''با'' اِلصاق (چسپیدگی) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتی ہے، اس بنا پر ''با'' سارے علومِ قرآنی کا خلاصہ ٹھہری، حاصل یہ ہوا کہ میری تمام رسائی اللہ تعالیٰ کے نام اللہ، رحمٰن، رحیم کی چسپیدگی وتعلق میں ہے، یا ''با''

اِستعانت کی ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ میری تمام اُمور میں استمداد اللہ، رحمٰن، رحیم سے ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ:

اَزل سے لے کر اَبد تک، سب حمد و ثنا کا سزاوار وہی ہے، ثناخواں موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مرید، پیر کی تعریف کرے، شاگرد، اُستاذ کی مدح کرے، رعیت، منصف بادشاہ کی تکریم کرے، بچے اپنے والدین کو سراہیں، وغیرہ وغیرہ، یہ سب محامد اور تعریفیں درحقیقت خداوند تعالیٰ ہی کی حمد ہیں، کیونکہ ان سب کو ساری نعمت خداوند تعالیٰ سے ملی ہے، اور دوسرے سب خدمت گاروں اور ملازموں کی طرح ہیں، جو مالک کے حکم سے نعمت کے خواہان کو پہنچاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل ذِکرہٗ نے فرمایا:

''وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ.'' (النحل:۵۳)

ترجمہ:...''اور جو بھی نعمت تمہارے پاس ہے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔''

ہر شخص دوسرے سے عوض اور بدلے کا خواہاں ہوتا ہے، اور اگر پورا عوض نہ ہو تو کم از کم ثواب یا ذکرِ خیر کا لالچ تو ضرور ہوتا ہے، اور یہ بھی طلبِ عوض سے کم نہیں، اور قاعدہ ہے کہ عوض کا طالب منعم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جو انعامات اپنی مخلوق پر کئے ہیں نہ وہ کسی عوض کی طلب میں ہیں اور نہ کسی کمال کے حصول یا کسی نقصان کے دفعیے کے لئے ہیں۔ اسی لئے وہی منعمِ حقیقی ہے، لہٰذا اس کی ذاتِ پاک کے سوا کوئی بھی حمد و ثنا کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

''بلغة الحیران'' (مولانا حسین علی مرحوم کی تفسیری نکات کی کتاب کا نام ہے) میں آیا ہے کہ اس پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ کافر اپنے بتوں کی تعریف

کرتے ہیں یا کچھ لوگ ناجائز وغیر معتبر تعریفیں بھی غیر اللہ کی کرتے ہیں، جیسے کسی کی زیادہ کھانے کی تعریف کی جائے یا ہمچوں قسم دوسری باتیں، پھر یہ تعریفیں کس طرح غیر اللہ کی ہوسکتی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیاقِ عبارت کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں، کیونکہ سیاق وسباق میں کچھ قرائن واشارات ایسے ہوتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں اصل مراد کیا ہے؟ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فاعلیہ کا ذکر ہے، جیسے خالقیت، رازقیت وغیرہ کا ذکر ہے، اور کفار یہ صفات اصنام وغیرہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، اورحقیقت میں یہ صفات خدائے قدوس کی ہیں۔ "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" اور "مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ"، جن کا ذکر آگے آتا ہے، وہ اس پر بمنزلہ دلیل ہیں، اور "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" بمنزلہ ثمر ہیں، یعنی انتہائی تذلل (عبادت) اور استعانت جو کفار، غیر اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، وہ اے اللہ! ہم تیرے لئے اور صرف تیرے لئے کرتے ہیں۔ پھر خود قرینۂ مقام بھی اس پر دال ہے کہ یہاں صفاتِ عالیہ کا ذکر ہے، ناجائز صفات یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتیں۔

فائدہ:... عقل مند لوگ کہتے ہیں کہ حمد موضعِ لائق میں کرنا چاہئے، تاکہ اس کا ثمر بھی بوجہ احسن حاصل ہو، مسلمانوں اور دوستوں کی مصیبت میں غمگین ہونا، الحمدللہ کہنے سے کہیں بہتر ہے، دینی نعمتوں پر حمد کہنا دُنیاوی نعمتوں پر حمد کہنے سے بہتر ہے، اور دِل کی اچھی حالت پر حمد کہنا بدن کے اعمالِ حسنہ پر حمد کہنے سے بہتر ہے، اور اس طریقے پر حمد کہنا کہ یہ سب نعمتیں محبوبِ حقیقی کے عطیات ہیں، بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آدمی نعمتوں کے لذیذ وعجیب ہونے پر حمد کہے، بنابریں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے کہ حمد مقامِ لائق پر واقع ہو اور بہترین طریق پر ادا ہو۔

مدح، حمد اور شکر میں فرق:

مدح جاندار اور بے جان دونوں کے لئے ہوسکتی ہے، جیسے کسی باغ کی تعریف کریں یا کسی شہر کی تعریف کریں، پھر مدح قبل از احسان بھی ہوتی ہے، اور بعد از احسان بھی، اور ساتھ ہی کبھی مدح ممنوع بھی ہوتی ہے، جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوههم التراب." (مشکوٰۃ ص:۴۱۲ بحوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ:... "جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی بھردو۔"

گویا کسی کے منہ پر تعریف کرنے کو منع فرمایا گیا۔

جبکہ حمد صرف زندہ کی ہوسکتی ہے، حمد ہمیشہ بعد از احسان ہوسکتی ہے، اور حمد ہمیشہ جائز بلکہ مستحب ہوتی ہے، اسی واسطے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من لم یحمد الناس لم یحمد اللہ."

ترجمہ:... "جس نے لوگوں کی تعریف نہ کی، اس نے اللہ کی تعریف نہ کی۔"

شکر صرف اس نعمت کا ہوسکتا ہے جو کسی کی طرف سے پہنچی ہو، اور حمد نعمتِ رسیدہ و نارسیدہ دونوں کے لئے ہوسکتی ہے، بلکہ کسی کے کمالِ ذاتی کے لئے بھی ہوسکتی ہے، ان ہی وجوہِ ترجیح کی بنا پر مدح و شکر کی بجائے یہاں حمد کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ:

دُنیا میں جو کچھ دیکھا، سنا اور پایا جاسکتا ہے یا تو وہ واجب بالذات ہے،

یعنی خود بخود موجود ہے، اور اس کا نہ ہونا محال ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہے، یا وہ ناممکن لذاتہٖ ہے، جس کا ہونا، نہ ہونا دونوں برابر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وہ موجود ہے، اس دوسری قسم کو عالَم کہتے ہیں۔

عالَم علامت سے مشتق ہے، چونکہ یہ قسم اسماء و صفاتِ الٰہی کی مظہر اور علامت ہے، اس لئے اسے عالَم کہتے ہیں، اور اسماء و صفاتِ الٰہیہ کی چونکہ کوئی انتہا نہیں، اس لئے عالَم بھی بے شمار ہیں۔

اور عالَم کے اُصول و کلیات شرع شریف کے مطابق یوں ہیں کہ جو کچھ دُنیا میں موجود ہے، وہ یا ذات ہے جسے معقولیوں کی اصطلاح میں جوہر کہتے ہیں، یا صفات ہیں جنہیں عرض کہا جاتا ہے۔

ذات وہ ہے جو اپنے وجود میں دوسری چیز کی محتاج نہ ہو، جیسے: آسمان، زمین۔

اور صفت وہ چیز ہے جو اپنے وجود کے لئے دوسری چیز کی محتاج ہو، جیسے: رنگ، بو اور مزہ۔

پھر ذات کی دو قسمیں ہیں: جسم اور رُوح۔

جسم وہ ہے جس کی مقدار اور شکل معین ہوتی ہے، اور کسی طرح وہ مقدار و شکل سے الگ نہیں ہوتا۔

اور رُوح وہ ہے جس کی مقدار و شکل معین نہیں ہوتی، اور مختلف اشکال و اطوار میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

پھر جسم کی بھی دو قسمیں ہیں: علوی اور سفلی۔ اور علوی اجسام کی بھی کئی قسمیں ہیں، جیسے: عرش، کرسی وغیرہ، اور سفلی جسم کی دو قسمیں ہیں: بسیط یعنی عناصرِ اربعہ اور مرکب۔ مرکب کی دو قسمیں ہیں:

مرکبِ تام جس میں جملہ عناصر ہوتے ہیں جیسے عالمِ معادن، عالمِ نباتات

اور عالمِ حیوانات، ان میں سے ہر ایک کی بے شمار قسمیں ہیں۔

اور مرکبِ ناقص، جس میں بعض عناصر ہوتے ہیں، جیسے: عالمِ بخار جس میں پانی اور ہوا ہیں، عالمِ غبار جس میں مٹی اور ہوا ہیں، عالمِ دخان جس میں آگ اور ہوا ہیں۔

غبار سے مختلف رنگوں کی آندھیاں آتی ہیں، بخار سے بارش ہوتی ہے اور منجمد ہو تو ژالہ باری اور برف باری ہوتی ہے۔

دخان سے بجلیاں، شہابِ ثاقب اور دُم دار ستارے پیدا ہوتے ہیں۔

اور اگر بخار و دخان زمین میں محبوس و مقید ہو جائیں تو ان کی جنبش سے زلزلے آتے ہیں۔

اور اگر زیرِ زمین محتبس رہیں اور ہوا کی قوت سے باہر آئیں تو چشمے جاری ہوتے ہیں۔

اور بخارِ لطیف سردی کے سبب آسمان اور زمین کے درمیان منجمد ہو کر زمین پر گرے تو شبنم کہلاتا ہے۔

اور بعض مقامات پر بخارِ لطیف منجمد ہو کر شکر سفید یا شکر سُرخ کی شکل میں زمین پر گرتی ہے، جسے ترنجبین یا شیر خشت وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ایسی ہی قسموں میں سے مَن بھی ہے، یہ سب جسم کے عالم ہیں۔

اور رُوح کے عالم کی تشریح یوں ہے کہ روح یا نیکِ محض ہے، جسے فرشتہ کہتے ہیں، یا محض بد ہے، جسے شیطان کہا جاتا ہے، یا نیک و بد، دونوں اس میں مخلوط ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: جنات اور اَرواحِ بنی آدم۔ فرشتوں کی تین قسمیں ہیں:

۱:...وہ فرشتے جو اجسامِ علوی و سفلی سے متعلق ہیں، ان کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں سے کچھ حاملانِ عرش ہیں، کچھ مجاورانِ بیت المعمور ہیں، کچھ فرشتے بادلوں

اور ہوا سے متعلق ہیں، اور بارش کے ہر قطرے کے ساتھ نازل ہوتے ہیں، کچھ دریاؤں اور کوہساروں پر متعین ہیں، کچھ بنی آدم کی حفاظت اور اعمال لکھنے پر مقرّر ہیں۔

۲:...وہ فرشتے جو عبادتِ الٰہی میں مستغرق ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ رُکوع میں کھڑے رہتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ سجدے میں رہتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ قیام میں رہتے ہیں۔

۳:...وہ فرشتے جو ملائکۂ مقربین کہلاتے ہیں، جو دُنیا کی بڑی بڑی مہمات کی تدبیر پر مأمور ہوتے ہیں، جیسے اللہ کا پیغام پیغمبروں تک پہنچانا، مرنے والوں کی اَرواح کو قبض کرنا، ملائکۂ اربعہ (جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام) اسی قسم میں داخل ہیں۔

اور صفت کی دُنیاؤں کی بھی کوئی حد نہیں، مکان، زمان، کیف، کم، وضع، نسبت، یہ سب صفات کی قسمیں ہیں، اور حکمت کی کتابوں میں ان سب عوالم (عالَموں) کی تفصیلات لکھی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ان سب عوالم کی رَبّ ہے، اور اسی واسطے آپ کو رَبّ العالمین کہا گیا۔

دفعِ شبہ:

باقی رہی یہ بات کہ بندوں کو شکر کی تعلیم کے موقع پر جملہ عالمین کے ذکر کی مناسبت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالمِ انسانی کی ربوبیت جملہ عوالم کی ربوبیت دریافت ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں کہ وہ متصوّر ہوسکے، کیونکہ تربیتِ انسانی تربیتِ جملہ عوالم پر موقوف ہے، اسی وجہ سے رَبّ العالمین فرمایا گیا۔

اور اس اجمال کی نہایت ہی مختصر تفصیل یہ ہے کہ:

آدمی کے حق میں تربیتِ الٰہی کی ابتدا وجود سے ہوتی ہے، اور انتہاء اس کی

سعادتِ ابدی کے حصول پر ہوتی ہے، اور سعادتِ ابدی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک سچا اعتقاد، عملِ صالح اور نیک خُلق نہ ہوں، اور یہ تینوں باتیں اس وقت تک حاصل نہیں ہوتیں، جب تک صحت، جمال، قوت اور طویل عمر نہ ہو، اور یہ چاروں چیزیں مال، اہل و عیال، مرتبہ و جاہ اور قبیلہ پر موقوف ہیں، پھر ساتھ ہی فضائلِ نفسی جو سعادتِ ابدی کے اجزا ہیں، ان کا ربط فضائلِ بدنی سے متصور ہی نہیں ہوسکتا، جب تک دوسری پانچ چیزیں موجود نہ ہوں۔

۱:... ہدایت یعنی عقل و شرع کے ساتھ خیر و شر کو پہچاننا۔

۲:... ثمرۂ مجاہدات، یعنی وہ نور جو عالمِ نبوّت اور عالمِ ولایت سے ظاہر ہو۔

۳:... مرشد، یعنی وہ چیز جو سعادت کی طرف متوجہ کرسکے۔

۴:... توفیق و تائید، یعنی مساعدت و موافقتِ اسباب کی بنا پر جہتِ خیر کا آسان ہوجانا۔

۵:... استقامت، یعنی آخر تک عزمِ مستقل کا باقی رہنا، پس یہ کل سولہ چیزیں ہیں، جن پر آدمی کی تربیت موقوف ہے، ان میں سب سے ادنیٰ صحت ہے، جو کھانے پینے پر موقوف ہے، اور کھانا پینا، قدرت، علم اور ارادے پر موقوف ہے، اور ان میں سے علم حواسِ خمسہ، قوتِ تلاش و جستجو اور قوتِ غضب (جو مانع کو دفع کرے) پر، اور حسِ مشترک اور خیال وغیرہ پر موقوف ہے، تاکہ محسوسات کے مجموعہ کو نگاہ رکھے، اس کے ساتھ ہی غذا کے لئے زبان، دانت، کام و دہن، معدہ، ہضمِ کیلوس اور ہضمِ کیموس کی ضرورت پڑتی ہے، اور غذائی بیج کی خاطر زراعت و کاشت کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے مٹی، ہوا اور پانی کی ضرورت ہے، پانی کے لئے نہروں اور بارش اور پہاڑی (پانیوں کے) ذخیروں کی ضرورت ہے، ساتھ ہی موسموں کی تبدیلی بھی ضروری ہے، تاکہ بیج زمین سے اُگ سکیں، پھر جب کھیتی اُگتی ہے، تو اس کے لئے چاند،

ستاروں کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے، اور چاند، تاروں کے لئے آسمان اور گردشِ آسمان کی ضرورت ہے، تو اس سے یہی معلوم ہوا کہ تربیتِ جملہ عوالم حقیقت میں تربیتِ انسان ہی ہے، کسی شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا ہے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ایں ہمہ از سر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

رَبّ:

''رَبّ'' لغتِ عرب میں چند معنوں کے لئے مستعمل ہے، اور یہاں وہ سارے معانی ہی مناسب اور موزوں ہیں۔

یہ ''مالک'' کے معنوں میں لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت جملہ عوالم پر ظاہر ہی ہے۔

''موجد'' یا ''خالق'' کے معنوں میں استعمال ہو تو بھی حمد کے لئے مناسب و موزوں ہے، بلکہ خالقیت اتم محامد کو مستلزم ہے۔

اور ''سیّد'' یعنی سردار فرقہ کے معنوں میں لیا جائے تب بھی اعلیٰ محامد کا متقاضی ہے۔

اور ''مربی'' (یعنی اُمور کی اصلاح کرنے والا اور ہر چیز کو اعلیٰ مراتب تک پہنچانے والا) کے معنی میں بھی موجبِ حمد ہے۔

تربیت کی دو قسمیں:

تربیت کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کو اپنی منفعت کے لئے پالا

جائے، یہ تربیت مخلوق کے شایاں ہے۔

دوسری تربیت یہ ہے کہ کسی چیز کو اسی کے فائدے کے لئے پرورش کیا جائے، یہ قسم خالق کے شایانِ شان ہے، کیونکہ مرتبہ وہی سب سے زیادہ بلند ہے، جو اپنی مخلوقات سے استکمال پائے، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"من لم یسئل اللہ یغضب علیه."

(مشکوٰۃ ص:۱۹۵ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... "جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رَبّ العالمین اللہ تعالیٰ کی اکمل صفات میں سے ہے، اور جو کچھ دیکھا اور سنا جاتا ہے، سب اس مبارک نام کے انوار میں سے ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ:

اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں رحمت ایصالِ خیر اور دفعِ شر کو کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور صفاتی۔

رحمت کی دو قسمیں:

۱:... ذاتی، ۲:... صفاتی۔

رحمتِ ذاتی کی پھر دو قسمیں ہیں: عام اور خاص۔

عام یہ ہے کہ وجود عنایت فرمایا۔

اور خاص یہ کہ کسی کو تقرّب الی اللہ بخشا گیا۔

رحمتِ صفاتی کی بھی دو قسمیں ہیں: عام اور خاص۔

ہر اس چیز کی بخشش جو ہر موجود کے لائق ہے، عام ہے۔

اور ایسی چیز بخشنا کہ دوسروں پر اسے فضیلت مل جائے، یہ خاص ہے۔

بسم اللہ میں رحمتِ ذاتی کا ذکر ہے اور الحمد للہ میں رحمتِ صفاتی کا، اس لئے یہ تکرار نہ ہوا۔ یا الحمد للہ میں ادائے حمد کے سلسلے میں مکرر لائے یا بسم اللہ میں ابتدائے ایجاد کی رحمت کا ذکر ہے، اور الحمد للہ میں انتہائے ایجاد کی رحمت کا، اور وہ نجات ہے۔

حمد کو دو طریقے سے ضرور جاننا چاہئے۔ پہلا اس طرح کہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے، دوسرا یہ کہ مقصودِ عبادت ہے اور عبادت ہی خلقِ انسان اور تخلیقِ عالم کا مقصود ہے۔

فائدہ:... بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن و رحیم ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں، جیسے ندمان و ندیم، اور دونوں کو صرف تاکید کے لئے جمع کیا گیا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ رحمٰن، رحیم سے زیادہ بلیغ ہے تین طریق پر:

ا:... رحمتِ ایجادی کے افراد کی کثرت کے لحاظ سے۔

۲:... مرحومین کی کثرت کے لحاظ سے، یہ دونوں زیادتیاں کمیت میں ہیں۔

۳:... کیفیت میں زیادتی یہ ہے کہ اسمِ رحمٰن بڑی بڑی رحمتوں کے ساتھ مخصوص ہے اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے سوا کسی کو رحمٰن کہنا کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دُنیا و آخرت کی گوناگوں نعمتیں رحمتِ رحمانی کے آثار ہیں، اور دفعِ بلیات رحمتِ رحیمی کا مقتضا ہے۔ پس اگر رحمٰن ابلغ ہو تو پہلے اللہ کا ذکر، پھر رحمٰن کا ذکر اور پھر رحیم کا ذکر بہ مناسبتِ تنزیلی ہے، یعنی اُوپر سے نیچے کی طرف آنا اور اس صورت میں رحیم کا لفظ رحمٰن کے ذکر کے بعد جو کمالِ رحمت پر دلالت کرتا ہے، اِرداف و تتمیم کے قبیلہ سے ہے، کیونکہ لفظِ رحمٰن نے کلیات کی نعمتوں اور اصول کو لیا، اور لفظِ رحیم فروع و جزئیات کی نعمتوں پر مشتمل ہے، اور تتمیم کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو

جنابِ باری سے حقیر حاجات کی طلب میں جیسے: نمک، جوتا وغیرہ ہے، شرم دامن گیر نہ ہو، اور بے محابا سوال کردے، اور عاجزی کرے، گویا اشارہ فرمایا کہ جو کچھ تمہیں ماں باپ، پیر، اُستاذ اور آقا سے پہنچے، اسے مجھ سے جانو اور توقع بھی مجھ سے رکھو، کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

لکل شیء اذا فارقتہ عوض
ولیس اللہ ما ان فارقت من عوض

ترجمہ:... ''جس چیز سے بھی تم جدا ہوتے ہو، اس کا نعم البدل موجود ہوتا ہے، البتہ اگر تم خدا سے جدا ہوگئے، تو پھر کوئی عوض نہیں۔''

ایک اعتراض کا جواب:

ہوسکتا ہے کہ کسی کے دِل میں یہ خدشہ گزرے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے، تو اس نے قبائح و ہموم کو پیدا ہی کیوں کیا اور ہمیں حاجتیں دی ہی کیوں؟ مگر حقیقتاً یہ ہماری کوتاہ فہمی ہے، تکلیفیں اس طرح ہیں جیسے باپ اپنی اولاد کی تأدیب کرتا ہے، باپ کو کوئی بھی ظالم نہیں کہتا، بلکہ اسے پدرِ مہربان ہی کہا جاتا ہے، اور تأدیب، شفقت ہی کا جزو سمجھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکالیف بھی اسی طرح ہمارے لئے عینِ رحمت ہیں، اور وہ ضرب المثل تو آپ نے سنی ہوگی:

''من لم یؤدّبہ الأبوان یؤدّبہ الملوان.''

ترجمہ:... ''جس کو ماں باپ نے ادب نہ سکھایا، اسے گردشِ زمانہ سکھائے گا۔''

گردشِ زمانہ کی تأدیب سے تو ماں باپ کی تأدیب ہی بہتر ہے، اگر قبائح نہ

ہوتیں تو حسنِ اشیاء کس طرح نظر آتا؟ فقر نہ ہو تو دولت مندی کیسے ظاہر ہوتی؟ رات نہ ہوتی تو دن کہاں ہوتا؟ وبضد ھا تتبیّن الاشیاء، ذوق نے کیا خوب کہا ہے:

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق! اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ:

انصاف کے تقاضے کی بنا پر روزِ جزا، نیک و بد اور مطیع و عاصی کے درمیان فرق کی بنا پر ہے، اگر دُنیا ہی میں نیک لوگوں کو نعمت، دولت اور عافیت دے دیتے، اور بُروں کو ناداری، بیماری اور مصیبت میں گرفتار رکھتے، تو لوگ بالطبع حصولِ دولت کی خاطر نیکی کی راہ لے لیتے، اور ایمان کے سبب کا کوئی سلسلہ ہی نہ رہتا، اور اس طرح اَمرِ تکلیف درہم برہم ہو جاتا، اور بے اختیار لوگوں سے نیکیوں کا (دولت کی طمع میں) ظہور ہوتا، یہی وجہ ہے کہ روزِ عمل اور روزِ جزا کو اللہ تعالیٰ نے جدا جدا فرمادیا، تاکہ ہم پر تکلیف و معاملہ کی حقیقت واضح ہو جائے۔

"مٰلِکِ" اور "مَلِکِ" دونوں طرح متواتر قراءتوں میں آیا ہے، اور دونوں کی ترجیح کے متعلق دلائل دیئے گئے ہیں۔

بعض لوگ "مٰلِکِ" کی قراءت کو ترجیح دیتے ہیں، اس واسطے کہ مالکیت انسان و غیر انسان سب پر مشتمل ہوسکتی ہے، اور "مَلِکِ" (بمعنی بادشاہ) صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور بعض "مَلِکِ" کو ترجیح دیتے ہیں، اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہر بادشاہ مالک ہوتا ہے، اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا، اس لئے "مَلِکِ"، "مٰلِکِ" سے زیادہ عام ہوا۔

یوم کا لفظ طلوعِ آفتاب سے لے کر غروب تک ہوتا ہے، اور کبھی یہ مطلق وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، خواہ دن ہو یا رات ہو، مہینہ ہو یا سال۔

اور شریعت میں یوم، صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہوتا ہے، اور یہاں یوم مطلق وقت کے معنی میں مستعمل ہے، دوسری بار صور پھونکنے کے بعد سے بہشت و دوزخ کے داخلے کے وقت تک جو زمانہ ہے، وہ سب یوم الدین ہے۔

''دِین'' کے معنی جزا کے ہیں، اور جزا صرف انعام کو کہتے ہیں، گو دُنیا میں جزا انعام و انتقام دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، مگر آخرت کی جزا صرف انعام ہے، چونکہ اس دن اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا ظہور ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے تفضّل و احسان کا یہ عالم ہے کہ ایک کلمہ اور ایک ہی عمل پر ابدی و غیر متناہی ثواب عطا ہوگا، اس لئے اس دن کی جزا محض انعام ہی انعام ہے، اور فی نفسہ بھی جزا ایک نعمت ہے، کیونکہ اس سے تاریکیوں کے پردے چھٹتے ہیں، اور ظاہر و باطن کی اصلاح ہوتی ہے، اور اس مالکیت یومِ جزا کی بنا پر استحقاقِ حمد ظاہر و باہر ہے۔

فائدہ:... اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے پانچ ناموں کا ذکر ہے: اللہ، رَبّ، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین (جو دیّـــان کے مترادف ہے)، اور حمد و ثنا کے بعد خواہشِ مطالب کے اندر پورا پورا ربط ہے، کیونکہ پہلے حمد کمالِ ذاتی کی بنا پر ہے، جو لفظ اللہ کا مفاد ہے، پھر حمد وجود کے عطا کرنے اور وجود کے توابع اور لوازم کے عطا کرنے پر ہے، جو اسمِ رَبّ کا مفاد ہے، پھر اسبابِ معاش کے عطیہ اور دُنیاوی زندگی دینے کی بنا پر حمد ہے، جو لفظِ رحمٰن سے مترشّح ہے، پھر اصلاحِ آخرت پر حمد ہے، جو لفظِ رحیم کا مدلول ہے، اس کے بعد نعمتوں وغیرہ کے عطیہ پر حمد ہے، جو مالکِ یوم الدین کا مفاد ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ:

مفعول کوفعل پر مقدم کرنے سے اہلِ عرب کے ہاں اختصاص کا فائدہ ہوتا ہے، ترجمہ یوں ہوگا کہ: ''ہم صرف آپ کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے'' لیکن اگر ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' کی بجائے ''نَعۡبُدُکَ'' کا لفظ ہوتا تو یہ اختصاص ثابت نہ ہوتا۔

عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ دُوسرے کی انتہائی تعظیم کی بنا پر اس کے سامنے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے انتہائی تذلل کے ساتھ پیش کیا جائے، اسی واسطے عبادت مالکِ حقیقی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تذلل انتہائی نہ ہو یا اختیاری نہ ہو یا مزاح کے طور پر کیا جائے تو ایسے تذلل کو عبادت شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور بدیہی طور پر حقیقی تذلل وہی کرسکتا ہے، جس پر انتہائی انعام کیا گیا ہو، اور انتہائی انعام سوائے ذاتِ خداوندی کے اور کون کرسکتا ہے؟

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندے کے تین حال ہیں: ماضی، حال اور مستقبل۔ ماضی میں اسے نیست سے ہست فرمایا، پھر مردہ نطفہ کو زندگی عطا فرمائی، جاہل تھا، اسے تعلیم سے نوازا، علم کے اسباب: حواس و عقل عطا فرمائے، جیسا کہ ارشاد ہے:

> ''وَاللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّھٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡئِدَۃَ.'' (النحل:۷۸)
>
> ترجمہ:... ''تمہیں ماؤں کے پیٹ سے نکالا ایسی حالت میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، پھر تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دِل بنائے۔''

اور حال کی ضرورتیں تو حد سے زیادہ ہیں، اوّل عمر سے آخر عمر تک کی حاجات وضروریات کو پورا کرنے کا احسان شمار نہیں ہوسکتا، اور مستقبل جو ابتدائے موت سے وصولِ جنت تک ہے، اس میں بھی حفاظتِ عذاب صرف فضلِ خداوندی پر موقوف ہے، لہٰذا بندہ کے لئے کسی حالت میں بھی سوائے ذاتِ خداوندی کے کہیں بھی پناہ نہیں، اور ذاتِ خداوندی کے سوا جو بھی ہے وہ خود محتاج وفقیر ہے، اور ہر محتاج اپنی حاجت میں گرفتار ہوتا ہے، وہ دوسرے کو کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ اور غنیٔ مطلق صرف ذاتِ خداوندی ہے، اس لئے وہی مستحقِ عبادت ہے، اسی وجہ سے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اِیَّاهُ."

(بنی اسرائیل:۲۳)

ترجمہ:... "تمہارے ربّ نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کی جائے۔"

بعض ملحد یہ کہا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ غنیٔ مطلق ہے، تو اسے عبادت کی بھی پروا نہیں، پھر ہم کیوں عبادت کی مشقت ومحنت میں مبتلا ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ذات وصفاتِ الٰہی کے کمال کا تقاضا یہ ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں، وہ اس کے سامنے تذلل کرے اور انتہائی تعظیم بجا لائے، کیونکہ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر چیز کو اپنے محل میں رکھا جائے، اور کمالاتِ خداوندی کا محل یہ ہے کہ ان کی انتہائی تعظیم بجا لائی جائے، اور نقصاناتِ انسانی کا محل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے، جو نقصانات سے منزہ ہے، انتہائی تذلل سے پیش آئے، اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو خلافِ حکمت ہوگا۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام چونکہ انسان پر اپنی انتہا کو پہنچا

ہوا ہے، چنانچہ اشارۃً رَبِّ العالمین کی تفسیر میں یہ بیان ہو چکا ہے۔تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کام میں لائے، چونکہ عقل، پہچان اور معرفت کے لئے ہے، اور اعضاء و جوارح اس لئے ہیں کہ انہیں ہیئتِ عبادت کے ساتھ مکیف کیا جائے، اور عبادت معرفت کی نگہبان ہے، اگر عبادت نہ ہوگی تو معرفت کا تخم محفوظ نہیں رہے گا، معرفت، آدمی کا سرمایۂ محفوظ ہے، اور عبادت اس کا ثمرہ۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ معرفت وعبادت میں قانونِ شریعت کی کیا ضرورت ہے؟ عقل کافی ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کو صرف عقل ہی نہیں ملی، بلکہ وہم وخیال بھی اس کے ساتھ ساتھ ملے ہیں، اگر قانونِ شریعت کی تائید شاملِ حال نہ ہوتو عقل اکثر معرفت وعبادت کے متعلقہ اُمور کے اِدراک سے عاجز آجائے گی، گویا عقل بمنزلہ بصارت کے ہے، اور قانونِ شریعت بمنزلہ شعاعِ آفتاب کے۔ آنکھ اُسی وقت چیزوں کو دیکھے گی جب روشنی موجود ہوگی، ورنہ روشنی نہ ہوتو آنکھ رکھتے ہوئے بھی آدمی کچھ نہ دیکھ سکے گا۔

عبادت کی اغراض:

اور یہ بھی سمجھیں کہ عبادت کی اغراض تین ہوسکتی ہیں:

۱:...ثواب کی رغبت کی خاطر کوئی عبادت کرے گا۔

۲:... یا عذاب اور عتاب سے بچنے کی خاطر۔

۳:... یا مشاہدۂ حق کی خاطر، کیونکہ الٰہیت عزّت و ہیبت کا سبب ہے، اور عبودیت عاجزی کا۔

پس یہ آخری درجہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، مگر یہ تینوں درجے سوائے روزِ جزا کے پورے نہیں ہو سکتے، اسی وجہ سے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کو "مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کے بعد لایا گیا۔

پھر ”اِیَّاکَ نَعْبُدُ“ جمع کا صیغہ استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی، ”اِیَّاکَ اَعْبُدُ“ واحد کا صیغہ نہیں لایا گیا، اس میں ایک تو یہ نکتہ ملحوظ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ: ”میں تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں“ زیادہ اچھا ہے، بہ نسبت اس کے کہ: ”میں تیرا بندہ ہوں“، اوراگر یوں خیال کیا جائے کہ اپنی ناقص عبادت کو میں کاملین کی عبادت کے ساتھ ملاکر پیش کرتا ہوں، تاکہ ان کاملین کی عبادات کے ساتھ میری ناقص عبادت بھی مقبول ہو جائے کہ: ”بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم“ تو اور بھی اچھا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

مے پذیر ندیداں را بہ طفیلِ نیکاں
رشتہ واپس ندہد ہر کہ گہر میگیرد

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ:

استعانت کے معنی ہیں مدد چاہنا، اور ہر کام میں چار قسم کی مدد ہوتی ہے:

۱:... ایک یہ کہ کام پر قدرت عطا فرمائے، جیسے: عقل دے، شعور دے اور صحیح وسالم اعضاء عنایت فرمائے۔

۲:... دوسری یہ کہ کام کو آسان فرمائے، اور فراغِ خاطر کے ساتھ ساتھ رکاوٹوں کو بھی دُور فرمائے۔

۳:... تیسری یہ کہ جیسے کام کا داعیہ اور حسنِ کارکردگی عطا فرمایا، ویسے ہی کام کو بھی نزدیک فرمائے۔

۴:... چوتھی یہ کہ جیسے اس نے انبیاء و اولیاء میں سے رہبر بنائے تو ہمیں بھی انہیں کی راہ پر چلنے کی توفیق دے، اور ایسے کاموں کو ہمارے لئے مرغوبِ خاطر بنائے جو اُن لوگوں کے تھے، اور یہاں بھی ”نَسْتَعِیْنُ“ پر ”اِیَّاکَ“ حصر کی خاطر ہی مقدم

لایا گیا، یعنی ہم غیر سے ہرگز استعانت نہیں کرتے، اور یہ استعانت یا تو عبادت کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کا قرب اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی آپ کی عبادت میں آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، آپ ہم پر موانع، عوارض اور قوادح کو دُور کر کے اور باعثات کو پیدا کر کے عبادت آسان فرمائیں۔

دُنیا، مخلوق، شیطان اور نفس یہ سب موانع ہیں، مصائب و آلام اور غم و فکر یہ عوارض ہیں، ریا، شہرت اور خود بینی یہ قوادح ہیں، خوف، رجا اور اشتیاقِ مشاہدۂ حق، یہ بواعث ہیں، اور یہ سب باتیں سوائے اعانتِ الٰہی کے ممکن نہیں۔

رفعِ شبہ:

یہاں ایک شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر عبادت مقدّر میں ہے، تو اعانت بھی خود بخود ہو جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: عادۃ اللہ یہ ہے کہ اعانت انہیں کی، کی جاتی ہے جو استعانت کریں، اور سببِ عادی کو بے سود نہیں کہا جا سکتا، اور اگر استعانت کو عبادت کے ساتھ مخصوص شمار نہ کیا جائے، بلکہ دین و دُنیا کے سب اُمور میں اسے عام سمجھا جائے، تو پھر وجہ اختصاص یہ ہے کہ اعانت حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، کیونکہ کوئی دوسرا بھی اعانت کرے تو اس کے دِل میں بھی اعانت کا داعیہ پیدا کرنے والا خداوندِ تعالیٰ ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ایسی قدرت نہیں رکھتا کہ کسی کے دِل میں یہ داعیہ پیدا کر دے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ کو کام کرنے یا نہ کرنے میں اختیار حاصل ہے، جس جانب کو چاہے ترجیح دے، مگر یہ ترجیح دینا اسے از خود میسر نہیں، کیونکہ اگر مرجح بندہ ہی کی طرف سے ہو تو اس مرجح میں بھی بات کی جائے گی، تا آنکہ تسلسل لازم آئے گا، اور وہ محال ہے، اس لئے لازم ہوا کہ مرجح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو،

بنابریں استعانت بھی حقیقی طور پر اسی سے ہوسکتی ہے، کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتی۔

مشرکین جو غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں، اس کی کئی قسمیں ہیں:

بعض لوگ غیبی اَرواح کو اپنا مربی شمار کرتے ہیں۔

بعض اَرواحِ فلکیہ میں سے ہر اقلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ مدبر جانتے ہیں۔

بعض عالَمِ برزخ کے انواع میں سے ہر نوع کے لئے علیحدہ مدبر خیال کرتے ہیں، پھر بیماریوں کے دفع کی خاطر یا بدن میں حرارت و برودت کی کیفیات پیدا کرنے کی خاطر ان سے استعانت کرتے ہیں، اور چونکہ وہ اَرواح نظر کے سامنے نہیں ہوتیں، اس لئے ان کے خیالی بت بنا کر ان کے سامنے نیاز و زاری کرتے ہیں، بعض لوگ اپنی قوم کے کامل لوگوں اور ان کے بتوں کی پرستش کرتے ہیں، بعض اجسامِ بسیطہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے مجوسی آگ کو پوجتے ہیں، بعض لوگ ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جن پر تبدیلِ فصول یا تبدیلی روز و شب موقوف ہے، جیسے آفتاب و ماہتاب۔

بعض لوگ اجسامِ معدنیہ کی پوجا کرتے ہیں، جیسے پہاڑ، سونا، چاندی۔

بعض درختوں اور پودوں کی پوجا کرتے ہیں، جیسے پیپل کا درخت یا تلسی وغیرہ، اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کی اَرواح کو اسمائے الٰہی سے مناسبت ہے، اس لئے یہ قابلِ عبادت ہیں۔

مسلمان آدمی ان دو باتوں یعنی "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" سے ان سب کی تردید کرتا ہے، اور ملتِ حنیفی کی ساری حقیقت جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام لائے، انہیں دو کلمات کی تفصیل وتشریح ہے۔ عبادت (یعنی انتہائی تعظیم کی خاطر انتہائی تذلل اختیار کرنا) عناصر و فلکیات اور اَرواحِ غیبیہ کسی کے لئے جائز نہیں، کیونکہ غایتِ تعظیم کے اسباب ان میں نہیں ہیں، اسی واسطے غایتِ تذلل بھی غیرِ خدا کے لئے بے موقع و بے جا ہے، اور مالک الملک کے حق کو ضائع کرنا ہے۔

عبادت کی دو قسمیں:

عبادت کی دو قسمیں ہیں: ۱:...اعتقادی۔ ۲:...عملی۔

کسی کو متصرفِ اُمور، حیات و موت دینے والا، رِزق دینے والا، عالم الغیب والشہادۃ، نفع دینے والا، نقصان دینے والا اور اسی طرح کی دوسری صفات والا مانے تو اس کو عبادتِ اعتقادی کہتے ہیں۔ اور اس اعتقاد سے ہر قول و فعل (جو موجبِ تعظیم) پیدا ہوا، اسے عبادتِ عملی کہتے ہیں، یہ دونوں عبادتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

مشرکانہ و غیر مشرکانہ تعظیم میں فرق:

اگر غیر اللہ کے ساتھ اس طرح کا اعتقاد رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو صفتیں مخصوص ہیں، ان میں سے کسی صفت کو کسی دوسرے کے لئے ثابت کریں، اس کو شرک فی الاعتقاد کہتے ہیں۔

اور ایسے اعتقاد سے جو قول و فعل مشعرِ تعظیم پیدا ہو، اس کو شرک فی الاعمال کہتے ہیں۔

اور جو تعظیم کہ اس اعتقاد کے بغیر ہو، وہ محض تعظیم ہے، جیسے ماں باپ کی تعظیم، اُستاذ اور مرشد کی تعظیم، بادشاہ کی تعظیم، یہ سب شرک نہیں۔ ہاں! کچھ تعظیمی افعال جو اگرچہ شرک نہیں، مگر شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں قطعاً منع ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دُوسرے کی قسم کھانا یا بغیر اعتقادِ مذکور کے بتوں کی تعظیم یا ذی رُوح چیز کی تصویر بنانا یا غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا وغیرہ۔ اس تقریر سے مشرکانہ تعظیم اور غیر مشرکانہ تعظیم کا فرق واضح ہوگیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ عبادت صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔

اِستعانتِ جائز وممنوع:

اِستعانت یا تو اس چیز کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس کے استقلال کا وہم مشرکین وموحدین میں سے کسی کے دماغ میں نہیں گزرتا، جیسے آب ودانہ سے بھوک اور پیاس میں، طبیب وادویہ سے دفعِ مرض میں، اُمرا وملوک سے وجہِ معاش کے تعین میں، سایۂ درخت سے راحت کی خاطر، اُستاذ سے طلبِ علم میں، مرشد سے اصلاح کے سلسلے میں، نجاروں اور مزدوروں سے کاروبار وغیرہ میں اِستعانت ومدد حاصل کرنا، کیونکہ حقیقتاً یہ اِستعانتیں نہیں بلکہ معاوضات ہیں، کیونکہ استعانت بالامیر حقیقتاً معاوضۂ خدمت بمال ہے، اور معالجوں سے استعانت صرف زائد تجربے کی بنا پر طلبِ مشورہ ہے، اور مرشد واُستاذ سے استعانت صرف فیضِ صحبت اور حصولِ علم وغیرہ کے لئے ہے، ان میں استقلال کا واہمہ بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے ان میں استعانت بلاکراہت جائز ہے، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ." (المائدہ:۲)

ترجمہ:... "نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو، اور گناہ اور بُرائی کے کاموں میں معاونت نہ کرو۔"

یا پھر اِستعانت ایسی چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے، جن کے استقلال کا وہم مدارکِ مشرکین میں جاگزین ہے، جیسے استعانت بارواح یا استعانت بروحانیاتِ فلکیہ یا استعانت بروحانیاتِ عنصریہ یا استعانت بارواحِ سائرہ جیسے بھوانی، شیخ سدو وغیرہ اور دفعِ بلا ومصیبت میں یا کارِخیر میں غائبانہ بلاوے کے ساتھ اُن سے استعانت یا انہیں

حاضر ناظر جاننا، یہ سب باتیں عینِ شرک اور ملتِ اسلامیہ کے عقائد کے منافی ہیں۔

عبادت و اِستعانت کن وجوہ پر ہے؟

نیز معلوم ہونا چاہئے کہ عبادت و اِستعانت کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، مثلاً:

۱:... کسی کے کمالِ ذاتی کی وجہ سے عبادت و اِستعانت کی جائے۔

۲:... یا اس واسطے اِستعانت وعبادت کی جائے کہ اس کی رُبوبیت محیطِ کل ہے اور اعانت حقِ رُبوبیت ہے۔

۳:... یا کسی سابقہ نعمت کی بنا پر عبادت و اِستعانت ہو۔

۴:... یا اس واسطے عبادت و استعانت ہو کہ تلفِ نعمت یا نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

ایسی قسمیں وصفِ عمومی کے لحاظ سے اور ایجاد و اقدار کی حیثیت سے صرف ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں، بنابریں عبادتِ غیراللہ ممنوع، حرام اور کفر ہے، کیونکہ یہ سب رَبّ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور اِستعانت مختصہ بحق تعالیٰ یہ ہے کہ مشرکین غیراللہ سے اِستعانت کرتے ہیں، اور ہم صرف اسی سے اِستعانت کرتے ہیں، کیونکہ ہر طرح کی اعانت اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

نکتہ:... اس بات کو، کہ ہم رَبّ کی عبادت کرتے ہیں، اور اسی سے استعانت کرتے ہیں، عربی زبان میں کئی طرح ادا کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

۱:... ایاک نعبد و نستعین.

۲:... لک نعبد و نستعین.

۳:... لک نعبد وبک نستعین.

۴:... لا نعبد الا ایاک، ولا نستعین الا ایاک.

پہلی عبارت میں یہ نقص تھا کہ مکرّر نہ آنے کی وجہ سے اس جملہ کو علیحدہ جملہ شمار کر کے مطلب یوں کیا جاتا کہ حصر صرف عبادت میں شمار کیا جاتا، استعانت میں شمار نہ کیا جاتا۔

دوسری عبارت میں نقص یہ تھا کہ لام نفع کا بھی شمار ہوسکتا ہے، حالانکہ عبادت اور اعانت میں خدا تعالیٰ کا قطعاً کوئی نفع وابستہ نہیں۔

تیسری عبارت میں یہ نقص تھا کہ "بک نستعین" سے وہم ہوسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ خود محبوب و مقصود نہیں، بلکہ صرف بندہ اور محبوب میں آلہ ہے۔

چوتھی عبارت میں اگر چہ اور کوئی نقص نہیں مگر یہ منفی عبارت ہے، مثبت نہیں، اور موجودہ عبارت اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مقامِ مناجات میں منفیات کی طرف التفات کم ہونا چاہیئے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ:

ہدایت کے کئی مراتب ہیں، مثلاً: ہدایت کے معنی: مطلوب کی طرف راہ دکھانا ہے، یا تو الہامی طور پر، جیسے بچے کو ماں کا پستان چوسنے کا القا کیا جاتا ہے، یا بچہ اپنی شکایت کا روکر اظہار کرتا ہے، یا ظاہری و باطنی حواس کے ساتھ یا عقل کی راہ نمائی کے ساتھ یا دلائلِ عقلیہ کے ساتھ یا رسولوں کے بھیجنے کے ساتھ، پہلی ہدایت الہام ہے، پھر ہدایتِ حواس ہے تاکہ نیک و بد کو سمجھے، پھر جہاں حواسِ ظاہری و باطنی نہیں پہنچ سکتے وہاں عقل عطا فرمائی گئی، تاکہ حواس سے جانی ہوئی چیزوں سے کلیہ قاعدہ سے اخذ کر سکے، اگر عقل کو پتا نہ چلے تو حواس و عقل کی مدد سے دریافت کرنے کے لئے دلائلِ نظریہ عطا فرمائے، اور جو چیز عقل اور دلائلِ نظریہ کے ساتھ بھی مدرک نہ ہو یا وہم وخیال کے ادراک میں معارضہ کرے، تو ہدایت کی خاطر رسول بھیجے۔

انزالِ کتاب کی دو قسمیں:

انزالِ کتاب دو قسم ہے: عام اور خاص۔

عام یہ کہ خیر وشر کی راہ کو واضح کیا، پھر یہ بھی دو قسم ہے: تبیانی اور توفیقی۔

تبیانی یہ ہے کہ جو کچھ رسول لائے، ان کی اس حد تک تشریح ہو کہ اس کی فہمِ مراد میں کچھ شک وشبہ نہ رہے، اس کو عرفِ فقہاء میں ابتلا کہتے ہیں۔

اور توفیقی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے کسی شخص کے حق میں ہدایت کے اسباب فراہم ہو جائیں اور اس پر تمسّک کی راہ آسان فرما دیں، تا کہ وہ سعادتِ ابدیہ اور برگزیدگی کے مقام پر پہنچ جائے، توفیق کی انتہا دُنیا میں دریافتِ حق اور آخرت میں بہشت ہے۔

انزالِ کتاب خاص: یہ ہے کہ عالمِ نبوّت یا عالمِ ولایت کا نور کسی شخص کی قوتِ مدرکہ پر چمکے اور اسے حقائقِ اشیاء کا پورے کا پورا علم حاصل ہو، پھر اس کے بھی تین درجے ہیں۔

ہدایت کے تین درجے:

۱:... ہدایت من اللہ: جیسے قرآنِ پاک میں آیا ہے: "قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى"۔ (البقرہ:۱۲۰)

۲:... ہدایت الی اللہ: جیسے قرآن میں آیا ہے: "اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ"۔ (الصافات:۹۹)

۳:... ہدایت باللہ: جیسے حدیث شریف میں آیا ہے: "لولا اللہ ما اهتدينا"۔

ایک بات اور بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ہدایت کے معنی صرف راستے کا نشان بتلا دینا ہو تو اسے متعدی بالی لاتے ہیں، اور اگر اس کے معنی وصولِ راہ ہو تو اسے

متعدی بلام لاتے ہیں، اور اگر غیر سے منقطع کر کے مقصد تک پہنچانا مقصود ہو تو اسے بغیر کسی حرف کے متعدی کرتے ہیں، لہٰذا لفظ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں بندے کو انتہائی عاجزی کے اظہار کا حکم ہے کہ راستے کے نشان دینے یا راستے پر پہنچانے کی طلب پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت دلیلِ راہ اور رفیقِ مسافت نہ ہو مقصود حاصل نہ ہوگا۔

اور ''اِهْدِنَا'' میں صیغۂ جمع لانے کی وجہ بھی وہی ہے جو ''نَعْبُدُ'' میں بیان ہو چکی ہے، خصوصاً یہ مقامِ دُعا ہے اور دُعا سب مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اس کی قبولیت کی زیادہ اُمید ہے، اور پھر جب حمد سب حمد کرنے والوں پر مشتمل ہے، اور عبادت و استعانت میں بھی سب شامل ہیں تو ضروری طور پر ہدایت میں بھی سب کا ذکر زیادہ مناسب ہے۔

طریقِ مستقیم کی تشریح:

فائدہ:... سلوک کی راہ میں طریقِ مستقیم اعتدال کا راستہ ہے، جو افراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے، افراط و تفریط دونوں بُرے ہیں، اس کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

آدمی میں تین قوّتیں:

آدمی میں تین قوّتیں ہیں، اور انہیں تین قوّتوں کے اعتدال کا نام صراطِ مستقیم ہے۔

ا:... قوّتِ نطقیہ: اسی کو عقلیہ بھی کہتے ہیں، اور اس کا کام حقیقت کو دریافت کرنا ہے۔ پھر حقائق یا ذات و صفات باری تعالیٰ کے ہوں گے یا دُنیا و آخرت میں اس کے آثار افعال کے، اَرواح، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کے ہوں گے،

یا معاملاتِ قبر، دوزخ، بہشت، حساب و میزان وغیرہ کے، یا دوسرے اجسام و اغراض کے ہوں گے۔

تفکرِ علمِ الٰہی میں افراط وتفریط:

الف، ب:... ذات وصفاتِ باری تعالیٰ یا اس کے جو افعال و آثار دُنیا و آخرت میں ہیں اس کا نام علمِ الٰہی ہے، اس میں افراط وتفریط یوں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں تفکر شروع کرے اور اسرار کے دریافت کرنے کے درپے ہو، یا اللہ تعالیٰ کی صفات کی مطلقاً نفی کردے (تنزیہ کی خاطر)، یا اُن صفات کا ایسے طریقے پر اثبات کرے کہ خالق کو مخلوق کا ہم رنگ بنادے، یا اُن صفات کا جو شریعت میں ثابت ہیں، تأویلِ باطل سے ان کا انکار کرے، جیسے سمع، بصر، رُؤیت، غضب اور کلام وغیرہ کا انکار کرے، یا اللہ تعالیٰ کے افعال کو معلق باغراض خیال کرے، یا اپنی عقل کے مطابق خدا تعالیٰ کے لئے کئی چیزیں اصلح والطف شمار کرکے ضروری سمجھے، یا انسان کے افعال کی انسان کی طرف ہی نسبت کرے، اور ان افعال میں اللہ تعالیٰ کی تأثیر کا منکر ہو، یا انسان کو بالکل پتھر کی طرح بے دخل سمجھے، اور ''جبریہ'' بن جائے، یا ہچوں قسم کے عقائدِ باطلہ رکھے۔

علمِ نبوّت میں افراط وتفریط:

ج:... اَرواح، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کے حقائق کا نام علمِ نبوّت ہے، اس میں افراط وتفریط یہ ہے کہ: ان مراتب و مناصب کی اصطلاح کا انکار کرے، یا انبیاء علیہم السلام کی عصمت ومحفوظیت اَز خطا کا منکر ہو، اور اپنی طرح انہیں دُنیوی اغراض میں لتھڑا ہوا اور حاجاتِ نفسانیہ سے مغلوب شمار کرے، یا اولیاء وائمہ کے بتوں کو انبیاء کے مراتب تک پہنچائے، یا انبیاء و مرسلین کے لئے لوازمِ

اُلوہیت ثابت کرے، جیسے ان کے لئے عالم الغیب ہونا مانے، یا ہر جگہ ہر آدمی کی فریاد، ہر وقت سن سکنا مانے، یا جمیع مقدورات پر ان کی قدرت ثابت کرے، یا ملائکہ اور اَرواحِ انبیاء و اولیاء کی تصویریں، قبریں یا تعزیئے بنا کر پوجے، یا ان سے رزق و اولاد وغیرہ کی بالاستقلال درخواست کرے، اور ان کی سفارش کو بارگاہِ خداوندی میں واجب القبول سمجھے۔

علمِ معاد وسمعیات میں افراط وتفریط:

د:... معاملاتِ قبر، دوزخ، بہشت، حساب اور میزان کو علمِ معاد و سمعیات کہتے ہیں، ان میں افراط وتفریط یہ ہے کہ: ایمان کو اپنی نجات کے لئے اتنا مؤثر مانے کہ گناہوں کے ارتکاب پر کچھ بھی خطرہ محسوس نہ کرے، یا ایمان کو اتنا ساقط الاعتبار سمجھے کہ ہر گناہ سے اس کے مٹ جانے کا اعتقاد رکھے، یا اللہ تعالیٰ کو مقامِ مکافات میں ایسا بے اختیار سمجھے کہ وہ صرف بندے کے اعمال کا ہی تابع ہوگا، اور معافی کا اسے اختیار ہی نہیں ہوگا، یا بہشت و دوزخ کے معاملات کو دُنیائے فانی کے انقلابات کی طرح فانی شمار کرے۔

علم الجواہر والاعراض میں افراط وتفریط:

ہ:... اجسام و اعراض کے حقائق کو علم الجواہر والاعراض کہتے ہیں، اور علمِ طبیعی وریاضی بھی نام رکھتے ہیں، ان میں افراط وتفریط یہ ہے کہ: علوم کی شرح و بسط میں اس قدر تعمق کرے کہ ہیئت و ہندسے سے گزر کر طلسمات تک پہنچ جائے، اور لایعنی خواص وتأثیرات کے حصول میں مصروف ہو، یا جس قدر ان علوم کی دین و دُنیا میں ضرورت ہے، ان کی بھی تحصیل نہ کرے۔

قوّتِ شہویہ میں افراط، تفریط اور اعتدال:

۲:...قوّتِ شہویہ: جو جذبِ منافع اور خواہشِ مرغوب کا وسیلہ ہے، اس میں افراط کا نام فجور، اور تفریط کا نام جمود ہے۔

فجور: یہ ہے کہ آدمی لذتوں اور مرغوبات منہیہ میں پڑ جائے۔

جمود: یہ ہے کہ آدمی نکاح اور طعام غیرمشتبہ سے پرہیز کرے، اس میں اعتدال عفت کہلاتا ہے، یعنی خواہش کو عقل و شرع کے تابع بنالیا جائے، تاکہ عبادت میں اِخلاص پیدا ہو۔ عفت سے بہت سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، مثلاً: حیا، صبر، قناعت، پرہیزگاری، جواں مردی، سخاوت اور سخاوت کے توابع ایثار، کرم، عفو، مروت اور معاملات میں حسن معاملات وغیرہ۔

قوّتِ غضبیّہ میں افراط، تفریط اور اعتدال:

۳:...قوّتِ غضبیّہ: جو پُر خطر کاموں میں مبدأ اقدام ہوتی ہے، اس کا تقاضا تسلّط، ترفع اور غیر کی مضرت کو دفع کرنا ہوتا ہے، اس میں افراط کا نام تہوّر (بے جا جرأت) اور تفریط کا نام جبن (بزدلی) ہے، اس میں اعتدال کا نام شجاعت ہے۔ پھر شجاعت سے بہت سے اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں، مثلاً: علوِ ہمت، استقلال، حلم اور تحمل وغیرہ۔

حکمت و عدالت:

قوّتِ نطقیہ کے اعتدال کا نام حکمت ہے، اس سے صفاء ذہن اور حسنِ تحفظ حاصل ہوتے ہیں، اور اس کی تفریط کا نام بلادت (کند ذہنی) ہے، اور افراط کو خزبرہ کہتے ہیں۔

تینوں قوتوں (نطقیہ، شہویہ، غضبیّہ) میں اعتدال کا نام عدالت ہے، اور عدالت کے توابع میں دوستی، وفا، مکافات، معبودِ مطلق و ملائکہ اور پیغمبران و اہلِ اَمر کے حقوق کی ادائیگی، اور شرع شریف کے اَوامر و نواہی کی تابع داری، اور یہی کمالِ تقویٰ ہے۔

فائدہ:...قوتِ نطقیہ انسان کی ذاتی چیز ہے، جو اس کی رُوح کو بدن کے تعلق سے بھی پہلے حاصل تھی، اور قوتِ غضبیّہ وشہویہ رُوح و بدن کے تعلق کے بعد اسے ملی ہیں۔

کمالِ توسط: قوّتِ نطقیہ وغضبیّہ وشہویہ کا بیان:

لہٰذا قوتِ نطقیہ میں کمالِ توسط یہ ہے کہ اسے اس حد تک استعمال کرے جس سے زیادہ کا استعمال ممکن نہ ہو، اور قوتِ غضبیّہ وشہویہ میں کمالِ توسط یہ ہے کہ انہیں اس حد تک استعمال کرے کہ اس سے کم تر ممکن نہ ہو، اور یہی وجہ ہے کہ طریقِ توسط کا پہچاننا انبیاء علیہم السلام کی اقتدا اور صدیقین و صالحین کی رفاقت کے بغیر دُشوار ہے، اور قدرِ مشترک یہ ہے کہ دِل سے ماسوا اللہ سے اعراض کرنے والا ہو، اور ذکر کے ساتھ پورے طور پر خالق کی طرف متوجہ ہو حتیٰ کہ اگر اپنے فرزند کے ذبح کرنے کا فرمان پہنچے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچا تھا، تو خوشی سے قبول کرے، اور چونکہ بندہ مشیروں، ہادیوں، بچوں، ماں باپ، مہربانوں، دُشمنوں اور اپنے نفس کی کشمکش میں مبتلا ہے اور عقل کمزور اور عمر کوتاہ رکھتا ہے، اس لئے ہمیشہ "اِهْـدِنَا" کہہ کر ہدایت کا سائل و طالب ہوتا ہے، اور ہدایت کے مراتب بھی چونکہ بہت ہیں، اس لئے ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے تک بڑھتا رہتا ہے، اس لئے مؤمن اگر طلبِ ہدایت ہمیشہ کرتا رہتا ہے تو یہ تحصیلِ حاصل نہیں، پھر اس ہدایت کی زیادتی دو طریق پر ہے:

پہلی: علم کے دوام سے یعنی اوقاتِ ہدایت متواتر ہوں اور ان میں وقفے نہ ہوں یا کم ہوں۔

دُوسری: اس طرح کہ دلیلیں بڑھتی رہیں، کیونکہ جو علم ایک دلیل سے حاصل ہوا ہے، اس علم کے برابر نہیں ہوسکتا جو چند دلائل سے حاصل ہوا ہو، اسی لئے آدمی کا علم ہر وقت ترقی کے لئے تیار ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

در بندِ آں مباش کہ مضموں نہ ماندہ است
صد سال می تواں سخن از زلفِ یار گفت

لہٰذا طلبِ علم و ہدایت سے کسی وقت نہ رُکے اور "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" کو یاد رکھے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ!

دُعا منافیٔ رضا بر قضا نہیں:

یہ بھی یاد رہے کہ دُعا رضا بہ قضائے الٰہی کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ رضائے الٰہی اسی میں ہو کہ بندہ انتہائی عاجزی و مسکنت کا اظہار کرے، اور اس کے بعد عطائے الٰہی کا ورود ہو، مشہور شعر ہے:

تا نگرید طفل کے شد لبن
تا نگرید ابر کے خندد چمن

اس میں سب سے بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے نفس منکسر ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہٗ اتمّ!

ہدایت کو اِستعانت پر اس لئے متفرع فرمایا گیا ہے، کہ ہدایت بھی اِستعانت کی ایک قسم ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ:

حق یہ ہے کہ منعمِ حقیقی سوائے خدا کے اور کوئی نہیں، کیونکہ اصل دینا یہ ہے کہ جب دُوسرے پر احسان کیا جائے تو اپنا نفع درمیان میں نہ ہو، اور مخلوق جس قدر بھی انعام کرتی ہے، اس میں کسی نہ کسی طرح اپنا نفع ضرور ملحوظِ خاطر ہوتا ہے۔

منعم علیہم کے چار گروہ:

"اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کے چار گروہ ہیں:

۱:...انبیاء علیہم السلام۔ ۲:...صدیقین۔

۳:...شہداء۔ ۴:...صالحین۔

اور ان کے ساتھ نعمت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کافروں کے حق میں نعمت حقیقتاً نعمت نہیں، کیونکہ ان پر تو احسان منظور ہی نہیں، بلکہ ان کے لئے یہی بلا ونقمت ہے، اس کی شکل صرف نعمت کی ہے، جیسے کسی کو زہر آلود حلوا دیا جائے، یا کوئی فاسد المزاج ہو اور اس کو حلوا دیا جائے، یا کوئی شخص بے وقت اور ضرورت سے زیادہ حلوا کھالے اور اسے ہیضہ ہوجائے، تو یہ حلوا ایسے لوگوں کے لئے نعمت کہاں ہوگا؟ زحمت وکلفت ہی ہوگا! خود قرآن پاک میں آیا ہے:

"وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ.... الآیة." (آل عمران:۱۷۸)

ترجمہ:..."

اِشکال:... ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کے دِل میں یہ بات کھٹکے کہ صراطِ مستقیم تو ایک ہے، پھر اسے "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کے چار گروہوں میں کیوں بند کیا گیا؟ اور یہ سب لوگ مختلف طریقے اور مختلف شرائع رکھتے ہیں، کیونکہ ہر ولی کا طریقہ، اذکار اور

اشغال الگ ہیں، جیسا کہ عربی میں زباں زد ہے:

"الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق."

ترجمہ:..."اللہ کی طرف راستے اتنے جاتے ہیں جتنے لوگوں کے سانس ہیں۔"

جواب:...اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسی طبِ یونانی، کہ اس کے قواعد و اُصول ایک ہیں، مگر ہر طبیب معالجے میں الگ الگ طریقہ اور الگ الگ رائے رکھتا ہے، یا اس کی مثال ایک قافلے کی ہے کہ ان میں سے کوئی ساربان (اُونٹ چلانے والا)، کوئی راہ نما، کوئی سپاہی، کوئی چوکیدار، کوئی مسافر اور کوئی تاجر ہے، یہ سب ایک ہی راستے پر جاتے ہیں، مگر ہر شخص، اپنے منصب و عہدے کے مطابق الگ الگ کام کرتا ہے، اسی طرح یہ چار گروہ (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین) ہیں کہ سب ایک ہی راستے (صراطِ مستقیم) پر جاتے ہیں، مگر ڈیوٹیاں ہر ایک کی مختلف ہیں، اصل دِین میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ قوموں کی استعداد اور وقت کے مصالح کے اختلاف سے صرف طریق کار تبدیل ہو جاتا ہے، مگر راستہ نہیں تبدیل ہوتا۔

فائدہ:... "اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ" میں انعام کی اسناد (نسبت) ذاتِ الٰہی کی طرف اس وجہ سے کی گئی ہے کہ جو کچھ کامل سے آئے گا، کامل ہی ہوگا۔

پھر خطاب کا لفظ لائے، تاکہ بندہ حضور سے غیب کی طرف راجع نہ ہوجائے، کیونکہ یہ ترقی کے بعد تنزل ہوگا۔

پھر ماضی کا صیغہ لائے تاکہ وہ انعام متیقن ہوجائے، کیونکہ مستقبل تو شک میں ہے، اور "اَنۡعَمۡتَ" کا مفعول حذف کیا گیا، تاکہ انعامِ دُنیوی اور اُخروی دونوں کو شامل ہوجائے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ:

لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو اصحابِ نعمت (یعنی انبیاء و اولیاء) کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر پھر گرفتارِ غضب یا گمراہ ہیں، ان دو الفاظ کا استثناء بیان فرما کر یہ واضح فرمایا کہ عوام اس راہِ منحرف کو راہِ مستقیم نہ سمجھ لیں۔

مغضوب اور ضال میں فرق:

مفسرین نے "مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ" اور "ضَآلِّیْنَ" کی تفسیر میں مختلف باتیں کہی ہیں، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ" عاصی ہیں، اور "ضَآلِّیْنَ" جاہل۔

بعض کا قول یہ ہے کہ: "مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ" یہودی ہیں، کیونکہ دُوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: "وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ"، اور "ضَآلِّیْنَ" نصاریٰ ہیں، کیونکہ ان کے لئے دوسری جگہ پر فرمایا گیا: "ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ"۔

بعض لوگ "مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ" سے کافر اور "ضَآلِّیْنَ" سے بدعتی مراد لیتے ہیں، وغیر ذالک من المذاہب!

معلوم ہونا چاہئے کہ "مَغْضُوْبٌ عَلَیْهِمْ" کے دو فرقے ہیں:

۱:...کافر: جو دیدہ و دانستہ عناد و کفر کرتے ہیں۔

۲:...عاصی: جو عمداً فسق کرتے ہیں۔

اسی طرح ضال کے بھی دو فرقے ہیں:

۱:...کافر: جو تقلید کی بنا پر کفر میں پڑے ہوئے ہیں یا کوتاہ نظری کی وجہ سے حقیقتِ دِین ان پر واضح نہیں ہوئی۔

۲:...عاصی: جو عفوِ الٰہی کے اعتماد پر ارتکابِ معاصی کرتے ہیں یا تأمل و

طلبِ علم میں کوتاہی کی وجہ سے نادانستہ ارتکابِ منہیات ہوگیا۔

فائدہ:... ضلال وغضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی، جیسا کہ "اَنۡعَمۡتَ" میں انعام کی نسبت کی گئی ہے، کیونکہ انعام بغیر سابقہ استحقاق کے محض انعام ہے، اور غضب شومیٔ اعمال کے سبب سے ہے، اور گمراہی کوتاہیٔ ادراک کی بنا پر ہے، گویا اللہ تعالیٰ جیسے انعام میں فاعلِ حقیقی ہے، ضلال وغضب میں فاعلِ حقیقی نہیں، بلکہ ان کا صدور اللہ تعالیٰ سے بندوں کے استحقاق کی بنا پر ہوا۔

"مَغۡضُوۡبٌ عَلَيۡهِمۡ" کو "ضَآلِّيۡنَ" سے پہلے لانا، اس بات کی علامت ہے کہ آخرت میں ان کی حالت "ضَآلِّيۡنَ" سے زیادہ تباہ تر اور رُسوا تر ہوگی۔

فائدہ:... عام مؤمنین کو صالحین کی رفاقت طلب کرنا چاہئے، اور صالحین کو شہیدوں کی رفاقت ڈھونڈنا چاہئے، اور شہیدوں کو صدیقین کی رفاقت اور صدیقوں کو ہمیشہ انبیاء کی رفاقت رکھنا چاہئے۔

اگر عوام انبیاء کی رفاقت چاہتے ہیں، تو انہیں درجہ بدرجہ ان تینوں گروہوں کی رفاقت ضرور کرنا پڑے گی، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ اسلام میں اہل اللہ کے طریق میں داخل ہونا، اور ان سے توسل کرنا اچھا شمار کیا گیا، اور توسل کے معنی یہ ہیں کہ قول اور عمل میں شریعتِ مطہرہ کے فرمان کے مطابق ان کی متابعت کی جائے، لہٰذا لازم ہے کہ ان گروہوں کی معرفت بھی حاصل ہو، اس لئے ہم ذیل میں ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تعریف لکھتے ہیں:

نبی کی تعریف:

نبی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ تربیتِ بشری کے واسطہ کے بغیر خود کامل ومکمل بنائے، اس طرح کہ رُوح القدس کی تاثیر اس کی نظری وعملی قوتوں میں ایسے طریقے پر

آجائے کہ اس کی معلومات میں شک وشبہ راہ نہ پا سکے، اور قوّتِ عملی سے ایسا ملکہ پیدا ہوجائے کہ اعمالِ صالحہ پوری رغبت سے اس سے صادر ہوں، اور کمالِ نفرت کی وجہ سے بُرے اعمال سے محفوظ رہے، جب اس کے قوائے بدنی حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور عقلِ تجربی بھی حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسے مخلوق کی طرف مبعوث فرمادیا جاتا ہے، پھر معجزات کے ساتھ اس کی تصدیق بھی کردی جاتی ہے۔

معجزہ کبھی جنسِ کلام سے ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید، اور کبھی جنسِ افعال سے ہوتا ہے، جیسے انگلیوں سے پانی کا جاری کردینا، اور معجزات کے ساتھ ساتھ اُسے عقلی آیات بھی دے دی جاتی ہیں، جو خواص کے ایمان کا موجب بنتی ہیں۔ چنانچہ معجزات بھی موجبِ ایمان ہوجاتے ہیں، اور جب کوتاہ بیں معجزات سے استدلال کرتے ہیں، تو کامل، کمالات سے دلیل لاتے ہیں۔ اور اخلاقِ کریمہ، علومِ صادقہ، بیانِ شافی، حجتِ واضح اور انوارِ صحبت (جس کے عکس وفیض سے ناقص لوگ کامل ہوتے ہیں) بھی آیاتِ عقلیہ میں سے ہیں۔ پس اگر معجزات وآیاتِ عقلیہ کی تصدیق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نہ ہو، تو عقلِ محض، خصوصاً عوام کی عقلِ محض ان باتوں کو باور ہی نہیں کرسکتی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کبھی ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو عقل باور کرلیتی ہے، جیسے وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی صفاتِ کمال، اور کبھی ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جنھیں عقل بالاستقلال نہیں پاسکتی، جیسے ثواب وعتاب وغیرہ کی تفصیلات۔

صدیق کی تعریف:

صدیق وہ ہے جس کی قوّتِ نظری انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہو، اور ابتدائے عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی بات کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، اور عزم میں تردّد نہیں کرتا، اور اس کا ظاہر وباطن یکساں ہوتا ہے، کسی پر لعن وطعن نہیں

کرتا، اور تعبیرِ رُؤیا کا علم اچھی طرح جانتا ہے، اور مقدماتِ دینیّہ میں اس کی نفسانی خواہش کا اختلاط نہیں ہوتا، مگر اس کی قوتِ عملی انبیاء علیہم السلام کی قوتِ عملی سے ناقص ہوتی ہے۔

شہید کی تعریف:

شہید وہ ہے جس کی قوتِ عملی انبیاء علیہم السلام کی قوتِ عملی سے قریب تر ہوتی ہے، اور قوتِ نظری ان سے ناقص ہوتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ ان تک پہنچایا ہے، اسے اس طرح قبول کرتا ہے گویا اسے دیکھ رہا ہے، اسی واسطے اس کے لئے جان دینا آسان ہوتا ہے، ایسا آدمی ضروری نہیں کہ ظاہری طور پر بھی مقتول ہوجائے، خواہ وہ مقتول نہ بھی ہو تب بھی شہید ہے۔

صالح کی تعریف:

صالح وہ ہے جس کی قوتِ نظری و عملی دونوں انبیاء علیہم السلام کے مرتبۂ کمال سے کم تر ہوں، لیکن کمالِ متابعت سے اپنے ظاہر کو معاصی سے پاک اور اپنے باطن کو اعتقاداتِ فاسدہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے دُور رکھے ہوئے ہو، اور یاد میں اس طرح ہو کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہ ہو۔

ولی اللہ کی علامات:

اگرچہ ولی کے لفظ کا اطلاق ان تینوں گروہوں پر ہوتا ہے، لیکن زیادہ تر اس کا اطلاق صالحین پر ہی کیا جاتا ہے، اور ان گروہوں کی مشترکہ علامات یہ ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ جل ذکرہٗ ان کو دوست رکھتا ہے، اور ان کے رزق کا خود کفیل ہوتا ہے، ایسے طریق پر کہ سب لوگوں سے ممتاز رکھتا ہے، اور مسافرت میں ان کا انیس ہوتا ہے، اور انہیں ایسی عزتِ نفس عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے ملوک و اُمرا کی خدمت

کے لئے کسی طرح راضی نہیں ہوتے، ان کی ہمت بلند فرماتا ہے، اسی وجہ سے دُنیا کی مکروہات سے وہ آلودہ نہیں ہوتے، اور ان کا شرحِ صدر کر دیتا ہے، اسی بنا پر وہ تکالیف و شدائد سے تنگ دِل نہیں ہوتے، اور اس کی مکافات میں اُن کے کلام و افعال کی برکت ان کے ہم صحبتوں اور ان کی اولاد میں پے در پے ظاہر ہوتی رہتی ہے، ان کی دُعائیں اکثر قبول ہوتی ہیں۔

توسل ولی کی صورت:

جو شخص بھی کسی حاجت میں ان سے توسل کرے اور کہے کہ: اے اللہ! ان کی برکت سے میرا یہ کام آسان فرما، اس کی حاجت رَوائی ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ ان کی کچھ اور خصوصیات عالَمِ برزخ وملکوت میں بھی ہوتی ہیں جن کو عوام نہیں سمجھ سکتے۔

ولی اللہ کے متبعین ہادی و مہدی ہیں:

جو شخص ان حضرات کا متبع ہوگا وہ ہادی و مہدی ہے، اور جو ان کا متبع نہیں یا "مَغضُوبٌ عَلَیۡهِ" ہے یا "ضَالٌّ" ہے، اگر چہ اپنے آپ کو ان کے سلک (لڑی) میں شمار کرتا رہے، جیسے یہود و نصاریٰ جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے اَتباع میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اِتباع سے دُور ہیں۔

یا شیعہ حضرات! جو اپنے آپ کو اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ عقائد، اعمال اور اخلاق میں وہ ان بزرگوں کے ساتھ کچھ بھی مماثلت نہیں رکھتے۔

یا وہ بے قید و بے دِین ملحد: جو اپنے آپ کو سہروردی، قادری اور چشتی وغیرہ کہتے ہیں، مگر اعمال و اشغال میں ان سلاسل کے لوگوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے۔

ضلالت کے اسباب ونتائج:

فائدہ:...ضلالت، ایسی راہ کو اختیار کرنا ہے جو مطلب تک نہ پہنچائے، یہ یا تو بسبب غفلت کے ہوتا ہے، جیسے لذاتِ حسیّہ کو لذاتِ رُوحانیہ پر ترجیح دی جائے۔

یا نفس کسی شبہ کی بنا پر خواہش ہی میں سکون پاتا ہے، جیسے یہ لوگ کہا کرتے ہیں: نو۹ نقد نہ تیرہ۱۳ اُدھار، اوراس طرح آخرت سے غافل ہوجاتے ہیں۔

یا نفس کا دِل پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ غلبہ کبھی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ عملِ خیر سے تنگ دِل ہوجاتے ہیں اور عملِ بد میں خوب انشراحِ خاطر ہوتا ہے، اور یہ بہت ہی بُری چیز ہے، کیونکہ کچھ دن متواتر ایسا رہنے سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

"كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ." (المطفّفین:۱۴)

ترجمہ:..."ان کے اعمال نے ان کے قلوب کو زنگ آلود کردیا۔"

اس کے بعد "غِشَاوَةٌ" کا درجہ ہے، اس کے بعد "طَبَعَ" کا اس کے بعد "خَتَمَ" کا، اس کے بعد "موتِ قلب" کا اوراس کے بعد:

"لَا يَنْفَعُهُ الْاٰيَاتُ وَالنُّذُرُ"

ترجمہ:..."نہ آیات نفع دیتی ہیں نہ تخویف۔"

کا مرتبہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے، آمین!

نیکی کے درجات:

اس کے برعکس اگر نفس حسنات پر صبر کرے تو سب سے پہلے انشراحِ صدر

ہوتا ہے، پھر امتحان قلب للتقویٰ حاصل ہوتا ہے، پھر مرتبۂ نزولِ سکینت ہے، اور اگر یہ مرتبہ انتہا کو پہنچ جائے تو عصمت و حفاظت کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

غضب و ضلال لانے کا نکتہ:

غضب و ضلال کے یہ دو لفظ اس لئے لائے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے عدول دو طریق پر ہوتا ہے، یا اس طرح کہ آدمی کفر میں معاند ہو اور دیدہ و دانستہ احکامِ الٰہی کا انکار کرے، یا عمداً ارتکابِ معاصی کر کے اپنے آپ کو مستوجبِ غضب بنالیا ہو، خواہ کفر کی حد تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، یا کفر و معاصی میں کسی کی تقلید یا تقصیرِ فہم یا کرمِ الٰہی پر اعتماد کی وجہ سے منہمک ہو، جیسا کہ گزرا ہے، اسے ضلال کہتے ہیں۔

فائدہ جو ساری سورت کے متعلق بیان ہوا:

اس سورت کو نماز میں پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اعمالِ محسوسہ میں سے نماز کے سات رُکن ہیں:

۱:...قیام۔ ۲:...رُکوع۔ ۳:...قومہ۔ ۴:...سجدۂ اُولیٰ۔
۵:...جلسہ بین السجدتین۔ ۶:...سجدۂ ثانیہ۔ ۷:...قعدہ۔

(بعض علماء کے نزدیک قومہ و جلسہ رُکن نہیں ہے) اور اس سورت کی آیات بھی سات ہیں۔

سجدوں کی تمثیل:

پہلے سجدے کی اَزل سے مناسبت ہے، اور دُوسرے کی ابد سے، اور دونوں کے درمیان جلسہ کی مثال اس دُنیا کی ہے، جو دو عدمین نیستی کے درمیان موجود ہے، نیز سجدۂ اُولیٰ اشارہ کرتا ہے کہ دُنیا آخر میں فنا ہوگی، اور سجدۂ ثانیہ اشارہ کرتا ہے کہ

آخرت جلالِ الٰہی میں فنا ہوگی، اور یہ دونوں سجدے بندے کی بندگی کے دو شاہدانِ عدل ہیں۔

فائدۂ پنج گانہ اور اسمائے حسنٰی سے پانچ سوال کی مناسبت:

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ہیں:

۱:...اللہ۔ ۲:...رَبّ۔ ۳:...رحمٰن۔
۴:...رحیم۔ ۵:...مالک۔

اور بندے کی صفات بھی پانچ بیان کی گئیں:

۱:...عبادت۔ ۲:...اِستعانت۔ ۳:...طلبِ ہدایت۔
۴:...اِستقامت۔ ۵:...طلبِ نعمت و پناہ اَز غضب۔

ان کے باہمی تعلق کو یوں خیال فرمایئے:

۱:...عبادت کا تعلق اللہ سے ہے۔
۲:... اِستعانت کا تعلق رَبّ سے ہے۔
۳:...طلبِ ہدایت کا تعلق رحمٰن سے ہے۔
۴:...طلبِ اِستقامت کا تعلق رحیم سے ہے۔
۵:...طلبِ نعمت و پناہ اَز غضب کا تعلق مالک سے ہے۔

انسان سے مناسبت:

اسی طرح آدمی بھی پانچ چیزوں سے مرکب ہے:

۱:...بدن۔ ۲:...نفسِ شیطانی۔ ۳:...نفسِ سبعی۔
۴:...نفسِ بہیمی۔ ۵:...جواہرِ ملکی۔

اس کی مختصر تشریح بھی ملاحظہ ہو:

ا:... جوہرِ ملکی کا اطمینان اسمِ اللہ کی تجلی سے ہوتا ہے:

"اَلا بِذِکرِ اللہِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ." (الرعد:۲۸)

ترجمہ:... "اللہ ہی کے ذکر سے دِل مطمئن ہوتے ہیں۔"

۲:... نفسِ شیطانی کی نرمی و انقیاد اسمِ رَبّ کی تجلی سے حاصل ہوتا ہے:

"رَبِّ اَعُوذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ."

(المؤمنون:۹۷)

ترجمہ:... "اے میرے رَبّ میں شیطانی وساوس سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔"

۳:... نفسِ سبعی کی اصلاح اسمِ رحمٰن کی تجلی سے متعلق ہے:

"اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ." (الفرقان:۲۶)

ترجمہ:... "ملک حقیقتاً آج رحمٰن ہی کا ہے۔"

۴:... نفسِ بہیمی کی اصلاح اسمِ رحیم کی تجلی سے ملحق ہے:

"وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ." (القصص:۷۳)

ترجمہ:... "اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ آرام کرسکو، اور پھر اس کا فضل طلب کرو اور شکر کرو۔"

۵:... بدن سے غلاظت و کثافت کا ازالہ صفتِ ملکیت کی تجلی سے متعلق ہے:

"لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ."

(المؤمن:۱۶)

ترجمہ:... "آج ملک کی مالکیت کس کی ہے؟ خدائے یکتا و برتر کی ہے!"

جب آدمی ان اسماء کی تجلیات سے مہذب و اصلاح یافتہ ہوجاتا ہے، اور اپنے مطلب کی طرف رُجوع کرتا ہے، تو وہ:

ا:... بدن کی اطاعت کے لئے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کہتا ہے۔

۲:... نفسِ بہیمی کی اطاعت کے لئے (تاکہ ترکِ لذات کرسکے) "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہتا ہے۔

۳:... اور نفسِ سبعی کے استیلا سے خلاصی کے لئے "اِھْدِنَا" کہتا ہے۔

۴:... اور مکائدِ نفسِ شیطانی کے دفعیہ کی خاطر طلبِ استقامت کرتا ہے۔

۵:... اور جوہرِ ملکی (عقل) کی اصلاح کی خاطر اَرواحِ مقدسہ کی مرافقت ڈھونڈتا ہے اور "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" کہہ کر اَرواحِ خبیثہ سے دُوری چاہتا ہے۔

سورت کے نام اور وجوہ تسمیہ:

اس سورۂ شریفہ کے نام بہت سے ہیں، ان میں سے کچھ ناموں کو، وجہ تسمیہ سمیت ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ جو فوائد اس سورۂ شریفہ میں ودیعت فرمائے گئے ہیں، ان میں سے کچھ نہ کچھ منکشف ہوسکیں۔

ا:... **فاتحۃ الکتاب**: یہ نام اس لئے پڑا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن شریف) اسی سے شروع ہوتی ہے، بلکہ اس کی "بسم اللہ" اور "حمد" کی آیات ہر کتاب کے شروع میں آتی ہیں، ہر چیز کا وجود اس وقت دُنیا میں آتا ہے، جب اس پر اسمِ الٰہی کا ظہور ہو، اور ہر چیز کی بقا اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے۔

اس کے علاوہ اس وجہ سے بھی اسے فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے کہ وہ فضائلِ علوم کو کھول دیتی ہے۔

چنانچہ ''بسم اللہ'' میں اللہ تعالیٰ کی ذات و اسماء کی طرف اشارہ ہے، جو ہزاروں سے بھی متجاوز ہیں، اور سارے کا سارا دین اور شریعت اسی معرفت اور عبادت کے لئے ہے۔

''اَلرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی صفاتِ کمال کے ساتھ اس دُنیا میں موجود ہے، اور وہی منتہائے علوم ہے، اور ''حمد'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی ان نعمتوں کا شکریہ بھی لازم ہے جو ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، اور انہیں میں سے وہ نعمتیں بھی ہیں جو اطبائے ماہرین نے بدنِ انسانی میں بتلائی ہیں کہ اس میں پانچ ہزار فائدے ہیں۔

''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ قسم قسم کی موجودات ہیں، کچھ اَرواح، کچھ اَجسام، کچھ اَعراض، پھر کچھ اَجسام شہادی ہیں، کچھ مثالی ہیں۔

''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' ہر قسم کی نیکیوں اور برکتوں اور ساری آفتوں سے خلاصی ورُستگاری کی طرف اشارہ ہے۔

''مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ نفوس مفارقتِ ابدان کے بعد باقی رہیں گے، بعض ان میں سعید اور بعض شقی ہوں گے، اور نیچے اُوپر والی ساری دُنیا فنا ہوگی، اور موت کے بعد زندہ کرکے حساب و کتاب کیا جائے گا، اور بہشت و دوزخ میں جزا وسزا ملے گی، اور یہ مطلب علمِ اعتقاد کے اجل مطالب میں سے ہے۔

''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' سے اُن قلبی اور جسمانی عبادات کی طرف اشارہ ہے جو فقہ اور سلوک کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں ان مختلف صنعتوں اور حرفتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس دُنیا میں رائج ہیں، کیونکہ اولادِ آدم کی سب صنعتیں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اللہ کی مخلوق کے انہماک سے وجود میں آئیں۔

فائدہ:... بنی آدم کی جس قدر صنعتیں ہیں، وہ تین طریقوں سے وجود میں آئیں:

۱:... استنتاج: یعنی دو چیزوں کو ملایا اور تیسری چیز وجود میں آگئی، جیسے بیج زمین میں ڈالا اور اس سے کھیتی وجود میں آگئی،صغریٰ کبریٰ ملایا اور نتیجہ نکال لیا۔

۲:...استخدام: کسی چیز کی قوتِ منفعت کو اپنے کام میں لانے سے، جیسے جانوروں سے سواری کی خدمت لینا، مزدوروں سے کام لینا وغیرہ۔

۳:...ایک مخلوق سے دُوسری مخلوق: یعنی ایک مخلوق کے توسط سے دوسری مخلوق کی شکل یا کیفیت کا پیدا کردینا، جیسے مسالے اور آگ کے ذریعے سونے کو سکے کی شکل میں ڈھال لینا، اسی طرح حکایتِ اصوات، نغمات اور خوشبوؤں کا حال ہے کہ جن سے علمِ موسیقی وعطاری کی صنعتیں وجود میں آئیں۔

"اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" میں اشارہ ہے کہ علوم ومعارف کے حصول کے دو طریقے ہیں: استدلال وتصفیہ۔ پہلے کو مشائین کا طریقہ اور دُوسرے کو اشراقیین کا طریقہ کا نام رکھتے ہیں۔

"صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" سے نبوّت و ولایت کے کمالات، اعتقاداتِ صحیحہ، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کی طرف کی اشارہ ہے، اور "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ" سے کفار ومبتدعین کے فرقوں اور اعمالِ فاسدہ واعتقاداتِ باطلہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲:... الحمد: اس سورت کا دُوسرا نام الحمد ہے، کیونکہ اس کی ابتدا میں لفظ "الحمد" موجود ہے، پھر اس سورت کی حمد ہر قسم کے محامد پر مشتمل ہے۔

۳:...الشکر: اسے سورۃ الشکر بھی کہتے ہیں، کیونکہ حمد ہی شکر کی بنیاد ہے، اور شکر تین طرح کا ہوتا ہے: دِل سے محبت کرنا، زبان سے تعریف کرنا اور اعضاء و جوارح سے خدمت کرنا۔

۴:... **سورۂ کنز:** بھی اس کا نام ہے، کیونکہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: سورۂ فاتحہ ایک ایسے خزانے میں سے آئی ہے جو عرش کے نیچے ہے، یعنی ان اسرار و معارف کی وجہ سے جن میں ذات، صفات، افعال، معاد اور علمِ مخاصمت و علمِ اَحکام کی بحث ہے۔

۵:... **سورۃ المناجات:** اس کا ایک نام سورۃ المناجات بھی ہے، کیونکہ نمازی اس سورت کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں مناجات کرتا ہے۔

۶:... **السبع المثانی:** بھی اس کا نام ہے، یعنی وہ سات آیتیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

۷:... **قرآن عظیم:** اس کو قرآنِ عظیم بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ثواب کے لحاظ سے یہ سورت افضل و اعظم سورتوں میں سے ہے۔

۸:... **اُمّ الکتاب:** بھی اسے کہتے ہیں اور اُمّ القرآن بھی، کیونکہ اس سورت میں وہ تینوں علوم موجود ہیں جو بندے کے علمی و عملی کمال پر مشتمل ہیں، اور وہ تین ہیں:

الف:... علمِ شریعت۔

ب:... علمِ طریقت، یعنی دلوں کے معاملات کی پہچان۔

ج:... اور علمِ حقیقت، یعنی مکاشفاتِ اَرواح کو جاننا۔

الف:... علمِ شریعت کی دو قسمیں ہیں: ۱:... اُصولِ عقائد۔ ۲:... فروعِ اَحکام۔

علم اُصولِ عقائد:

پھر علمِ اُصولِ عقائد کی چھ قسمیں ہیں:

۱:...ذات کی معرفت:

علمِ اُصولِ عقائد میں معرفتِ ذات سب سے پہلے ہے، اور وہ، وہ چیز ہے کہ ساری موجودات اس کے ساتھ قائم ہیں، جیسے جسم رُوح کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

۲:...ذاتِ پاک کے وجود کی معرفت:

پھر اس ذاتِ پاک کے وجود کی معرفت ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ممکن کی دوطرفوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے، پس یقیناً وہ موجود ہوگا۔

۳:...صفات کی معرفت:

پھر اس کی صفات کی معرفت ہے، جو سب صفاتِ کمال ہیں، جو حدِ کمال کا سبب ہیں، اور اس کی دلیل تربیت ہے، کیونکہ پروَرِش سوائے حیات، علم، ارادہ اور قدرت کے متصوّر ہی نہیں ہوسکتی، اور رحمت بھی اس کی دلیل ہے، کیونکہ رحمت کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز درکار ہو اسے بخش دینا، اور ایسا ہونا بغیر اس علم کے نہیں ہوسکتا کہ معلومین کا حال تفصیل سے معلوم ہو، اور ان میں سے جو چیز جس کے لائق ہو اس کا حال معلوم ہو، اور ہر چیز کے پہنچا دینے کی قدرت بھی ہو، اسی طرح عالم کی چیزوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور ان میں ایک کی تدبیر کا کارگر ہونا سب میں ممکن نہیں، بجز ان صفات کے جو بیان ہوئیں۔

۴:...معرفتِ توحید:

پھر معرفتِ توحید لازم ہے کہ سب کا ربّ ایک ہے، اور جو کچھ اس کے ماسوا ہے سب اس کی ربانیت کے نیچے ہے، اس واسطے مرتبہ و منصب میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا۔

۵:...معرفتِ عبادت:

پھر اس بات کی معرفت بھی لازم ہے کہ وہی مستحق عبادت ہے، اس دلیل سے کہ ہر چیز کو بوقتِ حاجت اسی کی طرف رُجوع کرنا پڑتا ہے، ابتداءً اس کی ربوبیت کی طرف، درمیان میں اس کی رحمانیت و رحیمیت کی طرف، اور آخر میں اس کی مالکیت کی طرف، اور چونکہ ہر جگہ پر وہی انعام وکرم فرماتا ہے، اس لئے مستحق عبادت بھی وہی ہوسکتا ہے۔

۶:...معرفتِ نبوّت و ولایت:

پھر معرفتِ نبوّت و ولایت ضروری ہے، اور ایمان کے مراتب صراط المستقیم میں بیان کئے گئے ہیں، اور کفر وفسق کے مراتب ضلالت وغضب میں ذکر ہوئے، اور فضل و عدل کی معرفت رحمٰن، رحیم اور مالکِ یوم الدین کی صفات سے ظاہر ہوتی ہے، اور قضا وقدر کی معرفت ذکر، عبادت اور اِستعانت سے، اور معاد کی معرفت مالکِ یوم الدین سے سمجھی جاسکتی ہے۔

علمِ فروعِ اَحکام:

"نَعۡبُدُ" سے عبادات کی معرفت حاصل ہوئی، اور "نَسۡتَعِيۡنُ" اور "اِهۡدِنَا" سے معاملات، مناکحات اور حکومات کی معرفت ملی، کیونکہ خواہش معاملات میں عقل کی معارض ہوتی ہے، اس واسطے واجب، مستحب اور مباح کو ہدایت سے پہچانا جاسکتا ہے، اور حرام، مکروہ اور فاسد کو غضب و ضلال سے شناخت کیا جاسکتا ہے، اور معاملات کے مأخذ جو اَمر و نہی ہیں، ذکر وعبادت سے معلوم ہوتے ہیں، اور اَمر و نہی کا ثمرہ جو وعد و وعید ہے، وہ "اَنۡعَمۡتَ" اور "مغضوب" سے سمجھا جائے گا۔

علمِ طریقت اور اس کا حصول:

علمِ طریقت جو کمالِ قوتِ نظریہ و عملیہ کی معرفت کا نام ہے، صراطِ مستقیم میں آ گیا، اور قوتِ نظریہ و عملیہ کا نقصان غضب و ضلال سے مذکور ہوا، اور ابتدائے سلوک میں جتنی طریقت واجب ہے، اس کا نام عبادت ہے، اور جتنی وسطِ سلوک میں لازم ہے، اس کا لقب استعانت ہے، اور جتنی انتہائے سلوک میں لازم ہے، اس کا نام استقامت ہے۔ اوصافِ نفس کا بیان غضب و ضلال کے ذکر سے آ گیا، کیونکہ اس کی حقیقت یہی ہے کہ جادۂ استقامت سے منحرف ہو اور اوصافِ قلب کی معرفت استقامت و ہدایت سے پہچانی جاسکتی ہے، جلا اور صفائی کی معرفت عبادت و استعانت سے ہے، اور آراستگی، ہدایت و استقامت سے، جلا میں خلوص عن الشہوتین لازمی ہے، اور اسی کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، جو شہوت کی ضد ہے، اور یہ بھی لازم ہے کہ غضب سے دُوری ہو اور اسے رحمتِ الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ مرحومِ الٰہی پر غضب ہرگز رَوا نہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

"اَلـرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنِ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ، یَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ."

(سنن ترمذی ج:۲ ص:۱۴)

ترجمہ:... "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرے گا، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

پھر خواہش سے پرہیز کا بیان استقامت میں ہے، کیونکہ حرص و ہوا ہمیشہ استقامت سے ہٹا دیتی ہے، اور غضب، شہوت اور ہوا کی بھی کچھ فروع ہیں:

الف:... حسد: اس سے "حمد" کے ساتھ چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے،

کیونکہ حامد گویا ان عطایائے حق پر جو مخلوق پر ہوئیں راضی ہے، اور حسد رضا کے مخالف ہے، اس لئے جو حمد گو ہوگا وہ حاسد نہیں ہوسکتا۔

ب:... بخل: "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سے اس کا علاج ڈھونڈا جائے، جب ہر نعمت "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کی ملک ہے، تو ایسی چیز میں بخل جو اس کی ملک میں نہیں، بے معنی ہے۔

ج:... عجب وخود پسندی کا علاج "نَعْبُدُ" میں ہے۔

د:... کبر وغرور کا علاج "نَسْتَعِیْنُ" میں ہے۔

ہ:... کفر و بدعت کا علاج ضلال وغضب سے احتراز میں ہے۔

اسی طرح جلا وتجلیہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ اخلاق میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے، جیسے: عفت، شجاعت اور سخاوت کو اختیار کیا جائے، اور اعتقادات میں بھی افراط وتفریط کی طرف مائل نہ ہو، اور ان سب کی طرف صراطِ مستقیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تحلیہ وآراستگی میں محبت وشوق کا ہونا لازمی ہے، اور یہ حمد میں اشارہ فرمایا گیا، جب ساری نعمتیں حق تعالیٰ سے دیکھے گا، تو اسباب اس کی نظر سے گر جائیں گے، اور منعم کے لئے محبت وشوق انسان ہی کی نہیں، بلکہ حیوانات کی بھی جبلت میں ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی احتیاج کو ظاہر کرتا رہے، جیسا کہ "نَسْتَعِیْنُ" کا منشا ہے، اور اس سلسلے میں تذلل بھی پسندیدہ ہے، جو عبادت کے لفظ میں آگیا ہے، اور عزّتِ رُبوبیت اور ذلتِ بشریت کا جاننا بھی لازم ہے، جس کی طرف "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کا لفظ اشارہ کر رہا ہے، پھر معرفتِ رُبوبیت میں اپنے خالق سے رُوحانی اتصال والحاق بھی لازمی ہے، حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ کا شعر ہے:

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رَبّ الناس را با جانِ ناس

ترجمہ:... "بے کیف و بے قیاس اتصال ہے، انسانوں
کے رَبّ کو ان کی جانوں کے ساتھ۔"

بائے الصاق کے ساتھ اس طرف اشارہ فرمایا، نیز مقامِ شکر کا ذکر "حمد" کے ساتھ، مقامِ رضا کا ذکر "رحمت" کے ساتھ، مقامِ خوف کا ذکر "مالکیت" کے ساتھ، مقامِ اخلاص کا ذکر "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے ساتھ، اور مقامِ دُعا کا ذکر "اِهْدِنَا" کے ساتھ بیان ہوا، اَرواحِ طیبہ کے ساتھ معیت وتوسل کے مقام کو "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کے ساتھ بیان فرمایا، اور صحبتِ بد اور اَرواحِ خبیثہ سے توسل کرنے سے "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ.... الخ" کے الفاظ میں ڈرایا، کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

نخست موعظت پیر صحبتم ایں است
کہ از معیتِ ناجنس احتراز کنید

علمِ حقیقت:

علمِ حقیقت جو علمِ مکاشفہ ہے، اس سورت سے یوں نکلتا ہے کہ سرِّ رُبوبیت کی معرفت "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے حاصل ہوتی ہے، اور تجلئ جلال "مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنَ" سے، اور تجلئ جمال "رحمٰن" و "رحیم" سے، پھر معرفتِ کمالِ الٰہی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے، اور معرفتِ نفس ذکرِ غضب و ضلال سے، اور معرفتِ قلب استعانت سے، اور معرفتِ رُوح، ہدایت سے، اور معرفت سرِّ خفی وما فوقہ ذکرِ اِستعانت سے، اور مرتبۂ علمِ یقین "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے "یَوْمِ الدِّیْنِ" تک اور مرتبۂ عین الیقین "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے خطاب سے، اور مرتبۂ حق الیقین لفظِ "رحیم" سے متحقق ہوتے ہیں، اور عالمِ شہادت، عالمِ غیب

کے لئے تسخیر کرنا لفظِ استعانت سے، اور فنائے ماسوی اللہ اس ذاتِ پاک میں "مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ" سے، اور معرفتِ بقا استقامت و انعام سے مستفاد ہیں۔

شیطان کے مداخل:

معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کے مداخل کی تین راہیں ہیں: شہوت، غضب، ہوائے نفس۔ شہوت کو بہیمیت کہتے ہیں، غضب کو سبعیت اور ہوا کو شیطانیت۔ غضب کا مرتبہ شہوت سے بالاتر ہے، اور ہوا کا مرتبہ غضب سے اُونچا ہے، کیونکہ انسان شہوت کی وجہ سے اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور غضب کی بنا پر دوسروں پر ظلم کرتا ہے، اور ہوائے نفس کی وجہ سے اپنے پروردگار پر ظلم کرتا ہے۔

ظلم کے مراتب:

حدیث شریف میں آیا ہے: ظلم تین ہیں، ایک ظلم ایسا ہے جو معاف نہیں کیا جائے گا، ایک ظلم ایسا ہے جو چھوڑا نہیں جائے گا، اور ایک ظلم ایسا ہے جسے ممکن ہے اللہ تعالیٰ چھوڑ دیں، پہلا شرک ہے، دوسرا بندوں پر ظلم اور تیسرا انسان کا اپنے نفس پر ظلم۔

شہوت کا نتیجہ:

شہوت کا نتیجہ دو چیزیں ہیں: حرص اور بخل۔

غضب کا نتیجہ:

غضب کا نتیجہ بھی دو چیزیں ہیں: عجب اور تکبر۔

پھر ہوا (خواہش نفس) کا نتیجہ بھی دو ہی چیزیں ہیں: کفر اور بدعت۔ اور یہ چھ چیزیں جمع ہوں تو ایک اور خصلت بھی پیدا ہو جاتی ہے، جو مذموم تر ہے، اور اس کا

نام ''حسد'' ہے۔

حکمتِ ایمانیہ کے حکماء حسد کے مرتبے کو اخلاقِ ذمیمہ میں وہ درجہ دیتے ہیں جو اشخاصِ مردودہ میں شیطان کا ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ اسمائے ثلاثہ جو بسم اللہ میں آئے ہیں، (اللہ، رحمٰن اور رحیم) اخلاقِ ذمیمہ اصلیہ کے دفع کرنے کے لئے ہیں، اور سورۂ فاتحہ کی سات آیات، اخلاقِ سبعیہ فرعیہ کے دفع کی خاطر ہیں، جب بندہ اللہ کو پہچان لے گا، شیطان و ہوا اس سے بھاگ جائے گا، جب رحمانیت کو پالے گا، غضب سے بالکل پاک ہوجائے گا، اور رحیمیت کا جاننے والا اپنے آپ کو افعالِ بہیمیہ سے ملوّث نہیں کرے گا، اور شہوت میں مبتلا نہیں ہوگا۔

جب اس نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہا، مرتبۂ شکر حاصل ہوگیا اور قناعت اس کے حصے میں آگئی، اور اس نے شہوت کے بت کو توڑ دیا۔

اور جو ''رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کا معتقد ہوگا، حرص سے بالکل دُور ہوگا، اس کا بخل بھی ختم ہوجائے گا، کیونکہ حرص غیر موجود میں ہوتی ہے، اور بخل اس میں جو اس کے پاس موجود ہے، جب دونوں کو حق تعالٰی کی رُبوبیت کے سپرد کردیا، تو دونوں سے پاک ہوگیا۔

جس نے روزِ جزا کی مالکیت کو پہچان لیا اور اس کے بعد اللہ تعالٰی کو رحمٰن و رحیم بھی جان لیا، اس کا غضب مٹ گیا۔

''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' سے تکبر ملیامیٹ کردیا۔

''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' سے خود پسندی کا قلع قمع کردیا۔

''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' سے آخر تک کفر و بدعت دفع ہوجاتے ہیں۔

اور جب یہ چھ خصلتیں نہیں رہیں گی تو حسد خود بخود زائل ہوجائے گا۔

لطیفہ:

سورۂ فاتحہ میں حسبِ ذیل سات حروف نہیں لائے گئے: ''جیم، خا، ظا، فا، زا، ثا، شین۔ ان ساتوں حرفوں کی دلالت جہنم کے طبقات پر ہے، گویا فاتحہ شریف پڑھنے والا ان سات طبقاتِ دوزخ: جہنم، خزی، لظی، فراق، زقوم، ثبور، شہیق سے نجات پا گیا۔

فوائد سورۂ فاتحہ:

بخاری اور صحاح کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے، حضرت ابو سعید بن المعلی نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''میرے ساتھ آئیں، تجھے قرآن کی سب سے بڑی سورت مسجد سے نکلنے سے پہلے سکھا دوں گا۔ میں ساتھ ہولیا، جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے، آپؐ نے فرمایا: وہ سورت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' ہے، اور وہی سبع المثانی، اور وہی قرآنِ عظیم ہے، جو مجھ پر نازل ہوئی۔''
>
> (مشکوٰۃ ص:۱۸۴)

اور ترمذی وغیرہ میں یہ قصہ سیّد القراء اُبیّ بن کعبؓ سے واقع ہوا ہے، اور اس میں لفظ یہ ہیں کہ:

> ''میں تمہیں ایسی سورت سکھاؤں گا جو نہ توراۃ میں نازل ہوئی، نہ زبور میں، اور نہ اس جیسی اور کوئی سورۃ قرآن میں ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۸۷)

ابو نعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعد ازاں حضرت نے فرمایا کہ سورۂ اُمّ القرآن

ہے، جو ہر نماز میں تم پڑھتے ہو۔

اور صحیح مسلم اور نسائی میں بروایت ابنِ عباسؓ آیا ہے کہ:

''ایک دن جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف رکھتے تھے کہ ایک بڑے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی، اور (آپؐ نے) غور سے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ: یہ ایک فرشتہ ہے، جو اَب اُتر رہا ہے، اور اَز آدم تا ایں دَم کبھی زمین پر نہیں آیا، جب فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: دو نوروں سے خوش ہو جائیں جو آپ کو عنایت فرمائے گئے، اور اس سے قبل کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، اور کہا کہ سورۃ فاتحہ اور ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے آخر تک جب آپ پڑھیں گے تو ثوابِ عظیم پائیں گے۔'' (صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۷۱)

نیز بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ مارگزیدہ (سانپ کے ڈسے) پر یہ سورت پڑھا کرتے تھے، نیز کژدم گزیدہ (بچھو کے کاٹے)، مرگی والوں اور دیوانوں پر بھی پڑھا کرتے تھے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجویز فرمایا ہے۔

دارقطنی اور ابنِ عساکر روایت کرتے ہیں کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر جھاڑا اور پڑھنے کے بعد لعابِ دہن مبارک مقامِ درد پر ملا۔''

بیہقی شعب الایمان میں لائے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فاتحۃ الکتاب ہر مرض کی شفا ہے۔''

(کنز العمال ج:۱ ص:۵۵۷)

بزار اپنی مسند میں انس بن مالکؓ سے لائے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جو شخص (سوتے وقت) اپنا پہلو زمین سے لگا کر فاتحہ اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھ کر اپنے اُوپر دَم کرے ہر مصیبت سے امان پائے، سوائے اس کے کہ موت اس کے مقدر میں ہو۔''

ابنِ مردویہ دیلمی سے اپنی احادیثِ مختارہ میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''چار چیزیں خزانۂ عرش کی مجھے دی گئی ہیں، اور ان چاروں کے سوا اور کوئی چیز گنجِ عرش میں سے کسی کو نہیں دی گئی:
۱:...اُمّ الکتاب، ۲:...آیۃ الکرسی، ۳:...خاتمہ سورۂ بقرہ، ۴:... اور سورۂ کوثر۔'' (کنز العمال ج:۱ ص:۵۵۸)

ابو شیخؒ کتاب الثواب میں لائے ہیں کہ جس کو کوئی حاجت ہو، وہ پہلے فاتحۃ الکتاب پڑھے، اور اس کے بعد حاجت طلب کرے اِن شاء اللہ حاجت روا ہوگی۔

ثعلبیؒ نے شعبیؒ سے روایت کیا کہ ایک شخص آیا اور اس نے دردِ گردہ کی شکایت کی، شعبیؒ نے اس سے کہا کہ: تم اساس القرآن پڑھ کر درد کی جگہ پر دَم کرو، اس نے پوچھا: اساس القرآن کیا ہے؟ شعبیؒ نے جواب دیا: فاتحۃ الکتاب۔

اور مشائخ کے اعمالِ مجرّبہ میں مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ اسمِ اعظم ہے، ہر مطلب کی خاطر اسے پڑھا جاسکتا ہے، اور اس کے دو طریقے ہیں:

۱:...سنتِ فجر اور فرض کے درمیان ''بسم اللہ'' کی میم کو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کی لام کے ساتھ ملاکر ۴۱ بار چالیس روز تک پڑھے، جو مطلب بھی ہوگا، حاصل ہو جائے گا،

اگر شفائے مریض یا جادو کھولنے کے لئے ہو تو پانی پر دَم کر کے انہیں پلائیں۔

۲:... چاند کی پہلی اتوار کو سنتِ فجر اور فرضِ فجر کے مابین بغیر قیدِ اتصال یعنی بسم اللہ کی میم کو الحمد للہ کی لام کے ساتھ ملائے بغیر ستر مرتبہ پڑھیں، اس کے بعد ہر روز اسی وقت دس، دس مرتبہ کم کرتے جائیں، حتیٰ کہ اتوار کو ختم ہوگی، اگر پہلے مہینے میں مطلب حاصل نہ ہو، تو دُوسرے اور تیسرے مہینے میں بھی ایسا ہی کریں، اِن شاء اللہ مطلب براری ہوگی۔

پُرانے اَمراض میں چالیس دن تک گلاب اور مشک و زعفران کے ساتھ چینی کے پیالے میں لکھ کر دھوکر پلانا مجرّب ہے، اور دانتوں کے درد، سر کے درد، پیٹ کے درد پر اور دُوسرے دردوں پر سات بار پڑھ کر دَم کرنا بھی مجرّب ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت

استغفرک واتوب الیک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی!

اما بعد! مدّت ہوئی فقیر نے الکلمات الراجحہ کے نام سے سورۂ فاتحہ کے تفسیری نکات لکھے تھے، مگر وہ رسالہ چونکہ فارسی زبان میں لکھا گیا تھا، اس لئے عوام اس سے استفادہ نہ کرسکتے تھے۔

برادر دِینی عزیزم محمود احمد خاں صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک معروف اہلِ قلم (مولانا عبداللہ طالوت) سے اس کا اُردو ترجمہ کراکر عوام کے فائدے کی خاطر اسے مکرّر طبع کرایا۔ فقیر، مترجم اور ناشر دونوں کے لئے دُعا گو ہے، اور پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ وہ مؤلف، مترجم اور ناشر تینوں کے لئے دُعائے خیر فرمائیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

(مولانا الحاج الحافظ القاری) **محمد عبداللہ** عفی عنہ

ترکِ منکرات در صدقہ جمعرات

یعنی

جمعرات و قل خوانی کی بدعات

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِہٖ وَرَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہِ الَّذِیْنَ ھَادُوْا بِھِدَایَۃِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ وَفَازُوْا بِتَمَامِ النَّعِیْمِ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا دَائِمَیْنِ مُتَلَازِمَیْنِ بِفَضْلِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

عرض پرداز ہوں کہ اس رسالے کی تحریر سے مقصد یہ ہے کہ مسلمان بھائیوں کی چند عبادتیں اور خیراتیں بوجہ بے فکری، بے علمی یا بے اعتنائی کے قانونِ شرعی کے اعتبار سے ضائع ہو رہی ہیں، جس کا باعث یا پابندیٔ رواج ہے، یا رفعِ ملامت و عار ہے، یا اپنی بڑائی کا اظہار ہے، یا دیکھا دیکھی ہے، یا علمائے سوء کی ترغیب ہے، حالانکہ اکثر یا کل کو مثلِ روزِ روشن کے یقین ہے کہ خیرات وہی قبول ہوتی ہے جو مالِ حلال سے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اور جس کو دی جائے وہ خیرات کا مصرف ہو، ان شرائط میں سے کوئی شرط یا مجموعہ شرائط نہ ہوں، تو خیرات قبول نہ ہوگی، مگر عام مسلمان اس سے غافل ہیں، لہٰذا چند مسائل و فتاویٰ پیشِ خدمت ہیں:

گر قبول افتد زہے شرف!

وما توفیقی الا باللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

سوال:... کیا اپنی عبادت نماز، روزہ، حج، مالی خیرات یا قرآن مجید کے پڑھنے کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو بخش سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ اپنی عبادت کا، جس قسم کی عبادت ہو، اس کا ثواب جس (زندہ یا مردہ) کو بخشے، بخش سکتا ہے، معتزلہ کے سوا تمام اہلِ سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

سوال:... کیا یہ جائز ہے کہ جب میّت کو دفن کرنے جاتے ہیں تو کچھ گندم وغیرہ ساتھ لے جاتے ہیں، جو خانقاہ (یعنی قبر) کے مجاور کو یا کسی مسکین کو دے دیتے ہیں، اس کو عوام بیڑی بھاڑا کہتے ہیں، یعنی یہ شخص آخرت کے دریا کی کشتی پر سوار ہو رہا ہے، کشتی پر سوار ہونے کے لئے اُجرت ہونی چاہئے، تو اُجرت وہی گندم وغیرہ ہے، کشتی کا معنی بیڑی اور بھاڑا بمعنی اُجرت۔

جواب:... یہ اعتقاد رکھنا بھی غلط ہے اور مرنے کے بعد اوّل ورثہ تقسیم ہونا چاہئے، پھر بالغ وارثوں میں سے کوئی مردہ کی رُوح کو بخشے تو جائز ہے، مشترک مال سے بغیر اجازت شرکاء کے دینا، بخشنا ناجائز ہے، اور اس میں اگر کوئی حصے دار نابالغ ہے اور وہ اجازت بھی دیدے تو اس کی اجازت غیرمعتبر ہے، دُرِمختار ج:۵ ص:۲۴۴ میں ہے:

"فلم تجز اجازة صغير ولا مجنون."

ترجمہ:... "بچے اور دیوانے کی اجازت جائز نہیں۔"

سوال:... ہمارے ملک میں رواج ہے کہ مرنے کے بعد وارث سات جمعراتیں کرتے ہیں، اور تیسرے دن یا بعد میں قُل خوانی ضرور کرتے ہیں، اگر کسی باعث سے نہ کرسکیں تو برس، دو برس تک اس کو ضرور ہی کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی کو یقین ہوتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے وارث نہ کریں گے یا تھوڑا بہت

کریں گے اور پورے طور پر نہ کریں گے، تو اپنی زندگی ہی میں اپنی جمعراتیں وقُل خوانی وغیرہ کردیتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ یہاں تک ضروری سمجھتے ہیں کہ سودی قرض لے کر بھی کرتے ہیں۔

سوم:... یہ کہ اکثر یا کل کو یہ دُکھ بھی پیشِ نظر ہوتا ہے کہ اگر جمعراتیں وغیرہ نہ کریں گے تو ناک کٹ جائے گی، ملامت اور طنز وطعن مزید براں ہوگا کہ فلاں بے چارہ مرگیا، بدنصیب تھا، اس کی جمعرات تک نہ ہوئی، بات بات میں شریک ورشتہ دار طعنے دیں گے۔

چہارم:... یہ کہ اکثر تفاخر کرتے ہیں، نہ کرنے سے ان کی وجاہت میں نقص آتا ہے۔

پنجم:... بعض جمعراتیں شرکاء کی کہلائی جاتی ہیں کہ ان پر شریکوں کو ضرور بلایا جاتا ہے، وگرنہ مطعون ہوں گے، اور رسم برادری میں خلل آئے گا۔

ششم:... بعض جگہ وارث صغیر یا یتیم ہوتے ہیں، یا غائب ہوتے ہیں، اور بعض اگرچہ بالغ ہوتے ہیں مگر اتنا خرچ کرنے پر راضی نہیں ہوتے، اور شرم کی وجہ سے یا ڈر کے مارے بڑے بھائی یا چچا وغیرہ کو کہہ نہیں سکتے کہ اتنا خرچ نہ کرو، اور بڑے وارث روکنے والے کو کہہ دیتے ہیں کہ یتیموں کے حصے کے ہم ضامن ہیں، اور تجربے سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نہ اُن کا حصہ اُس وقت جدا کرکے جمعرات وغیرہ کرتے ہیں، نہ بعد میں اُن کو ادا کرتے ہیں۔

ہفتم:... یہ کہ اوّل ورثہ تقسیم نہیں کرتے، مشترک مال سے یہ سب کچھ کیا کرتے ہیں، جس قدر اہتمام جمعرات کرنے کا ہوا کرتا ہے، ورثہ تقسیم کرنے کا نہیں،

جو کہ فرض ہے، اس کا اہتمام تو ایک طرف، فکر تک نہیں ہوتی، بلکہ لڑکیوں کو دینا، تقسیم کرنا، بارگیر، دِل شکن اور معیوب سمجھا جاتا ہے۔

ہشتم:... یہ کہ بعض لوگ اس کے معتقد ہوتے ہیں کہ یہ خیراتیں بغیر جمعرات کے ہوتی ہی نہیں، اگر اُن سے کہا جائے کہ تم سوموار، منگل وغیرہ کو کرلو، تو تسلیم نہیں کرتے، یا عمل نہیں کرتے، اور اگر دُوسرے کسی دن کر بھی لیں تو جمعرات کو ضرور اعادہ کرتے ہیں۔

نہم:... یہ کہ جمعراتیں سات ہی واجب جانتے ہیں، نہ کم، نہ بیش کرنے پر تیار ہوتے ہیں۔

جواب:... جمعرات کے متعلق دو چیزیں ہیں: ایک ہے جمعرات کا کرنا۔

دوم:... خیرات، جمعرات کا دینا، اس کے متعلق چند معروضات پیشِ خدمت ہیں:

اوّل:... خیرات کا کرنا مستحب ہے، اور کسی کی رُوح کو ثواب بخشنا جائز و مستحسن ہے، خواہ جس چیز کا ہو، اور جس وقت ہو۔ اور بعض کا یہ حال ہے کہ اگر ایک جمعرات دال پکائی تو دُوسری جمعرات کوئی اور چیز ہونی چاہئے، وہی سابق جمعرات کی چیز پکانے سے شرماتے ہیں، اور ساتویں جمعرات میں حسبِ طاقت ہر قسم کے کھانے پکانے چاہئیں، اور خوب خرچ کرتے ہیں، دُور و قریب کے خویش وغیرہ بلائے جاتے ہیں، یہ اُن کے نزدیک پکا پختہ نظام ہے، اس کو چہلم کہتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ اس پر کوئی ختم وغیرہ پڑھا جاتا ہے، پڑھے لکھے لوگ بھی بڑے آدمی کی جمعرات پر بڑا ختم، اور چھوٹے آدمی کی جمعرات پر ایک دو سورتیں پڑھ کر دُعا کرلیتے ہیں، نیز یہ کہ ختم اگر نہ پڑھا جائے تو سخت کراہت سے دیکھتے ہیں اور بعض

لوگ دعوت بھی تقسیم نہیں کرتے، جب تک ختم نہ پڑھا جائے، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ: ''فاتحہ نہ دُرود کھایا گیا مردُود''، مزید یہ کہ ختم میں مختلف جگہ کی آیتیں پڑھتے ہیں، علاوہ ازیں ایک شخص ختم پڑھتا ہے، دُوسرے لوگ اپنے پڑھنے سننے کا ثواب اُس ختم پڑھنے والے کی ملک کرتے ہیں، اور وہ پڑھنے والا اس میّت کی ملک کرتا ہے، اور اس میں بعض کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے آدمی کے ذریعے سے ثواب ملنے کا زیادہ درجہ، اور اچھا ذریعہ ہے، اور ہم سے کم درجہ کا۔

اور قُل خوانی میں چند چیزیں اور بھی ہیں:

اوّل:... یہ کہ برادری واحباب وغیرہ کو کانڈہ (دعوت نامہ) دیا جاتا ہے، اُن لوگوں کو آنا لازم ہوتا ہے، خود آئے یا اپنا عزیز بھیجے، اور برادر وقوم کے بڑے میّت کے بڑے بیٹے کو باپ کی پگڑی سر پر بندھواتے ہیں، اس پر آنے والے حسبِ وسعت نقد ایک روپیہ سے سو، دوسو روپے تک دیتے ہیں، پھر جب ان لوگوں کی قُل خوانی ہوتی ہے تو یہ لوگ بھی پگڑی بندھوائی کے روپے جاکر ادا کرتے ہیں، اسی لئے بلاکر وصول کیا جاتا ہے، اسی کو کانڈہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ میّت کی رُوح کو ثواب بخشنے کے لئے ایک جوڑا تو ضرور، اور وسعت والا حسبِ طاقت بہت بہت جوڑے دیتا ہے، اور کچھ وسعت والا ایک سوٹ مولوی غسال کا اور دُوسرا پیر و مرشد کا، اور زیادہ وسعت والے لوگ، جن جن صلحاء، علماء، سجادہ نشینوں وغیرہ وغیرہ کو دعوت دیتے ہیں، اُن کو سوٹ کے علاوہ بسترے، چارپائیاں اور اُونٹ، گائے، برتن وغیرہ بہت کچھ بھری مجلس کے سامنے دیا کرتے ہیں، کسی چالاک کو کھڑا کردیتے ہیں، وہ بلند آواز سے پکار پکار کر دیتا ہے کہ یہ چیزیں فلاں عالم کے لئے، اور یہ چیزیں فلاں مرشد کے لئے، اور یہ نقد فلانے کو، اور یہ گندم

فلاں کے لئے ہے، اور اس سب کو ثواب، قربِ الٰہی تعالیٰ کا ذریعہ اور میّت کی رُوح کو بخشنے کے لئے کیا کرتے ہیں، اور ہر لینے والے اُس وقت اتنے چہار چشم اور منتظر ہوتے ہیں کہ میرے لئے کیا آتا ہے؟ اور فلاں کو کیا ملتا ہے؟ گویا قیامت کے اعمال نامے تقسیم ہو رہے ہیں اور دُنیا تاک رہی ہے، یعنی لوگ دیکھتے رہتے ہیں، اس میں اکثر تو نام وری وشہرت و تفاخر فی الظاہر ہوتا ہے، اور ممکن ہے کہ کسی کو اِخلاص بھی ہو، اور لوگوں میں بھی گھر گھر چرچا ہوتا ہے کہ فلاں نے قُل خوانی میں اتنا خرچ کر ڈالا ہے، اور فلاں اگرچہ دولت مند تھا، اتنا خرچ نہیں کیا، بخیل ہے، ایسا ہے، ویسا ہے، وغیر ذالک۔

جاننا چاہئے کہ میّت کے پیچھے صدقہ دینا اور قرآن شریف پڑھ کر اس کا ثواب بخش دینا شرعاً جائز ہے، اور اَمرِ مستحسن ہے۔ حضرت سعد صحابیٔ رسول رضی اللہ عنہ کی ماں کو اچانک موت آگئی، حضرت سعدؓ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: میری ماں اچانک فوت ہوئی ہے، اگر اس کو وقت ملتا تو ضرور خیرات کرتی، کیا میں اس کی طرف سے خیرات کرسکتا ہوں؟ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کرسکتے ہو۔ تو حضرت سعدؓ نے باغ کے متعلق کہا کہ: ''هٰــذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ'' یہ باغ سعد کی ماں کے لئے، (یہ خلاصہ ہے حدیث کا)۔

(کذا فی المشکوٰۃ، الدرالمختار وردّ المحتار المعروف بہ شامی ج:۱ ص:۶۶۶)

اور کتاب ''ما لا بد منہ'' میں کتاب الجنائز میں ہے کہ:

''حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ بار ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' یعنی سورۂ اِخلاص پڑھ کر مردوں کو بخشے تو اللہ تعالیٰ مُردوں کے شمار

کے موافق اُس کو بھی ثواب بخشیں گے۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص سورۂ فاتحہ، اِخلاص اور تکاثر مردوں کو بخشے، مردے اُس کے لئے شفیع ہوں گے۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

''جو شخص سورۂ یٰسین قبرستان میں پڑھے، حق تعالیٰ اُن اہلِ اموات کو تخفیف فرمائیں گے اور پڑھنے والے کو اُن کے شمار کے موافق ثواب عطا فرمائیں گے۔''

(کذا فی مالابدمنہ والشامی ص:۲۶۶)

اور سورۂ بقرہ پارہ سوم رُکوع ۳۶ میں خیرات کی مقبولیت کی شرائط میں سے یہ چند چیزیں ارشاد ہیں کہ:

الف:... ''لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ....'' (البقرہ:۲۶۴)

ب:... ''يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ....'' (البقرہ:۲۶۵)

ج:... ''اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ....'' (البقرہ:۲۶۷)

د:... ''اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا

وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّاٰتِكُمْ....'' (البقرہ:۲۷۱)

۱:...یعنی دینے والا مؤمن ہو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے۔

۲:...اور حلال مال سے دے، اور عمدہ مال ہو۔

۳:...اور بطور دِکھلاوے کے نہ ہو۔

۴:...اور لینے والے پر احسان نہ رکھے، اور اس کو کام کرانے سے رنج نہ پہنچائے، اور بہتر یہ ہے کہ چھپا کر دے اور ظاہر کرکے دینا بھی دُرست ہے، (یہ خلاصہ ہے آیات کا)۔

خیرات کی مقبولیت اِن شرائط پر ہے، بارگاہِ الٰہیہ میں مقبول ہوگی تب جزا ملے گی، اور اجر و انعام و ثواب ملے گا، اگر مقبول نہ ہوئی، تو ثواب و انعام بھی نہ ملے گا، پھر مقبول ہونے اور ثواب ملنے پر اس کا عالَمِ برزخ میں پہنچانا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ثواب بخشنے والا خود بخود ثواب مردے تک نہیں پہنچا سکتا۔

پس مسلمان بھائیوں پر واجب ہے کہ اوّل قوانینِ قرآن پر حسبِ شرائط عمل کرنے کی سعی کریں، پھر مقبولیت کی اُمید رکھیں، پھر درخواست کریں کہ ہمارے حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا فلاں شیخ و مرشد کو یا فلاں عزیز کو یا جملہ اہلِ اسلام کو پہنچا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُن کو پہنچادے گا، اور اگر شرائط میں سے کوئی شرط فوت ہوگئی، تو نہ مقبولیت ہوگی، نہ ثواب پہنچانے والے کو ثواب ملے گا، نہ مردہ تک پہنچ سکے گا، مال دینا ضائع ہوگا، ریا و تفاخر کی چیز کیا کام آئے گی؟

ترکۂ غیر منقسمہ میں سے لزوماً ان رسمیات میں خرچ کرنا ناجائز ہے، بالخصوص جبکہ وارثوں میں کوئی نابالغ یا غائب بھی ہو، اسی طرح سود کا روپیہ لے کر ان چیزوں میں لگانا حرام ہے۔

سوال میں جو اُمور مذکور ہیں، ان کے ہوتے ہوئے یا صدقہ نہیں ہوتا یا موجبِ اجرِ جزیل نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ خیرالقرون میں ان کا ثبوت نہیں ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں یہ چیزیں تھیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانۂ مبارک میں، نہ تابعینِ کرام رحمہم اللہ کے زمانۂ مبارک میں تھیں، نہ ائمہ ہدیٰ، مثلاً: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے منقول ہیں، نہ متأخرین، مثلاً: ہدایہ و قاضی خان وغیرہ نے فرمایا ہے، بلکہ شامی جلد اوّل کتاب الجنائز باب الشہید صفحہ:۶۶۴ میں بزازیہ سے نقل فرمایا ہے:

”ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاوّل (فی الحاشیة فی البزازیة لفظ الثانی ایضًا) والثالث، وبعد الأسبوع، ونقل الطعام الی القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القراٰن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام أو الاخلاص. والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القراٰن لأجل الأکل یکره، وفیها من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعامًا للفقراء کان حسنا واطال ذالک فی المعراج، وقال هٰذه الأفعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها، لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالٰی. بحث هٰهنا فی شرح المنیة ولا یعارض بحدیث اٰخر أنه علیه الصلوٰة والسلام دعت امرأة رجل میّت لما رجع من دفنه فجاء وجیء بالطعام. أقول وفیه نظر، فانه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص، بخلاف ما فی حدیث جریر علی

أنــه بـحـث فـى الـمـنـقـول فـى مـذهبنا ومذهب غيرنا كـالشـافـعية والـحـنابلة استدلالًا بحديث جرير (روى الامـام احـمـد وابـن مـاجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال: كنا نعد الاجتماع الى أهل الميّت وصنعهم الـطـعـام من النياحة. انتهٰى) المذكور على الكراهة ولا سيـمـا اذا كـان فى الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عـمـا يـحصل عند ذالک غالبًا من المنكرات الكثيرة، كـايـقـاد الشموع والقناديل التى لا توجد فى الأفراح وكـدق الـطبـول والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع الـنسـاء والـمـردان وأخـذ الأجـرة على الذكـر وقراءة الـقراٰن، وغير ذالک ممـا هـو مشـاهـد فى هذه الزمان ومـا كان كذالک فلا شک فى حرمته وبطلان الوصية به ولا حول ولا قوّة الا بالله العلى العظيم.‘‘

ترجمہ:... ’’بزازیہ میں ہے کہ مکروہ ہے بنانا طعام کا پہلے، (دُوسرے)، تیسرے دن (مرنے کے بعد) اور ساتویں دن، اور قبر کی طرف لے جانا طعام کا موسم میں، اور دعوت بنانا قرآن کے پڑھنے کے لئے، اور جمع کرنا صلحاء اور قاریوں کا ختم کے لئے یا سورۂ انعام یا اخلاص کے پڑھنے کے لئے، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے کے وقت کھانے کے لئے طعام بنانا مکروہ ہے، اور بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں ہے: اگر فقراء کے لئے طعام بنایا ہے تو اچھا ہے۔ اور کتاب المعراج میں اس

سے زیادہ کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ تمام کام شہرت اور ریا کے لئے ہوتے ہیں، ان سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور شرح منیہ میں ہے حدیث ابنِ جریرؓ کے معارض یہ لکھا ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردِ میّت کی عورت نے بلایا جب دفن سے واپس ہوئے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور طعام لایا گیا۔ میں کہتا ہوں (یعنی شارح منیہ والا یا شامی والا) کہ اس میں دیکھنا ہے، اس لئے کہ یہ ایک واقعہ ہے، نیز ممکن ہے کہ کوئی سبب خاص ہو، بخلاف حدیث ابنِ جریرؓ کے، کہ وہ ہمارے مذہب اور دُوسرے مذاہب مثل شافعیہ و حنابلہ کے منقول ہے، وہ لوگ اس حدیث سے کراہت پر دلیل لاتے ہیں، خصوصاً جبکہ وارثوں میں غائب یا صغیر ہو، باوجود اس کے کہ اس سے قطع نظر کی جائے کہ ان چیزوں کے وقت اکثر منکراتِ کثیرہ ہوتے ہیں، مثلاً: شمع اور لالٹینوں کا جلانا، کہ وہ خوشی کے موقع پر نہیں پائے جاتے اور ڈھول کا بجانا اور اچھی آواز والوں سے سرود کرانا اور عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا جمع ہونا اور ذکر اور قراءۃِ قرآن وغیرہ پر اُجرت لینا، جیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے، اور جہاں اس طور پر ہو تو وہاں اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

سوچنے والے کو اس عبارت سے بہت سے مسائل سمجھ میں آسکتے ہیں کہ جیسا رواج عام ہے: قرآن کا ختم کرنا یا کسی سورت وغیرہ کے پڑھنے کے لئے جمع کرنا اور کھلانا، یہ مکروہ ہے، (ہاں! دوست خود بخود آکر پڑھتے ہیں تو اور بات ہے)، اور فقراء

کو کھلانا خوب ہے، (ہاں! بالغ اپنے مال سے دیں اور شہرت و ریا کے لئے بھی نہ ہو)، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طعام نمود و ریا کا دینا ناجائز ہے، اور ذکر و قراءۃِ قرآن پر اُجرت لینا حرام ہے۔

آپ انصاف کریں کہ ہمارے ملک میں رواج میں کوئی دُرود شریف، ختم شریف، اور مولودخوانی بغیر اُجرت کے ہے؟ اس کی علامت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو بلاکر پڑھواؤ اور کچھ نہ دو، اور روٹی تک بھی نہ کھلاؤ، پھر دُوسرے وقت اس کے لئے بلاؤ، آتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح دو، تین بار بلاکر تجربہ کرلو کہ اصل مقصد اُجرت یعنی رقم اور روٹی کھانا ہے یا نہیں؟

خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اور بغیر اُجرت کے پڑھنا اور پڑھانے سے کون روک سکتا ہے؟ ایسا بے دِین کون ہے جو اس کو روکے؟ یہ سب تفصیل اس لئے ہے کہ خیراتوں وغیرہ کے صحیح ہونے کا معیار بتلادیا جائے، خیرات کرو، اور ہر وقت کرو، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو، اور حلال مال سے کرو، اور فقراء، غرباء، بیوگان، یتیموں، طلباء، مسافرین اور بے کسوں کو کھلاؤ، جس دن کرو جائز ہے، خواہ جمعرات ہو یا کوئی اور دن ہو، جمعرات کی تخصیص نہ کرو، کتاب بحرالرائق شرح کنز الدقائق جلد:۲ صفحہ:۱۵۹ میں ہے:

"ان ذکر اللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت أو بشیء لم یکن مشروعًا حیث لم یرد بہ الشرع لأنہ خلاف المشروع."

ترجمہ:... "بے شک اللہ کے ذکر کو کسی ایسے وقت یا کسی چیز سے خاص کیا جائے جس کی اس وقت یا چیز کے ساتھ تخصیص وارِد نہ ہوئی ہو تو ناجائز ہوجائے گا، اس لئے کہ اس کی

تعیین شرع میں وارِد نہیں۔“

اور کبیری شرح منیہ میں صلوٰۃ الرغائب کی کراہت کی وجوہ صفحہ:۴۱۱ میں ہے:

”ومنها تخصيص سورة الاخلاص والقدر ولم يرد به الشرع، ومنها تخصيص ليلة الجمعة دون غيرها وقد ورد النهي عن تخصيص يوم الجمعة بصيام وليلته بقيام.“

ترجمہ:...”اُن کراہت میں سے ہے خاص کرنا سورۂ اِخلاص اور قدر کا، اور شرع میں وارِد نہیں ہے، اور کراہت سے ہے خاص کرنا شبِ جمعہ کا دیگر راتوں سے، حالانکہ نہی وارِد ہے کہ دن جمعہ کو خاص کرے روزہ کے لئے یا رات جمعہ کو خاص کرے قیام کے لئے۔“

اور مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ:

”لا يجعل أحدكم للشيطان شيئا من صلوٰته يرى ان حقا عليه أن لا ينصرف الا عن يمينه.“

ترجمہ:...”تم میں سے کوئی اپنی نماز سے شیطان کے لئے کسی چیز کو نہ بنائے، وہ یہ کہ اعتقاد کرے کہ (نماز سے) داہنی جانب ہی پھرے گا۔“

اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”من أصرَّ علىٰ مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل

بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من أصرَّ علیٰ بدعة...؟"

ترجمہ:... "جو اَمرِ مستحب پر ہمیشگی کرے اور اس کو اعتقاد ہی بنالے اور رُخصت پر عمل نہیں کرتا، سو بے شک شیطان نے گمراہ کرنے کا اس سے حصہ لے لیا ہے، پھر کیسا ہوگا وہ شخص جو بدعت پر ہمیشگی کرے...؟"

ان عبارات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ بعض مستحبات بوجہ اصرار اور بعض بوجہ خصوصیاتِ غیرمنقولہ عن الشارع مکروہ اور ناجائز ہوجاتے ہیں، بناءً علیہ صورتِ مسئولہ میں سات جمعرات تک کھانا کھلانا اور سورۂ اِخلاص وغیرہ پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے والے کو عار دِلانا اور ملامت کرنا، بلکہ اس کے سوا یہ اعتقاد رکھنا کہ ثواب موتی کو نہ ملا، چنانچہ مثل مشہور ہے: "فاتحہ نہ دُرود، کھا گیا مردُود" شرعاً ناجائز اور بدعت ہے، اس لئے کہ:

اوّلاً:... اس وجہ سے کہ یہ فعل بایں تخصیص خیرالقرون میں نہ تھا، مگر اَب اُسے ثواب سمجھا جاتا ہے، فہو بدعۃ۔

ثانیاً:... اس وجہ سے کہ اس کو لازم سمجھتے ہیں، اور نہ کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں۔

ثالثاً:... کہ اکثر تفاخر، ریا، شہرت، دفعِ ملامت، رفعِ عار اور پابندیٔ رواج کے لئے کرتے ہیں۔

رابعاً:... کبیری شرح منیہ ص:۴۱۱ میں صلوٰۃ الرغائب کی وجوہِ کراہت ذکر فرماتے ہیں کہ:

"ان العامة يعتقدونها سنّة من سنن النبی صلی الله عليه وسلم، فيكون فعلها سببًا لكذبهم عليه، عليه الصلٰوة والسلام"

ترجمہ:... "بے شک عام لوگ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت سمجھتے ہیں، پس ان کا کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُن کا جھوٹ بولنا ہوگا۔"

اب سوچیں کہ عوام، بلکہ بعض خواص ان کے کرنے کا ایسا اہتمام وسعی کرتے ہیں کہ دیکھنے والا اس کو سنت بجائے خود واجب سمجھنے لگتا ہے، وگرنہ تارک پر عار اور ملامت نہ کرتا، فرض سے کسی چیز کو بڑھانا کہ تقسیمِ ورثہ کی پروا ندارد، نہ اس کا اعلان و اعلام، اور جمعرات وقُل خوانی کے لئے اتنا اجتماع، اہتمام اور بلانا، وغیر ذالک۔

خلاصہ یہ ہے کہ میّت کو ثواب بخشنا نعمت ہے، میّت کا بھی فائدہ ہے اور دینے والے کو بھی ثواب ہے، مگر قانونِ شرع کے مطابق "حِسبةً لِله" ہو اور اخلاص سے ہو، ریا وغیرہ نہ ہو، حلال مال سے ہو، اور مصرف یعنی دینے کی جگہ غریب، یتیم وغیرہ ہو، گو غنی کو صدقۂ نفلی دینا جائز ہے، مگر غریب کو دینا بہتر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی سید الخلق وافضل الخلق واکمل الخلق وعلی آلہ واصحابہ
واتباعہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام افضلہما واکملہما وادومہما
سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک
اللہم تقبل منا انک انت السمیع العلیم
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

۱۷ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بندہ نے رسالہ مذکورہ کا مطالعہ کیا، تمام جواب محققانہ اور صحیح ہیں، جو کچھ حضرت مصنف مدظلہٗ نے تحریر فرمایا، قرآن و سنت اور فقۂ حنفی کے عین مطابق ہے، فجزاهم الله تعالٰی عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء، فقط و الله تعالٰی اعلم وعلمه اتمّ!

بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ
مدرّس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ملتان

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہٗ
خادم الافتاء، خیر المدارس ملتان
مورخہ ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَمُسَلِّمًا، اَمَّا بَعْدُ!

رسالۂ ہذا کو دیکھا، مسائلِ مرقومہ کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ محترم مؤلف دامت برکاتہم نے نہایت احتیاط کے ساتھ افراط و تفریط سے یکسو ہو کر سب کچھ وضاحت سے تحریر فرمایا ہے، اور نہایت خلوص سے مسلمانوں کی ابتدائی حالت پر شفقت فرماتے ہوئے نرم الفاظ اور سلجھے ہوئے لب و لہجے سے ایک تبلیغی و تعلیمی خدمت انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مؤلف دام مجدہم کو جزائے خیر عطا فرما کر عامۃ المسلمین کو اس تالیف سے نفع بخشے، آمین! مجھے اس کے مندرجات سے کلی اتفاق ہے۔

احقر محمود عفا اللہ عنہ
مفتی و مدرّس عربی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ

تین استفتاء کے جوابات

یعنی

زمین کے عشر اور شبینہ کا حکم
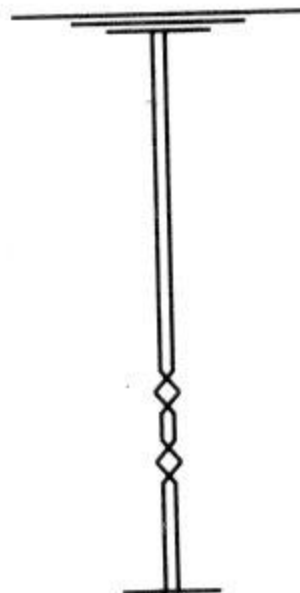
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِنَا خَيْرِ الْخَلْقِ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهِ الْمُرْتَضٰى وَاَصْحَابِهِ الْمُجْتَبٰى، اَمَّا بَعْدُ!

بندہ عرض پرداز ہے کہ من جملہ ارکانِ اسلام کے زکوٰۃ بھی ہے، جیسے ہر مسلمان عام و خاص کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد ضروری ہے، ویسے ہی زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، عام لوگ سونا چاندی کی زکوٰۃ اور بعض عوام صرف مویشی کی زکوٰۃ کے تو معتقد ہیں، مگر زمین کی زکوٰۃ جس کو ''عشر'' کہتے ہیں، اکثر لوگ اس کے معتقد نہیں، لہٰذا علماء کبار و مفتیانِ عظام مدظلہم سے فتویٰ لے کر پیشِ خدمت کیا جاتا ہے، شاید ہدایت کا موجب ہو جائے۔

نیز تقسیمِ وراثت میں اکثر (لوگ) تغافل فرماتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ وراثت کی تقسیم کے بھی معتقد نہیں، بعض تو صریحاً اس کا انکار بھی کر دیتے ہیں، اور بعض ہزار حیلے سے شرعی ورثاء، مثلاً: بیٹی، بہن وغیرہ کا حصہ انتقالِ زمین کے وقت رشوت دے کر غبن کر لیتے ہیں، اور اگر بالفرض زمین کا انتقال ہو بھی گیا تو پیداوار دینے سے انکاری ہیں، اور خانگی چیزوں سے کچھ دے دیا اور اکثر چھپا لیا جاتا

ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے زمین و جائیداد ہی ان کی رزّاق ہے، حکمِ خداوندی کے فرض کی تعمیل سے تو جی چراتے ہیں، مگر جو چیزیں فرض و واجب نہیں، مثلاً: جمعراتیں و قل خوانی وغیرہ، ان کے پورا کرنے میں تمام اہل وعیال سرگرداں اور کمربستہ ہیں، اور نہ کرنے پر حیران و پریشان ہیں، چنانچہ اگر کوئی جمعرات نہ ہوسکے یا قل خوانی وقت پر ادا نہ ہوسکی تو ایک دُوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟ کیوں ادا نہ ہوئی؟ خیر تو ہے؟ ذرا سی تأخیر پر ہزار ملامت کا نشانہ بنتا اور بدنام ہوتا ہے، اور بخیل وغیرہ کے طعنے سننے پڑتے ہیں، اگر بالفرض ان چیزوں کو چھوڑ دے تو: ''وہابی ہے، کافر ہے'' کا خطاب ملتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک فرض کے ترک یا انکار سے ایمان و اسلام ثابت رہتا ہے، مگر مستحب یا مباح کے چھوڑنے پر نہ مؤمن رہتا ہے، نہ مسلم، بلکہ وہابی، کافر اور دوزخی ہوجاتا ہے، بلکہ بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ تمام اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ مردہ کی رُوح کو جس چیز کا ثواب بخشے جائز ہے، خواہ طعام کا ثواب بخشے یا کلام، دُعا کا، اسی طرح اگر قرآن مجید پڑھ کر بخشے، کپڑا، گندم وغیرہ کسی غریب کو دے کر اس کا ثواب بخشے تو دُرست ہے۔

یہ بھی متفقہ مسئلہ اور قانون ہے کہ اگر شہرت، ریا، نمود یا تفاخر کے لئے دیا، خواہ تھوڑی چیز ہو یا بہت، ناجائز ہے، جب دینے والے کو شاہی دربارِ الٰہی تعالیٰ سے کچھ نہیں ملا تو اس کے مردہ بھائی، بہن، باپ یا ماں کو کیا ملے گا؟ بلکہ ریا وشہرت وغیرہ کے لئے دینا دُنیا وآخرت میں رُسوائی کا موجب ہے، نہ کہ اجر وثواب کا۔

اسی طرح اگر رواج کی پابندی پر دیا یا دفعِ ملامت کے لئے دیا تو للّٰہیت نہ ہونے کی وجہ سے، دینے والے کو ثواب نہیں ملے گا، تو مردہ کو کیا ملے گا؟

اسی طرح ورثاء میں اگر یتیم یا نابالغ ہیں یا بعض وارث اس قدر خرچ پر

راضی نہیں، مگر زبان سے بول نہیں سکتے تو خیرات کا ثواب دینے والے کو نہیں ملا، مردہ کو کیا ملے گا؟ ثواب تو اس چیز کا ملے گا جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے مستحق کو، اور مالِ حلال سے دی جائے، اور ریا اور شہرت وغیرہ کی نیت بھی نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے قبول فرمالیتے ہیں، اور دینے والے اور پڑھنے والے کو دُنیا و آخرت میں اضعافاً مضاعفہ، یعنی ایک چیز کی دس، سات سو یا لاکھوں کا انعام عطا فرماتے ہیں، پھر یہ شخص اس کا ثواب و انعام جس کو چاہے بخشے، خواہ زندہ کو یا مردہ کو، ایک کو یا ہزاروں کو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل، کرم اور رحم سے اُن کو پہنچادے گا اور دینے والے کو بھی خالی نہیں رکھے گا، بلکہ اس کو بھی سب کچھ ملے گا، من فضل اللہ لیس ببعید!

قرآن مجید میں ہے:

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابِ" (ابراہیم:۴۱)

ترجمہ:... "اے ہمارے رَبّ! مجھے، میرے ماں باپ اور تمام مؤمنین کو بخش دے، اس دن میں کہ جس میں حساب ہوگا، یعنی قیامت کے دن میں۔"

اسی طرح دُوسری جگہ ہے:

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ" (الحشر:۱۰)

ترجمہ:... "اے ہمارے رَبّ! ہم کو بخش اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے گزرے ہیں ایمان کے ساتھ۔"

اگر ایک مسلمان دُوسروں کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا تو کیا ان کے لئے مغفرت بھی طلب نہیں کرسکتا؟

اب عرض ہے کہ مردہ کی رُوح کو اِیصالِ ثواب کرنا جائز ہے، فرض اور واجب نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو ثواب نہیں بخشتا تو وہ مجرم نہیں ہوگا، اور قیامت کے دن اس سے اس سلسلے میں بازپرس نہ ہوگی کہ تم نے ثواب کیوں نہ بخشا تھا؟ ہاں! فرض کے انکار یا عدمِ تعمیل پر پوچھا جائے گا کہ اس کی تعمیل کیوں نہ کی تھی؟ اور حیلے بہانے سے تعمیلِ فرمان کو ضائع کیوں کردیا تھا؟ اب دیکھئے کہ مستحب یا جائز چیز کی تو اس قدر تعمیل و عزّت افزائی! کہ اُسے فرض کے برابر سمجھا گیا، اور فرض کی اس قدر تحقیر و تذلیل کہ وہ مستحب و مستحسن کی مقدار کا بھی نہ رہا، لہٰذا استفتاء جو پڈعیدن سے آیا اور خیرالمدارس کے مفتی مدظلہ نے اس پر جو فتویٰ دیا، بعینہٖ پیشِ خدمت ہے۔ اتفاقاً بندہ پڈعیدن حاضر ہوا اور مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اس فتویٰ پر عمل کرکے لوگوں کو دِکھادیا کہ فرض کی تعمیل اس طور سے کی جاتی ہے، گویا مردہ فرض کو عملاً زندہ کرکے دکھادیا، جزاہ اللہ فی الدارین خیرًا! ذیل میں استفتاء اور اس کا جواب درج کیا جاتا ہے:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین عشر زمین کے بارے میں؟ عرض ہے کہ عشر زمین کی پوری تشریح فرمائیں، کیونکہ:

۱:... سبزیاں ہر روز ہوتی ہیں، کریلے، توری وغیرہ، اس کا عشر کیسے ہو؟

۲:... بعض زمینیں ایسی ناقص ہوتی ہیں کہ بیج پورا نہیں ہوتا اور سرکار معاملہ و آبیانہ ضرور لے لیتی ہے، وہ آبیانہ گندم وغیرہ نکلی ہوئی سے دُگنا یا زیادہ ہوتا ہے، کیا اس کے باوجود بھی عشر دے اور معاملہ و آبیانہ بھی بھرے؟ اور لائے تو کہاں سے لائے؟

۳:... کیا عشر زمیندار پر ہے؟ یا مزارع پر بھی ہے؟

مزارعت تو مزدوری ہے، پھر مزدور پر عشر کیوں ہوا؟

۴:... بادشاہ مسلمان ہے، جو معاملہ و آبیانہ لے رہا ہے، وہی عشر ہونا چاہئے؟ نہ کہ معاملہ وآبیانہ کے؟

۵:... جوار، برسیم وغیرہ بیلوں کے چارہ کے لئے بوئی جاتی ہے، جانور کھاتے ہیں، اس کا عشر کیسے ادا ہو؟ اگر رقم لگائی جائے تو زمین والے کے پاس کھانے کو نہیں، رقم کہاں سے لائے؟ عشر بھی ادا کرے اور معاملہ، آبیانہ وغیرہ بھی۔

حضرت! ہم جاہلوں کی تسلی کرائیں اور جلدی کرائیں، تمام شبہات کا تسکین بخش جواب ہو۔

المستفتی

غلام محمد

بمقام حبیب آباد ڈاک خانہ شجاع آباد

۱۶/محرم ۱۳۸۴ھ۔''

الجواب:

۱:... روزانہ حاصل شدہ سبزی کا وزن کرکے دسواں یا بیسواں حصہ محلّہ کے فقراء پر تقسیم کردیا جائے، اگر مقدار بہت قلیل ہو تو روزانہ وزن نوٹ کرتا رہے، جب دُوسرے یا چوتھے روز اس کی مقدار پانچ دس سیر ہوجائے تو دسواں یا بیسواں حصہ ادا کردے۔

۲:... اوّل تو ایسی ناقص زمینوں کو عموماً کاشت نہیں کرتے، بلکہ شاذ و نادر کوئی ایسا ہوگا جو ایسی ناقص زمین کو کاشت کرے، جس سے بیج ہی پورا نہ ہو، اور اگر کوئی شخص ایسا گھاٹے والا کام کرتا ہے، اس کے باوجود گورنمنٹ کو دُگنا یا اس سے زائد خرچہ دیتا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے دسواں یا بیسواں حصہ نہیں دے سکتا؟ جبکہ

گورنمنٹ کو کل آمدنی سے دُگنا دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو فقراء کے لئے آمدنی میں سے دسواں یا بیسواں حصہ مقرّر فرمایا ہے۔

۳:... زمیندار اپنے حصے کا عشر نکالے اور مزارع اپنے حصے کا، واضح رہے کہ مزارع تو پیداوار میں شریک ہوتا ہے، اسے مزدور کہنا غلطی ہے، مزدور تو وہ ہوتا ہے جو ہل چلانے یا کسی اور کام پر یومیہ دو، ڈھائی روپیہ اُجرت وصول کرتا ہے، اور پیداوار سے اس کا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا، برخلاف مزارع کے جو پیداوار میں شریک ہوتا ہے۔

۴:... آبیانہ تو پانی کا معاوضہ ہے، اور اس کی ادائیگی پر شریعت نے بھی بجائے عشر کے بیسواں حصہ رکھا ہے، جس زمین کا آبیانہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے یا اسے کنوؤں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے، اس کا بجائے دسواں کے بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، پس آبیانہ کی دی ہوئی رقم عشر میں محسوب نہ کرنی چاہئے، آبیانہ کے علاوہ گورنمنٹ مالیہ وصول کرتی ہے، چونکہ انگریزی دورِ حکومت سے یہ مالیہ وصول کیا جاتا ہے اور اس کے مصارف ہرگز عشر کے نہیں ہوتے، اور نہ ہی آج کل اسلامی قانون ملک میں رائج ہے، اور نہ ہی ہم یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ مالیہ کی حقیر رقم کو عشر میں محسوب کیا جائے۔

۵:... جو گھاس اور چارہ بیلوں کے لئے کاٹیں، اس کو تول کر یا اندازہ سے اس کا دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دے دیں، فقراء کی بکریاں وغیرہ ہوتی ہیں، وہ استعمال کرلیں گے یا بیچیں گے، زمینداروں کے لئے گھاس دینا مشکل نہیں، اور عشر میں اسی لئے پیداوار کا حصہ رکھا گیا ہے، اگر کسی زمیندار کے پاس پیسے ہوں تو پیسے بھی دے سکتا ہے، شریعت میں بحمدہٖ تعالیٰ آسانی ہے، فقط واللہ اعلم!

عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس
۱۳۸۴/۱/۱۸ھ

گزشتہ فتویٰ پر شبہ کیا گیا، دوبارہ بھیج کر جواب لیا:

’’حضرت! ایک شبہ باقی ہے، اس کا جواب مسکن قلب ارشاد ہو، قدوری، باب زکوٰۃ الزروع والثمار میں صفحہ:٦٦ پر ہے: ”قال ابوحنیفة (رحمه الله تعالیٰ) فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیرہٗ العشر واجب، سواء سقی سیحا او سقته السماء الا الحطب والقصب والحشیش، وقال ابو یوسف ومحمد (رحمهما الله تعالیٰ): لا یجب العشر الا فیما لهٗ ثمرة باقیة اذا بلغت خمسة اوسق، والوسق ستون صاعًا بصاع النبی صلی الله علیه وسلم، ولیس فی الخضروات عندهما عشر، وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیه نصف العشر علی القولین. انتهی“

حشیش یعنی گھاس میں عشر نہیں ہے، جوار، برسیم وغیرہ بھی گھاس ہیں، ہاں! اگر جوار پکائی جائے، پھر دانوں پر عشر ہوگا، نہ کہ محض گھاس پر۔ اور ”لیس فی الخضروات عندهما عشر“ صاحبینؒ کا مذہب ہے، اور باقی ائمہ کرام اکثر کا مذہب ہے، اگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے تو مجرم نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے مذہب پر عمل کرنے سے حنفیت سے بھی خارج نہیں ہوتا، اور بہت سے مسائل جیسے بٹائی پر زمین کا دینا حضرت امام صاحبؒ کا مذہب نہیں ہے، وغیر ذالک، اُن میں صاحبینؒ کے اقوال پر فتویٰ

ہے، اس میں بھی ہونا چاہئے۔

والسلام
غلام محمد عفی عنہ
۲۸؍محرم ۱۳۸۴ھ۔"

الجواب:

فتاویٰ شامیہ کی تفصیل کا مطالعہ کرنے سے یہ تحقیق معلوم ہوئی ہے:

ا:... حشیش سے مراد عام گھاس اور چارے نہیں ہیں، بلکہ خود رو گھاس مراد ہے جو کہ بغیر کاشت کے اراضی میں خودبخود اُگ آتی ہے، کتبِ لغت میں اس کی یہی تفسیر تحریر ہے، ایسی خود رو گھاس پر عشر نہیں ہے۔

۲:... جو گھاس کہ بالقصد زمین میں کاشت کی جائے اور مقصد یہ ہو کہ جانوروں کے لئے چارہ حاصل کیا جائے گا، اس میں اِمامِ اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عشر واجب ہے، ایسی گھاس کو رطاب کہتے ہیں (واحدہٗ رَطبة) اس کے بارے میں عالمگیری ج:ا ص:۹۵ میں ہے: "ویجب العشر عند ابی حنیفة فی کل ما یخرجه الارض من الحنطة والشعیر (الٰی ان قال) البقول والریاحین والاوراد والرطاب .... الخ." واضح رہے کہ حشیش وغیرہ جن چیزوں میں بالاتفاق عشر نہیں ہے، اگر زمین کو ایسی خود رو گھاس کے ساتھ مشغول رکھا جائے اور اس سے آمدنی مقصود ہو، تو پھر اس میں بھی عشر واجب ہے، کما فی ردالمحتار ج:۲ ص:۶۸۔

۳:... جوار، مکئی، باجرہ، گیہوں وغیرہ اگر زمین میں کاشت کرے اور پکنے سے پہلے بطور چارہ کے کاٹ کر جانوروں کو کھلائے تو اس میں بھی عشر ہے۔ شامی ج:۲ ص:۶۸ "قوله وتبن بالباء الموحدة قال فی الفتح غیر انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فیه لانه صار هو المقصود."

تنبیہ:... یہ سب تفصیل بنا بر مذہب اِمامِ اعظمؒ ہے، صاحبینؒ کے نزدیک

ان تمام مذکورات میں عشر نہیں ہے، مگر اربابِ فتاویٰ نے اس مسئلہ میں احتیاط کے پیشِ نظر اِمامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، فقط واللہ اعلم!

عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ خیر المدارس
۱۳۸۴/۱۲/۲۷ھ

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

عرض: پڈعیدن والوں کا یہ خط آیا، بندہ نے وہی خط خیرالمدارس بھیج کر جواب لیا، جوابی لفافہ ساتھ تھا، اس لئے انہوں نے جواب تحریر فرما کر پڈعیدن بھیج دیا، بندہ دُوسرے رفقاء کی دعوت پر پڈعیدن حاضر ہوا، انہوں نے فتویٰ دِکھایا، وہی نقل مطابق اصل لے لیا، وہی فتویٰ پیشِ خدمت ہے، شاید کسی کو ہدایت ہوجائے، والسلام۔

وہ خط یہ ہے:

"از پڈعیدن جنکشن

بخدمت جناب قبلہ حضرت پیر مرشد و ہادی و رہبر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد نیاز کے عرض ہے کہ ہمارے امام مسجد مولوی محمد ابراہیم کی بیوی کا ۲۲ شوال ۱۳۸۴ھ کو انتقال ہوا، جس میں مولوی صاحب نے کچھ ایسے معمول کئے جو پہلے نہیں ہوئے، اس لئے جماعت نے جناب کی خدمت میں یہ چند سوال تحریر کئے ہیں، آپ ان کا حل فرمائیں۔

مسئلہ۱:... جنازہ کے بعد دُعا کا مانگنا یا نہ مانگنا جائز کیسے ہے؟

مسئلہ۲:... قبر پر بیٹھ کر قرآن کھول کر کے قرآن مجید کی تلاوت کرنا یا زبانی پڑھنا۔

مسئلہ۳:... میّت کے دفنانے کے بعد قبر سے چالیس قدم پر دُعا کرنا یا مانگنا۔

مسئلہ۴:... تیسرے دن بھنے ہوئے چنوں پر جس میں کچھ میٹھے کھانے بھی ہوں، کلمہ پڑھنا یا دُرود شریف پڑھ کر ان کا تقسیم کرنا۔

ان باتوں میں سے مولوی محمد ابراہیم صاحب نے کچھ بھی نہیں کیا، صرف نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن کرنے کے بعد دُعا کی۔

عبدالجبار بقلم خود — دستخط:

پڈعیدن — منصور علی محمد خان عمر گل۔"

الجواب:

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ و تابعینؒ سے ثابت نہیں، اس لئے فقہائے کرامؒ نے اسے ناجائز و مکروہ لکھا ہے۔

بحر میں ہے ج:۲ ص:۱۹۷ "وقیّد بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة."

اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: "ولا یدعو للمیّت بعد الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة." ج:۲ ص:۳۱۹۔

۲:... وفی العالمگیریۃ ج:۲ ص:۱۰۶ "وحکی من الشیخ الامام الجلیل ابی بکر محمد بن الفضل ان قراءۃ القرآن فی المقابر اذا اخفی ولم یجھر لا یکرہ."

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ قبر کے ساتھ بیٹھ کر آہستہ آہستہ قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے میں گنجائش ہے۔

۳:... بدعت ہے، سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

۴:... یہ بھی بدعت ہے، فقط واللہ اعلم!

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس

۱۹/۱۱/۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس

شبینہ کا حکم

بسم اللہ حامدًا و مصلیًا علیٰ خیر خلقہ محمد

و اٰلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین

ہمارے ملک میں شبینہ پڑھانے کا عام رواج ہے، جس میں علماء، صوفیاء اور عوام سب کے سب کوشاں ہیں، اسے بہشت کا ذریعہ، دوزخ سے بچنے کا سبب اور قربِ خداوندی کا وسیلہ سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقۃً ایسا ہی ہے، بشرطیکہ اس میں دُوسرے اغراض و اغلاط کی آمیزش نہ ہوجائے، مگر اس میں بعض یا اکثر چیزیں ایسی شامل

ہوگئیں جن سے رُوحانیت، قرب اور ثواب تو جاتا رہا، مگر قشر (چھلکا) بے مغز اور جسم بے رُوح رہ گیا، ظاہری بناوٹ وملمع سازی رہی اور حقیقت و اصلیت پرواز کرگئی، اسی لئے مدّت ہوئی کہ کراچی سے فتویٰ منگوایا گیا تھا، مگر طباعت میں نہ آسکا، اب دُوسرے فتاویٰ کے ساتھ ملاکر پیشِ خدمت کیا جاتا ہے، تاکہ سمجھ دار عاشقِ خدا تعالیٰ اور حضور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کا فدائی اغلاط سے بچ کر اصل وحقیقت پر عمل کرکے قربِ الٰہی اور قربِ نبوی حاصل کرسکے اور اغلاط سے بھی بچ سکے، وَالسَّـلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔ استفتاء و جوابِ استفتاء پیشِ خدمت ہے، نقل مطابق اصل ہے۔

”بسم اللہ حامدًا و مصلیًا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیٔ شرعِ متین کہ ہمارے گرد ونواح شہروں میں شبینہ ہوا کرتا ہے، یعنی حفاظِ کرام کو جمع کرکے ایک رات میں قرآن مجید کا ختم سنتے ہیں اور اس کو ثواب ونجاتِ آخرت کا ذریعہ جانتے ہیں، (بے شک قرآن مجید کا سننا ہر مسلمان کے نزدیک نعمت، رحمت، فضل اور احسان ہے، اس کا کون انکار کرسکتا ہے؟) مگر اس میں چند چیزیں پیدا ہوچکی ہیں، مثلاً:

ا:... اگر ایک نے دعوت کی، تو دُوسرے نے اس سے بڑھ چڑھ کر دعوت کو ملمع کیا اور رونق افزوں کی، بظاہر شہرت کا مبنی معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے کہ اِخلاص ہو۔

۲:... ہر حافظ یہ چاہتا ہے کہ میرا نام بالا ہو اور سب سے آگے نکلوں، جس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی کو قراءت میں

کوئی لفظ اَٹک گیا، اس پر ہر طرف سے ہزار ملامت، استہزاء اور طعن تشنیع آنے لگا، وہ شرمسار در شرمسار ہوجاتا ہے۔

۳:... پیچھے سننے والے حفاظ تمام رکعتوں میں پڑھنے والے اِمام کے پیچھے نہیں رہتے، بلکہ فارغ از نماز بیٹھے رہتے ہیں، بات چیت آہستہ آہستہ یا ذرا بلند آواز سے کرتے رہتے ہیں، جب حفاظ کو قراءت اَٹک گئی، فوری اللہ اکبر کرکے نیت باندھ کر اِمام سے وہ آیت دوبارہ پڑھوائی اور بتلایا، پھر نماز توڑ کر بیٹھ گئے، نماز کی نیت باندھنا، اللہ اکبر کرنا، بتلانا، پھر بغیر عذر کے نفل توڑنا، یہ سب کچھ کرنا، پھر اس باطل کردہ نفل کو ممکن ہے کہ کبھی قضا کرتے ہوں یا نہ بھی کرتے ہوں۔

۴:... کبھی اِمام کے آگے لاؤڈ اسپیکر رکھتے ہیں، دُور دُور تک آواز جاتی ہے، شہر والے اور دیہات والے اپنے اپنے کام میں، بات چیت میں اور لڑنے جھگڑنے میں ہوتے ہیں، کوئی سننے کے لئے کان دھرتا بھی ہوگا، اور اس حالت میں شبینہ والی رات میں کوئی فحش بھی ہوتا ہوگا، اور کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت بھی کرتا ہوگا، وغیر ذالک۔

۵:... ان حفاظ کو کبھی کوئی عطیہ و اِنعام بھی دیا جاتا ہے، اور کسی جگہ نہ دینے والا مطعون، بخیل کہلایا جاتا ہے، وغیر ذالک۔

اب عرض یہ ہے کہ اگر یہ شبینہ اغلاط سے خالی ہو اور محض اِخلاص پر مدار ہو، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اسلاف یا

اَئمہ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ سے یا قولِ ضعیف کتبِ فقہِ حنفیہ سے منقول ہے یا نہیں؟ بدعت تو نہ ہوجائے گا؟

۲:...اور ان مذکورہ بالا اغلاط کے ہوتے ہوئے پھر بھی ثواب اور جزائے آخرت کی اُمید رکھنا چاہئے یا نہیں؟

۳:...لاؤڈ اسپیکر کے ہوتے ہوئے صرف اُن مسجد یا صحن والوں کو قرآن مجید کا سننا واجب ہے؟ یا سب حاضرینِ مجلس، غائب اور دُور و قریب والوں پر سننا واجب ہوگا؟ اگر سب پر واجب ہے اور نہ سنا، تو کیا یہ سارے کے سارے گناہ گار ہوں گے؟ اس دوران باتیں اور جماع وغیرہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

۴:...کیا اس طور نفل کی نیت باندھنا اور توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ عرض ہے کہ مفتی صاحب اس میں لیت ولعل نہ کرے، بلکہ نقل کتاب سے مسئلہ تحریر فرمائے اور فتویٰ کو حسبِ شریعت روشن فرمائے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً!

عبداللہ عفی عنہ
از اسلام آباد ڈاک خانہ شجاع آباد
ضلع ملتان ۵/شعبان ۱۳۷۹ھ۔''

الجواب:

شبینہ مروّجہ اگر مفاسد سے خالی ہو تو جائز ہے، نفسِ شبینہ کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، مشکوٰۃ المصابیح کی اس روایت سے ممانعت ثابت کرنا شراحِ حدیث کی تشریح کے پیشِ نظر مشکل ہے، وہ حدیث یہ ہے:

”عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لم یفقہ من قرأ القراٰن فی اقل من ثلاث.“ (رواہ الترمذی وابوداوٗد والدارمی)

اس حدیث کے ذیل میں شراح کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے:

”ظاھرہ المنع من ختم القراٰن فی اقل من ھذہ المدۃ، ولکنھم قالوا قد اختلف عادات السلف فی مدۃ الختم، فمنھم من کان یختم فی کل شھرین ختمۃ، واخرون فی کل شھر، وفی کل عشر واسبوع الی اربع، وکثیرون فی ثلاث، وکثیرون فی یوم ولیلۃ وجماعۃ ثلاث ختمات فی یوم ولیلۃ، وختم بعضٌ ثمانی ختمات فی یوم ولیلۃ، والمختار انہ یکرہ التاخیر فی الختمۃ اکثر من اربعین یومًا، وکذا التعجیل من ثلاثۃ ایام، والاولٰی ان یختم فی الاسبوع، والحق ان یختلف باختلاف الاشخاص.“

حاصل یہ ہے کہ ختمِ قرآن میں سلف کی عادت مختلف منقول ہوئی ہے، حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے شب و روز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے، اس لئے مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کومکروہ کہنا نامناسب ہے، غرضیکہ علتِ ممانعت عدمِ تفقّہ و تدبر فی القرآن ہے، اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقّہ و تدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں، جیسا کہ بعض سلف کی عادت تحریر ہوچکی، اور یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ سلف کے فعل کومکروہ کہیں۔

البتہ شبینہ مروّجہ میں بہت سے مفاسد ہیں، کچھ مفاسد تو استفتاء میں درج ہیں، اُن کے علاوہ بھی بعض مفاسد مشاہدہ میں آئے ہیں، مثلاً: تراویح پڑھنے کے بعد مجمعِ کثیر کے ساتھ نفل کی جماعت ہوتی ہے، اور اس میں شبینہ پڑھا جاتا ہے، اور فقہاء کی تصریح ہے کہ مجمعِ کثیر کے ساتھ نفل کی جماعت مکروہ ہے۔ اور اگر تراویح میں پڑھا جاتا ہے تو ایک دُوسری کراہت لازم آتی ہے، یعنی امام کو جو تخفیفِ صلوٰۃ کا حکم ہے، اس کی مخالفت یقیناً ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قراء کا ترتیل و تجوید کو ترک کرنا، حالانکہ فقہاء نے اس قسم کی جلدی کرنے کو مکروہ کہا ہے، اور اُن لوگوں کی عادت قرار دیا ہے جن کے دِل خوف و خشیتِ الٰہی سے خالی ہیں۔

طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں ہے:

”ویحذر من الی ان قال وترک الترتیل وترک تعدیل الارکان وغیرها کما یفعله من لا خشیة له.“ (ص:۲۴۹)

درِمختار اور کبیری شرحِ منیہ میں بھی بعینہٖ یہی الفاظ ہیں۔

پھر اس قسم کے شبینوں سے اکثر فخر و نمود کا قصد ہوتا ہے، اور کہیں عوضِ مالی کی اُمید، اور سامعین کا استماعِ قرآن کے اکثر آداب کو ضائع کرنا اور جماعت کا کسل مند ہونا اور ضرورت سے زیادہ روشنی وغیرہ کا تکلف کرنا ومثل ذالک یطول ذکرہ، اور بنظرِ انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاسد غالب ہیں اور عادۃً مثل لازم کے ہوگئے ہیں، لہٰذا منع کرنا ہی اَحوَط ہے اور اسی پر فتویٰ دینا چاہئے۔

”وفی الدر المختار بحث سجدة الشکر لان العامة یعتقدونها سنة او واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروه. وفی رد المحتار تحت قول صاحب الدر فی

صلٰوۃ الرغائب فلو ترک امثال ھذہ الصلٰوۃ تاركٌ
لیعلم الناس انه لیس من الشعائر فحسنٌ."

ا:... جہاں تک احقر کی ناقص معلومات کا تعلق ہے، مشہور فتاویٰ میں شبینہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ائمہ کبار سے اس کے متعلق کوئی قول منقول ہے، لیکن اس کے ذکر نہ ہونے سے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے، اور جس اَمر کی اصل موجود ہو اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، اس لئے مدارِ ممانعت شبینہ کا اس اَمر پر نہ رکھا جائے، بلکہ ان عوارض و مفاسد پر رکھا جائے جو سابق میں ذکر ہوئے۔

"فی الدر المختار مکروھات الصلٰوۃ وترکھا
ای قلب الحصی اولٰی فی ردالمحتار لانه اذا تردد
الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحًا علٰی
فعل البدعة."

۲:... مذکورہ بالا مفاسد کے ہوتے ہوئے ثواب اور جزائے آخرت کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔

۳:... جو لوگ مسجد یا صحنِ مسجد میں جمع ہیں اور وہ قرآن سننے کے لئے جمع ہیں، ان پر ضروری ہے کہ قرآن سننے کے آداب کو ملحوظ رکھیں، اور جو لوگ قرآن سننے کے لئے جمع نہیں ہوتے ہیں بلکہ اپنے گھروں پر ہیں اور قرآن سننے کا ارادہ نہیں ہے، اور اُن کو زبردستی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنوایا جائے اور وہ آدابِ قرآن کو ملحوظ نہ رکھیں، تو اس کا گناہ سننے والوں پر نہیں ہوگا، بلکہ سنانے والوں پر ہوگا۔

"قال فی الخلاصة رجل یکتب الفقه و (بجنبه)
رجل یقرأ القراٰن فلا یمکنه استماع القراٰن فلا اثم علی

القاری، وعلٰی هٰذا لو قرأ علی السطح فی اللیل جهرًا والناس نیامٌ یأثم نفسه.“ (روح المعانی تحت قول اللہ عزوجل: ”وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا“ ج:۹ ص:۱۵۳)

۴:...نفل کی نیت باندھنے سے اس کا اِتمام ضروری ہوتا ہے، اور اس کو توڑ لیا جائے تو اس کی قضا ضروری ہے، کما فی عامة کتب الفقه، واللہ تعالیٰ اعلم!

احقر ولی حسن عفی عنہ
مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵
۳۰ر شعبان ۱۳۷۹ھ

تعظیم الشعائر
یعنی
شعائر اللہ کی تعظیم
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی خُصُوۡصًا عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الۡمُصۡطَفٰی خَیۡرِ الۡوَرٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الۡمُرۡتَضٰی، اَمَّا بَعۡدُ!

عرض یہ ہے کہ: اگر گوش بابندہ داری نخست۔ میں یوں تو نہیں کہتا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ ہم میں سے اکثر کو شعائر اللہ مسجد وغیرہ کی عزّت وعظمت نہیں ہے، گویا جیسے چاہو مسجد میں شور وشغب مچاتے رہو، گالم گلوچ، فحش بکتے رہو، بدبو کے ساتھ آتے جاتے رہو، ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے ہاں مسجد بیت اللہ نہیں، بلکہ دُنیوی مجالس و مفاسد کی قیام گاہ ہے، اسی طرح ہمارے ہاں ماں باپ کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے، ان کی خدمت نہیں کی جاتی ہے، بلکہ ان سے خدمت لی جاتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

عورتیں بے لگام و بدلحاظ ہیں، مردوں کو ٹھوک کر جواب دیتی ہیں، خدمت کرنے کے بجائے مردوں سے خدمت لیتی ہیں، اِن جیسے حقوق کے ضائع کئے جانے کے بعد بھی ہماری مسلمانی میں فرق نہیں آیا!

ہرگزم باور نمے آید زروئے اعتقاد
ایں ہمہ ہا کردن و دِینِ پیمبر داشتن

ترجمہ:... ''مجھے از روئے اعتقاد ہرگز یقین نہیں آتا کہ ایسے کرتوت کرنا اور پیغمبر کا دِین رکھنا۔''

اسی ضرورت کے تناظر میں یہ رسالہ پیشِ خدمت ہے، جس میں مختلف عنوانات کو چند فصلوں میں تقسیم کرکے بیان کیا جاتا ہے:

فصلِ اوّل:

مسجد کے آداب:

آہ! آج ہماری بہت سی مسجدیں تو نماز اور جماعت تک کو ترستی ہیں، ان میں انسانوں کے بجائے مختلف قسم کے جانور معتکف نظر آتے ہیں:

گفتم ایں شرط آدمیت نیست
مرغ تسبیح خوان و تو خاموش

ترجمہ:... ''میں نے کہا یہ آدمیت کی شرط نہیں، پرندے تو تسبیح پڑھیں اور تو خاموش رہے۔''

اور جو چند ایک مساجد آباد بھی ہیں، تو ایسی، کہ شرعی اصطلاح میں ان کو آباد نہیں کہا جاسکتا، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مسجد کے متعلق فرماتے ہیں:

''مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَّهِيَ خَرَابٌ'' (مشکوٰۃ ص:۳۸)

یعنی اخیر زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی، مگر درحقیقت ویران۔

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں:

حدیث میں ہے:

''بے شک زمین میں اللہ (تعالیٰ) کے گھر مساجد ہیں، اور بے شک اللہ (تعالیٰ) نے اس شخص کا اِکرام کرنے کا ذمہ لیا ہے، جو اس (اللہ تعالیٰ) کی زیارت کے لئے مسجد میں آئے۔''

(کنز العمال ج:۸ ص:۳۱۳ حدیث:۲۳۰۷۴)

اس لئے مساجد کی عظمت درحقیقت خداوندِ عالم کی عظمت ہے، اور ان کی بے ادبی دراصل خداوندِ کبریا اور ذاتِ ذوالجلال کی بے ادبی ہے۔

مسجدیں آخرت کے بازار ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسجدیں آخرت کے بازاروں میں سے بازار ہیں، جو شخص ان میں داخل ہوگیا، وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اس کی مہمانی مغفرت ہے، اور اس کے لئے تحفہ تکریم و تعظیم ہے۔''

(کنز العمال ج:۷ ص:۵۸۰ حدیث:۲۰۳۴۸)

جس طرح علی الصبح دُنیا کے بازار لگتے ہیں اور لوگ اپنی اپنی حاجات و ضروریات کے لئے خرید و فروخت میں مشغول ہوتے ہیں، اسی طرح اس وقت آخرت کے بازار بھی لگائے جاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کے نیک بندے ان کی طرف دوڑتے ہیں:

بوقتِ صبح جو خورشید مُنہ دِکھاتا ہے
کوئی حرم کو، کوئی میکدہ کو جاتا ہے
جو دِل سے پوچھتا ہوں، تو کدھر کو جاتا ہے؟
تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ پڑھ سناتا ہے:

علی الصبح کہ مردم بکاروبار روند
بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند

ترجمہ:... ''صبح کے وقت لوگ کاروبار میں جاتے ہیں، محبت کی تکلیف برداشت کرنے والے یار کی گلی میں جاتے ہیں۔''

دُنیا کے بازاروں سے دُنیوی گھر کا سامان خریدا جاتا ہے، اور آخرت کے بازاروں (مساجد) سے اُخروی گھر کا سامان خریدا جاتا ہے۔

مساجد جنت کے باغات ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم جنت کے باغات سے گزرو تو اس کے پھل کھا لیا کرو، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ فرمایا: جنت کے باغات مساجد ہیں! پھر عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ان کے پھل کھانے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ۔''

(مشکوٰۃ ص:۷۰ بحوالہ ترمذی)

یعنی ان کلماتِ طیبات کا مساجد میں پڑھنا، پھل کھانا ہے۔

مسجد بنانے کا ثواب:

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ (تعالیٰ) کے لئے کوئی مسجد بناتا ہے،
اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔''

(مشکوٰۃ ص:٦٨ بحوالہ بخاری ومسلم)

تنبیہ:... مسجد ایک صدقہ جاریہ ہے، جب تک لوگ اس میں نماز پڑھتے رہیں گے، مسجد بنانے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا، مگر بلا ضرورت مسجد کے نقش و نگار میں روپیہ صَرف کرنا پسندیدہ نہیں، خصوصاً جبکہ مال کے دُوسرے مصارف موجود ہوں اور محتاج و مساکین پریشان ہوں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ خیرات اور صدقات کی جس مد میں زیادہ ضرورت ہو، اس میں خرچ کرنا افضل ہے۔

گھروں میں مسجد بنانا:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں
بنانے کا حکم دیا ہے، اور یہ کہ ان کو صاف رکھا جائے اور ان
میں خوشبو لگائی جائے۔'' (مشکوٰۃ ص:٦٩ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی)

تنبیہ:... گھر کی مساجد کا حکم مکمل طور پر مسجد کا نہیں ہے، ہاں! ان کا بنانا مستحب ہے۔ (کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ ج:۱ ص:۲۲۷)

مسجدوں کو حد سے زیادہ مزین کرنا مکروہ ہے:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما مساجد کی حد سے زیادہ تزئین کو یہود و

نصاریٰ کا دستور فرماتے ہیں، اور ناراضی کے لہجے میں فرماتے ہیں کہ:

''تم مساجد کو مزین کروگے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔'' (ابوداوٗد ج:۱ ص:۶۵)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ صفائی اور چیز ہے، اور تزئین وگل کاری دُوسری چیز ہے۔ مسجد کی صفائی سنت اور ضروری چیز ہے، اور بے حد زینت وگل کاریاں مکروہ و مذموم ہیں، کیونکہ وہ نماز پڑھنے والے کو اپنی طرف مشغول کرلیتی ہیں۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: ان جائز بیل بوٹوں میں روپیہ صرف کرنے سے بھی اَولیٰ یہ ہے کہ اس کو فقراء اور مساکین پر خرچ کیا جائے۔

مسئلہ:... یہ چونے اور گچ وغیرہ کے بیل بوٹے بنوانا بھی اس وقت دُرست ہے کہ بنوانے والا اپنے ذاتی مال سے بنوائے، اگر چندہ یا وقف سے مسجد بنائی جائے تو وقف کرنے والے یا چندہ دینے والے کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا ناجائز ہے، اگر مسجد کے مہتمم و متولّی نے بلااجازت، چندہ دہندہ یا وقف کا روپیہ جائز نقش و نگار میں خرچ کیا تو وہ اس روپیہ کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح قربانی کے چمڑوں اور زکوٰۃ کے روپیہ کو حیلہ کرکے جائز نقش میں خرچ کیا تو بھی ذمہ دار ہوگا۔

مسئلہ:... محلّہ کی مسجد اہلِ محلّہ کے لئے جامع مسجد سے افضل ہے، لیکن اگر جامع مسجد کا اِمام عالم ہوتو پھر جامع مسجد ہی افضل ہے۔

(کذا فی اشباہ والنظائر ص:۱۹۵)

مسئلہ:... دُکان دار کے لئے رات کے وقت اپنے محلّہ کی اور دُکان پر بیٹھنے کے وقت دُکان کے قریب والی مسجد افضل ہے، جبکہ طالبِ علم کے لئے اُستاذ کی مسجد افضل ہے۔ (کذا فی اشباہ والنظائر)

مساجد کی صفائی کا بیان:

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مسجدوں کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبو لگائی جائے۔" (مشکوٰۃ ص:۶۹ بحوالہ ترمذی، ابوداوٗد)

"حضرت یعقوب بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کیا کرتے تھے۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱ ص:۴۳۵)

مصنف ابنِ ابی شیبہ میں مُطّلب بن عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ:

"مسجدِ قبا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، پھر کسی سے فرمایا کہ: مجھے ایک کھجور کی ٹہنی لادو، اس نے لاکر دے دی، آپؓ نے ایک کپڑے سے کمر باندھی اور تمام مسجد میں جھاڑو دی۔" (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۱ ص:۴۳۴)

مسئلہ:... مسجد میں لہسن اور پیاز لانا یا انہیں کھاکر مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔ (درمختار وطریقہ محمدیہ)

یہی حکم ہر بدبودار چیز کا ہے، جیسے حقہ، سگریٹ اور مٹی کا تیل وغیرہ، اور طریقہ محمدیہ میں مولی کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے۔

مسجد میں خوشبو کی دُھونی دینا:

مسجد میں لوبان اور عود کی دُھونی دینا سنت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہمیشہ دستور رہا۔

مسجد میں ناجائز ومکروہ کام:

مسئلہ:... حائضہ، نفاس والی اور جنب کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے، لیکن عید گاہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے، لہٰذا اس میں یہ لوگ جاسکتے ہیں۔

(درمختار ص:۳۲)

مسجد میں چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو داخل کرنا حرام ہے۔ مسجد میں میّت کو نہ لایا جائے۔ اسی طرح جوؤں کو مسجد میں مار کر نہ ڈالا جائے، اس میں پیشاب پاخانہ نہ کیا جائے، تھوکا نہ جائے، مسجد کے اجزا میں سے کوئی اینٹ یا چونا وغیرہ لینا حرام ہے۔ مسجد میں کنواں نہ کھودا جائے، ہاں! اگر پہلے سے کھدا ہوا ہو تو اس کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ مسجد کو راہ گذر نہ بنایا جائے، اس میں وضو کرنا اور کلی کرنا بھی ناجائز ہے۔ مسجد میں اُجرت کا کوئی کام نہ کیا جائے تاآنکہ حدیث، تفسیر اور فقہ کے مسائل بھی اُجرت پر لکھنا ناجائز ہے۔ بچوں کو بلا اُجرت مسجد میں پڑھانا بعض فقہا نے جائز رکھا ہے، مگر اُجرت اور تنخواہ لے کر بالاتفاق ناجائز ہے۔ (کذافی اشباہ والنظائر عن التمر تاشی)

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کر کے تلاش کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسجد میں دُنیا کی باتیں:

دُنیا کی جو باتیں مسجد سے باہر جائز اور مباح ہیں، وہ مسجد میں ناجائز ہیں، اور جو خارج مسجد بھی ناجائز ہوں، وہ مسجد میں سخت حرام ہیں۔

مسئلہ:... اگر باتیں کرنے کی غرض سے مسجد میں نہ بیٹھے، بلکہ اتفاقی طور سے کوئی دُنیا کی ضروری بات آہستہ سے کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (اشباہ)

مسجد میں دُنیا کی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہیں، جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔

مسئلہ:... مسجد میں ذکرِ جہر کرنا اور آواز سے تلاوتِ قرآن مجید کرنا وغیرہ سب ناجائز ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

ہاں! اگر مسجد میں کوئی آدمی نماز یا تسبیح وتہلیل وغیرہ میں مشغول نہ ہو، تو پھر بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ (بیان ذکر الذاکر للشیخ عبدالوہاب الشعرانیؒ)

تنبیہ:... خدا کی پناہ! شریعتِ اسلام تو مسجد میں بلند آواز سے تلاوتِ قرآن اور ذکرِ جہر کو ناجائز قرار دے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ بازاروں کے شور سے بچو، مگر کس قدر ظلم ہے کہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے مسجد میں زور زور سے ثناخوانی کریں، ان میں عشقیہ شعر و اشعار راگ میں پڑھے جائیں، متصوف لوگوں کو اس پر وجد آئے، اس پر روپے پیسے قربان کئے جائیں، پھر اس کو ثواب سمجھا جائے:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

ترجمہ:... "خواجہ کا گمان ہے کہ کچھ حاصل رکھتا ہے،
خواجہ کا حاصل، گمان کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

ثواب کہنا تو کجا، ڈر ہے کہ کہیں پہلے کے کئے دھرے عمل بھی اس گستاخی اور بے ادبی کی نذر نہ ہوگئے ہوں:

حاصل خود کرد صرف کیمیا
ہیچ چیز از کیمیا حاصل نکرد

ترجمہ:... "اپنا سرمایہ کیمیا پر خرچ کیا (مگر) کیمیا سے
کوئی چیز حاصل نہیں کی۔"

مسئلہ:... مسجد کی صف اور قالین وغیرہ گھر یا حجرہ میں لے جانا جائز نہیں،

مسجد کے لوٹے اور دیگر سامان بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج:۱ ص:۲۲۹)

مسئلہ:... مسجد کی دیواروں پر لکھنا دُرست نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ:... کسی مسجد کو عمدہ بنانے کی غرض سے منہدم کرنا جائز نہیں، جب تک کہ اس کے گر جانے کا خطرہ نہ ہو۔ (کذا فی سراج المنیر از مجموعۃ الفتاویٰ)

ان میں سے اکثر مسائل ''آدابِ مسجد'' مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی سے لئے گئے ہیں۔

فصلِ دوم:

حقوق والدین:

کون نہیں جانتا کہ والدین کے حقوق تمام مخلوق کے حقوق سے عقلاً، نقلاً، فطرۃً، مروّۃً اور عرفاً، برتر، ضروری اور مستحسن ہیں، مگر افسوس! کہ فرماں برداری کرنے والی اولاد اس دُنیا میں کمیاب ہے! شاذ و نادر کہیں کہیں اس کا نشان ملتا ہے، تحقیق کی جائے تو اس کی چند وجوہ ہیں:

۱:... اوّل یہ کہ دِینی تعلیم سے ناواقفیت ہے، چنانچہ ماں باپ کی عزّت، عظمت، خدمت اور محبت سے متعلق پڑھا، نہ دِل پر کسی نیک صحبت کا اثر ہوا، چنانچہ حدیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کورے، قرآن مجید سے ناواقف، دُنیوی تمدن کے ماہر، معاش کے فدائی، اور مادّی ترقی کے متوالوں کو رُوحانی چیزوں سے کیا تعلق؟

۲:... دُوسرا سبب یہ ہے کہ عموماً لوگ اچھی صحبت اور صالح رفاقت سے دُور ہیں، حقوقِ محسنین کی قدر کہاں سے آئے؟ اور دِل پر کیا اثر کرے؟

۳:... تیسرا باعث یہ ہے کہ اپنی عقل و فکر کو کامل و اکمل جانتے ہیں، دُوسروں

کی وصیت و نصیحت پر کان تک نہیں دھرتے، جب اپنے آپ کو ناقص ہی نہیں جانتے، تو اپنے سے بڑے کی تلاش کیسے کریں گے؟ وغیر ذالک من الوجوہ۔

اس سلسلے کی چند ہدایات قرآن و حدیث سے پیشِ خدمت ہیں، اگر غریب نوازی سے طوعاً و کرہاً پڑھ، سن لیں، تو زہے عنایت وشکرا!

۱:... اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا:

"اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا."

(بنی اسرائیل:۲۳)

ترجمہ:... "کہ نہ پوجو اس کے سوا، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔"

۲:... والدین کے لئے دُعا کرنے کو فرمایا:

"رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ" (نوح:۲۸)

ترجمہ:... "اے ربّ! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو۔"

۳:... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی ہے:

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ" (ابراہیم:۴۱)

ترجمہ:... "اے ہمارے ربّ! مجھے بخش اور میرے ماں باپ کو۔"

۴:... "وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِيْرًا"

(بنی اسرائیل:۲۴)

ترجمہ:... "اور کہہ کہ اے ربّ! میرے ماں باپ پر

اس طور رحمت فرما جیسے کہ (انہوں نے) مجھے چھوٹے کو پالا تھا۔"

۵:... ماں باپ کو نہ زبان سے سخت سست کہنا جائز ہے، نہ ہاتھ اور برتاؤ میں ان سے سختی روا ہے، سورہ بنی اسرائیل کی آیت: "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ" (بنی اسرائیل:۲۳) اس پر دلالت کرتی ہے۔

۶:... ماں باپ کو نام لے کر بھی نہیں پکارنا چاہئے، آیتِ کریمہ: "وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا" کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

۷:... ماں باپ پکاریں، تو چاہے نفل نماز میں بھی ہو تو نماز توڑ کر ان کو جواب دے، البتہ فرض نماز کو والدین کی پکار پر جب توڑ سکتا ہے جب سخت ضرورت ہو۔ (کذا فی کتب الفقہ)

۸:... ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔

(مشکوٰۃ ص:۴۲۱ وکنز العمال حدیث:۴۵۴۳۹)

۹:... ماں باپ اگرچہ ظلم کریں، پھر بھی خلاف نہیں کرسکتا۔

(مشکوٰۃ ص:۴۲۱)

۱۰:... ماں باپ کو خدمت کی ضرورت ہو، تو جہاد پر نہیں جاسکتا۔

(مشکوٰۃ ص:۴۲۱)

فصلِ سوم:

مرشد اور اُستاذ کے آداب:

بکن خدمت استاد ای پسر
کہ اُستاد باشد بجائے پدر

پدر مادرت پرورندت بہ ناز
معلّم بہ علمت کند سرفراز
کزاں دولت و جاہ حاصل کنی
سوئے حق دل خویش مائل کنی
مپیچاں سر از خدمتِ اوستاد
چو ہستی خرد مند و فرخ نہاد
مپیچاں سر از حکم شاں زینہار
کہ برتر ازیں در جہاں نیست کار

ترجمہ:... ''اے لڑکے! اُستاذ کی خدمت کر، کیونکہ اُستاذ باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ تجھ کو ماں باپ ناز سے پالتے ہیں، اُستاذ تجھے علم سے سرفراز کرتا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے تو دولت اور مرتبہ حاصل کرتا ہے، اپنے دِل کو حق کی طرف مائل کرتا ہے۔ اُستاذ کی خدمت سے (ہرگز) سر مت پھیر، اگر تو عقل منداور مبارک ذات والا ہے..... کیونکہ اس سے بڑھ کر جہان میں کوئی کام نہیں۔''

حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت میں ہے کہ اُستاذ از پدر بہتر شمر، یعنی اُستاذ کو باپ سے بہتر سمجھو، اس لئے کہ اُستاذ و مرشد، رُوحانی تربیت کرنے والے ہیں، اور ماں باپ جسمانی پرورِش کرتے ہیں، جیسے رُوح جسم سے افضل ہے، اسی طرح رُوحانی تربیت کرنے والا بھی، جسمانی تربیت کرنے والے سے افضل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۂ احزاب آیت:۶ میں فرمایا:
''وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ'' حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گھر والیاں مؤمنین کی مائیں

ہیں، تو لامحالہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤمنین کے باپ ہوئے، اور ظاہر ہے کہ رُوحانی باپ ہیں، اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مَعَلِّمًا'' (بے شک معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ (مشکوٰۃ ص:۳٦)

پس معلّم الخیر (یعنی اُستاذ) رُوحانی باپ ہوئے، اور مرشد رُوحانی امراض کے معالج ہوتے ہیں، رُوحانی تربیت کرنے والا، اور رُوحانی تزکیہ کرنے والا ماں باپ سے افضل کیوں نہ ہوگا؟ پس چاہئے کہ اُستاذ کے ساتھ ادب سے پیش آئے، حرمت وتعظیم سے اس پر نگاہ ڈالے، اُستاذ جو بتلائے اس کو خوب توجہ سے سنے، اس کو یاد رکھے، اُستاذ کے رُوبرو نہ بہت ہنسے، نہ باتیں کرے، نہ اِدھر اُدھر دیکھے، نہ کسی کی طرف متوجہ ہو، حضور وغیب (موجودگی اور عدم موجودگی) میں اس کے حقوق کا خیال کرے، وغیر ذلک۔

مرشد کے حقوق ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں، مثلاً: ہر طرح مرشدِ صحیح کا مطیع رہے، اور یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا، اور اگر دُوسری طرف توجہ کی تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا، یعنی اصلاحِ نفس کے لئے ہرجائی نہ بنے:

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ترجمہ:... ''جو راحت پسند دِل تو رکھتا ہے، دِل اسی میں لگا، پھر آنکھ تمام جہان سے بند کر۔''

جان و مال سے اس کی خدمت کرے، کیونکہ مرشد کی محبت کے بغیر کچھ نہیں، اور محبت کی پہچان یہی ہے، مرشد جو وظیفہ اور وِرد تعلیم کرے اسی کو پڑھے، دُوسرے تمام وظیفے چھوڑ دے، خواہ وہ وظیفے کسی اور مرشد نے بتلائے ہوں یا خواب میں کسی

نے تلقین کئے ہوں، یا از خود پڑھتا ہو، لہٰذا ایک ہی طبیب کا علاج ہو اور بس۔ ہاں! اگر کوئی دُوسرا وظیفہ پڑھنا چاہتا ہے تو مرشد سے اجازت لے لے۔ مرشد جو کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے، اگر کوئی شرعی شک و شبہ پیدا ہو، تو مرشد سے دفع شبہ کے لئے دست بستہ پوچھ سکتا ہے، اسی طرح اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں بھی مشغول نہ ہو۔

تنبیہ:... اگر کوئی شخص ماں باپ، اُستاذ اور مرشد کا ان کی زندگی میں مطیع و فرماں بردار نہیں رہا، تو اب اس کا علاج یہ ہے کہ ان کی رُوح کو صدقہ و خیرات بخشتا رہے، اور ان کے لئے دُعائے مغفرت و رفعِ درجات کرتا رہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ مطیعین میں لکھا جائے گا۔

امامِ ربانی حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں قاضی حمید الدین بنگالی کو لکھا ہے کہ:

''ہر مرضے را علاج ہست اِلَّا آزردگیٔ شیخ راہیچ علاجے نیست۔''

لہٰذا ایسا نہ کرے کہ ان حضرات کو آزردہ کرتا رہے اور پھر کہے کہ صدقہ اور خیرات وغیرہ سے مطیع بن جاؤں گا، یہ جہالت اور شوخ چشمی ہے۔

وصیت:

طالبِ سعادتِ دارین کے لئے واجب ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد اختیار کرے، پھر رذائل یعنی حرص، طولِ امل، کبر، ریا، حسد، کینہ، بغض وغیرہ کو دفع کرے، تزکیہ حاصل کرے، اخلاقِ حمیدہ: شکر، قناعت، تفویض، توکل، اِخلاص وغیرہ حاصل کرے، گناہ ہوجانے پر جلدی توبہ کرے، نعمت چھوٹی بڑی پر شکر کرے، خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچے، لوگوں سے بقدرِ ضرورت تعلق رکھے، حق تعالیٰ کی

طلب میں بے چین رہے، کم ہنسے، زیادہ روئے، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکو کار، باوقار اور بردبار رہے، مرشد کا حد درجہ ادب کرے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوۃ والسلام علی خیر الخلق وافضلہ واکرمہ
وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ افضلہما وادومہما
اللّٰہم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

محمد عبداللہ عفی عنہ
۶ / صفر ۱۳۷۹ھ

تحفۃ الفقیر الی اللہ

یعنی

حج کے احکام و مسائل

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ.

جاننا چاہئے کہ چند مسائل حج مبارک بیت اللہ تعالیٰ و زیارت فیضِ بشارت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصراً پیشِ خدمت کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مقبول بنائے، آمین! ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

میرے عزیز مولوی عبدالحی صاحب طول عمرہٗ اور حاجی عبدالعزیز صاحب کے حج پر جانے کے ایام قریب آگئے، لہٰذا ان کے تقاضے پر ان کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ تحفۃ الفقیر کے نام سے حج کے کچھ اَحکام بیان کئے جاتے ہیں۔

فائدہ:... حج نام ہے ان خاص افعال کا جو اِحرام باندھنے سے لے کر آخر اَیامِ تشریق تک کئے جاتے ہیں۔

حج فرضِ محکم ہے، اس کی فرضیت دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ اور تمام عمر میں ایک مرتبہ سے زائد حج فرض نہیں۔ (کذا فی محیط سرخسیؒ) اور وسعت ہوجانے کے بعد فوری ادا کرنا ضروری ہے، اگر تأخیر کی تو گنہگار ہوا۔ مگر جب بھی ادا کیا، ادا شمار کیا جائے گا، اور سابق تأخیر کا گناہ رفع ہوجائے گا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جلدی ادا کرنا افضل ہے، واجب نہیں۔ (کذا فی الخلاصہ) اگر تاخیر کی اور حج فرض تھا، مگر بغیر حج کئے مر گیا تو بالاجماع گنہگار ہوگا۔ (کذا فی عالمگیریہ)

حج کا وقت، مقرّرہ مہینے ہیں یعنی: شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اگر افعالِ حج میں سے کوئی عمل، مثلاً: طواف، سعی وغیرہ حج کے مہینوں سے پہلے کیا تو وہ اس سال کے افعالِ حج میں شمار نہیں ہوگا۔

حج کے واجب ہونے کی شرائط:

حج کے واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں: اسلام، عقل، بالغ ہونا، تندرست ہونا، آزاد ہونا، راستے کا امن، آمد و رفت کے لئے خرچ اور سواری کی وسعت ہونا۔

مسلمان پر حج فرض ہے، کافر پر نہیں، عاقل پر فرض ہے، مجنون پر نہیں، بالغ پر فرض ہے، نابالغ پر نہیں، اگر بالغ ہونے سے پہلے حج کیا تو حج نفلی ہوگا، تندرست پر فرض ہے، لنگڑے، اپاہج، مفلوج، وہ بوڑھا جو سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، نابینا اور وہ بیمار جس کو شفا کی اُمید نہیں، ان پر حج فرض نہیں، ان کو اگر سرمایہ حاصل ہے تو بھی ان کو دُوسروں سے حج کرانا واجب نہیں، ہاں! مستحب ہے، اور اگر خود تکلیف کر کے حج کریں تو حج ہوجائے گا۔

اگر تندرست تھا اور حج فرض ہوا، پھر اپاہج ومفلوج وغیرہ ہوگیا تو بلاخوف اس کو اپنے مال سے حج کرانا لازم ہے۔ (کذا فی عالمگیری ناقلاً عن المحیط)

آزاد پر حج فرض ہے، غلام پر نہیں۔ اور راستہ پُرامن ہو، چنانچہ اگر راہ زنوں وغیرہ کا خطرہ ہو تو واجب نہیں، اور اگر راستے میں زیادہ تر سلامتی ہو تو حج واجب ہے۔

آمد و رفت کا خرچ اور واپس آنے تک اہل وعیال کا خرچ ہو تو حج واجب ہے۔

اگر مزروعہ زمین کا مالک ہے، کچھ بیچ کر حج کرسکتا ہے اور اتنا بچ جاتا ہے کہ پھر لوٹ کر اپنا اور اہل وعیال کا خرچ کرسکتا ہے تو حج واجب ہے۔ (کذافی عالمگیری)

اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد ایسا مکان یا جانور ہے کہ بیچ کر حج کرسکتا ہے، تو اس پر حج واجب ہے۔

فقیر حج کرے، پھر مالدار ہوجائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا واجب نہیں۔

عورت کے لئے محرَم کا یعنی ایسا شخص کہ جس سے اس کا نکاح ہمیشہ کے لئے نہیں ہوسکتا یا اس کے شوہر کا حج کے لئے ساتھ جانا ضروری ہے۔ اگر ایسا شخص میسر نہیں ہوسکتا اور مکہ مکرمہ تک کی مسافت تین دن سے زائد ہے تو اس پر حج فرض نہیں، اگر مسافت تین دن سے کم ہے، اور راستہ بھی پُرامن ہے تو حج فرض ہے، پھر محرَم کا امین ہونا شرط ہے، اگر محرَم امین نہیں تو عورت اُسے ساتھ نہ لے جائے۔ اس محرَم کا خرچ بھی اس عورت پر ہے۔ اگر محرَم بھی ہے، امین بھی ہے اور ساتھ جانے کو تیار بھی ہے، مگر شوہر کی اجازت نہیں تو حجِ فرض کے لئے بلااجازت بھی جاسکتی ہے، اور حجِ نفل میں بلااجازت نہیں جاسکتی۔ اور مراہق لڑکا (قریب بلوغ) بالغ کے حکم میں ہے۔ اگر کوئی محرَم ساتھ لے جانے کے لئے نہیں ہے تو حج کے لئے عورت کو نکاح کرنا واجب نہیں۔ یہ بھی شرط ہے کہ عورت عدّتِ وفات یا طلاق میں نہ ہو، اگر عدّت میں ہے تو حج کو نہ جائے۔

ارکانِ حج:

حج کے دو رکن ہیں:

۱:...وقوفِ عرفات۔ ۲:...طوافِ زیارت۔

لیکن وقوفِ عرفات، طوافِ زیارت سے زیادہ قوی ہے، یہاں تک کہ اگر وقوف سے

پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہو جائے گا، اور طواف زیارت سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا۔ (کذا فی جامع صغیر لقاضی خان)

واجباتِ حج:

حج کے واجبات بہت سے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱:...صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، یعنی جلد چلنا۔

۲:...مزدلفہ میں ٹھہرنا۔

۳:...تینوں جمرات پر کنکریاں پھینکنا۔

۴:...سر منڈوانا یا بال کترانا۔

۵:...طوافِ صدر یعنی وداع۔ (کذا فی شرح طحاوی)

حج کی سنتیں:

۱:...طوافِ قدوم، پہلا طواف جب مکہ میں داخل ہو۔

۲:...طوافِ قدوم یا طوافِ فرض میں شروع کے تین پھیروں میں اکڑ کر چلنا۔

۳:...صفا و مروہ کی سعی میں دونوں سبز میناروں کے درمیان تیز چلنا۔

۴:...ایامِ قربانی کی راتوں کو منیٰ میں رہنا۔

۵:...منیٰ سے سورج طلوع ہونے کے بعد عرفہ کو جانا۔

۶:...مزدلفہ سے سورج کے نکلنے سے پہلے منیٰ کو چل پڑنا۔ (کذا فی فتح القدیر)

۷:...مزدلفہ میں رات کو رہنا۔

۸:...تینوں جمرات میں ترتیب سنت ہے۔ (کذا فی البحر الرائق)

آدابِ حج:

حج کے آداب بہت سے ہیں، ان میں سے چند ایک پیشِ خدمت ہیں:

۱:...نیت خالص کرے۔

۲:...توبہ کرے۔

۳:...جو چیز ظلم وزیادتی سے لی ہو، واپس کرے یا معاف کروائے۔

۴:...عبادت میں جو کمی یا قضا ہو، ادا کرے۔

۵:...ریا، غرور اور فخر کو دُور کرے۔

۶:... مالِ حلال کے حاصل کرنے میں کوشش کرے، اس لئے کہ مالِ حرام سے حج قبول نہیں ہوتا، لیکن حجِ فرض ادا ہوجاتا ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)

۷:...حج کے سامان کو بہت جھگڑ جھگڑ کر نہ خریدے۔

۸:...اپنے اہل وعیال، اقربا واحباب سے خطائیں معاف کروائے۔

۹:...ان سے دُعا کا طالب ہو۔

۱۰:... بمتابعتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے پنجشنبہ (جمعرات) کو نکلے، ورنہ مہینہ کے پہلے دوشنبہ (پیر) کو گھر سے نکلے۔

۱۱:...اس طرح سفر کرے جیسے کوئی دُنیا سے سفر کرتا ہے۔

۱۲:...گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔

۱۳:...اسی طرح جب حج سے لوٹ کر آئے، تو گھر پہنچنے کے بعد دو رکعت پڑھے، اگر اپنی مسجد میں جاتے اور آتے وقت رکعتیں پڑھیں تو سفر کے آداب میں سے سنت کی مطابقت بھی ہے۔

۱۴:... اگر حج فرض ہو تو مستحب ہے کہ اوّل حج کرے، پھر مدینہ منورہ جائے، اور اگر حج نفلی ہے تو جس کو چاہے مقدم کرے۔

۱۵:... والدین سے رُخصت لے کر جائے، اگر ماں باپ خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی بلااجازت حج پر جانا مکروہ ہے۔

۱۶:...جس پر قرض ہو، اس کو جہاد اور حج پر جانا مکروہ ہے۔

وہ چیزیں جو حج میں ممنوع ہیں:

وہ چیزیں جو حج میں ممنوع ہیں، وہ دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہیں، وہ چھ ہیں:

۱:...جماع کرنا۔ ۲:...سر منڈوانا۔

۳:...ناخن تراشنا۔ ۴:...خوشبو لگانا۔

۵:...سر اور منہ ڈھکنا۔ ۶:...سلے ہوئے کپڑے پہننا۔

دُوسری وہ جو اس کی ذات سے متعلق نہیں، بلکہ اس کے اعمال سے تعلق رکھتی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:...حل وحرم میں شکار کو چھیڑنا۔ ۲:...حرم کے درخت کاٹنا۔

میقات کے بیان میں:

میقات وہ ہے جس سے بغیر اِحرام کے آگے بڑھنا جائز نہیں، ہاں! اس سے پہلے اگر اِحرام باندھ لے تو جائز ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

اہلِ مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ (آج کل اس کو بئر علی کہتے ہیں)، اہلِ عراق کے لئے ذاتِ عرق، اہلِ شام کے واسطے جحفہ، اہلِ نجد کے لئے قرن، اور اہلِ یمن کے لئے یلملم میقات ہے۔ ہندوستان پاکستان کے لوگ یلملم سے اِحرام باندھتے ہیں۔ جو شخص میقات سے باہر رہنے والا ہے، اس کو جائز نہیں کہ بغیر اِحرام کے مکہ میں داخل ہو، خواہ حج کی نیت کرے یا نہ کرے، اور اگر داخل ہوگیا تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہوگا۔ (کذا فی المحیط للسرخسی)

اور جو شخص میقات اور مکہ مکرمہ کے درمیان رہتا ہے، اس کو مکہ مکرمہ میں بغیر

اِحرام کے داخل ہونا جائز ہے، ہاں! اگر حج یا عمرہ کرے تو بغیر اِحرام کے ادا نہ ہوگا۔ مکہ والے حج کا اِحرام حرم سے باندھیں اور عمرہ کے لئے حِل سے باندھیں۔ پس جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے، وہ کسی جانب سے اِحرام باندھنے کے لئے حل کو جائے اور تنعیم سے اِحرام باندھنا افضل ہے۔ (کذا فی الھدایہ)

اِحرام کے بیان میں:

اِحرام باندھنا کبھی تو قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے۔قول سے یہ ہے کہ زبان سے کہے: ''لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ'' اس سے کم نہ کرے، البتہ اس سے بڑھا سکتا ہے۔ نیز ''لَبَّیْکَ'' کی جگہ تسبیح، تحمید، تہلیل، تمجید، یا اس کی مثل اِحرام کی نیت سے دُوسرے کلماتِ ذکر کہہ سکتا ہے۔اسی طرح عربی کی بجائے دُوسری زبان میں ''لبیک'' کہے تو بھی محرِم ہوجائے گا۔

اور فعل سے اِحرام باندھنا یہ ہے کہ گائے یا اُونٹ کے گلے میں بہ نیتِ اِحرام پٹے (ہار) ڈالے اور حج کے ارادے سے لے چلے تو اِحرام صحیح ہوجائے گا، اگرچہ ''لَبَّیْکَ'' نہ کہا، خواہ وہ قربانی نذر کی ہو یا نفل کی۔ (عالمگیری)

اور اگر کسی نے دُوسرے کے ہاتھ قربانی بھیجی، اس کے بعد خود حج کو چلا، پس جب تک قربانی کو نہ مل جائے گا، محرِم نہ ہوگا، اور جب مل گیا اور اُسے ہانکا، تو محرِم ہوجائے گا، خواہ ''لَبَّیْکَ'' کہے یا نہ کہے، (بدنہ اُونٹ اور گائے کی قربانی کو کہتے ہیں)۔

اِحرام میں نیت شرط ہے، اگر بغیر نیتِ اِحرام کے ''لَبَّیْکَ'' کہا تو محرِم نہ ہوگا۔ نیز صرف نیت سے بھی اِحرام نہ ہوگا، جب تک ''لَبَّیْکَ'' یا اس کے قائم مقام

کوئی اور ذکر نہ کرے، یا قربانی کو نہ ہانکے یا قربانی کے اُونٹ یا گائے کے گلے میں پٹہ (ہار) نہ ڈالے اس وقت تک مُحرِم (اِحرام والا) نہ بنے گا۔

جب اِحرام کا ارادہ کرے تو غسل یا وضو کرے، لیکن غسل افضل ہے۔ یہ غسل نظافت ہے، یہ غسل حیض اور نفاس والی عورت اور لڑکے کو بھی مستحب ہے، اور بدن کو ناخن وغیرہ سے صاف کرنا بھی مستحب ہے، اور خوشبو لگا لینا بھی دُرست ہے، پھر دو رکعت نفل پڑھے، اس میں اگر سورۂ کافرون اور سورۂ اِخلاص پڑھے تو افضل ہے، اور یہ رکعتیں وقتِ مکروہ میں نہ پڑھے، اگر صرف فرض نماز پڑھ لی تو بھی کافی ہے۔ (کذا فی البحر الرائق)

پھر نماز سے فارغ ہوکر اللہ تعالیٰ سے سفر کی آسانی اور مقبولیتِ حج کی دُعا مانگے، اور یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ."

پھر "لَبَّیْک" اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھے اور جو دُعا ہوسکے، مانگے۔ (کذا فی فتح القدیر)

نمازوں کے بعد جس قدر ہوسکے "لَبَّیْک" کی کثرت کرے، جب سواروں سے ملے، بلندی پر چڑھے یا پستی میں اُترے، اسی طرح صبح و شام کو کثرت سے لبیک پڑھے، اور "لَبَّیْک" میں آواز مناسب طور پر بلند کرسکتا ہے۔

ممنوعاتِ اِحرام:

اِحرام میں نافرمانیوں، جھگڑے اور جماع کی باتوں سے بچے، شکار سے کچھ بھی تعرض نہ کرے، نہ پکڑے، نہ کسی کو اشارہ سے بتائے، نہ شکار کرنے والے کی مدد کرے، بدن کی ساخت پر سلا ہوا کپڑا: کرتہ، پائجامہ، عمامہ، ٹوپی اور موزہ نہ پہنے۔ سر،

چہرہ، منہ، ٹھوڑی اور رُخسار کو نہ ڈھانکے، اگر ناک پر ہاتھ رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں، اگر کرتہ یا پائجامہ کو بطورِ تہبند باندھ لے یا قبا کو کاندھوں پر ڈال کر اس میں دونوں مونڈھوں کو داخل کردے اور ہاتھ داخل نہ کرے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (کذانی عالمگیریہ)

محرِم کو ہمیانی اور بیلٹ باندھنا دُرست ہے، رنگین کپڑا نہ پہنے، ہاں! اگر ایسا دُھلا ہوا ہو کہ اس سے رنگ نہیں جھڑتا، تو مضائقہ نہیں، سر اور بدن کے بال نہ مونڈے، نہ بالوں کو اُکھاڑے، نہ ناخن تراشے۔ اِحرام میں عورت کا بوسہ نہ لے، نہ شہوت سے ہاتھ لگائے، نہ خوشبو والی چیز مثل خطمی وغیرہ سے سر دھوئے۔ بدن اور سر کو اگر کھجلانا پڑے تو آہستہ سے کھجلائے تاکہ کوئی بال نہ گرے اور نہ جوں مرے۔ اگر بدن پر بال نہیں ہیں تو زیادہ کھجلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

محرِم یعنی اِحرام والا دیوار، خیمہ یا چھتری کے سایہ میں بیٹھ سکتا ہے۔ اگر کعبہ کے پردہ میں داخل ہو اور سر اور منہ نہ ڈھانکے تو دُرست ہے، یعنی سر اور منہ سے وہ پردہ دُور ہو تو مضائقہ نہیں، اور محرِم کو فصد لینا اور ٹوٹے ہوئے عضو کو باندھنا دُرست ہے۔ اگر سرمہ میں خوشبو نہ ہو تو اس کے لگانے میں بھی مضائقہ نہیں۔

ادائے حج کی کیفیت:

مستحب ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور ''کداء'' پہاڑی کی طرف سے داخل ہو تو بہتر ہے، حج اور عمرہ میں مکہ مکرمہ میں خواہ رات کو داخل ہو یا دن کو کچھ حرج نہیں۔ سامان رکھنے کے بعد پہلے مسجد میں جائے اور بابِ بنی شیبہ سے جائے تو بہتر ہے، پہلے چوکھٹ کو بوسہ دے اور عاجزی اور خشوع کے ساتھ ''لَبَّیک'' کہتے ہوئے اور اس مقام کی عظمت و جلال کا لحاظ کرتے ہوئے جائے، اور کوئی مزاحم ہو تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ (کذانی بحرالرائق)

مسجد میں ننگے پاؤں داخل ہو، ہاں! اگر اس کے پاؤں کو نقصان پہنچتا ہو تو کچھ پہن لے۔ اوّل داہنا پاؤں بڑھائے اور یہ دُعا پڑھے:

"بِسْمِ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ...الخ."

جس وقت خانۂ کعبہ کو دیکھے "اللہ اکبر" کہے اور "لا الہ الا اللہ" پڑھے، اور حجرِ اسود سے ابتدا کرے، اور اگر نماز کی جماعت ہو رہی ہو تو نماز میں شامل ہو جائے، اور حجرِ اسود کی طرف رُخ کر کے "اللہ اکبر" کہے، دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اُٹھائے، اور پھر چھوڑ دے۔ (کذا فی نہر الفائق)

پھر اگر ہو سکے تو دونوں ہاتھ حجرِ اسود پر رکھ کر بوسہ دے۔ اگر انبوہ (وازدحام) کی وجہ سے بوسہ دینا مشکل ہو تو ہاتھ سے چھو لے اور اپنے ہاتھ کو چوم لے، یہ بھی نہ ہو سکے تو کوئی لکڑی حجرِ اسود پر رکھ کر چوم لے، اور یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ اس طرح اُٹھائے کہ ہتھیلی حجرِ اسود کی طرف ہو اور "الحمد للہ" اور دُرود پڑھے اور ہاتھوں کو چوم لے۔ (کذا فی فتح القدیر)

حجرِ اسود کی طرف منہ کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، اور کعبہ کے دروازہ کی جانب کو طواف کرے اور سات بار کرے، اور اپنی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لے، اس کو "اِضطباع" کہتے ہیں۔ حجرِ اسود کی طرف رُخ کرتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ حجرِ اسود سے آگے بڑھ جائے (اِضطباع کا یہ حکم صرف طواف کرتے وقت ہے، پھر نہیں)۔ (کذا فی عالمگیری)

جب طواف کے دوران حجرِ اسود کے سامنے آئے، اسے چوم سکے، تو چوم لے، وگرنہ اس کی طرف رُخ کئے ہوئے تکبیر، تہلیل کہے اور طواف کو حجرِ اسود کے بوسہ پر ختم کرے۔ اگر ہو سکے تو طواف کے پہلے تین پھیروں میں رمل کرے یعنی اکڑ کر

چلے اور باقی پھیروں میں اپنی عام حالت پر چلے، یہ اکڑ کر چلنا یعنی مونڈھوں کو بہادروں کی طرح ہلانا ازدحام کی وجہ سے نہ ہوسکے تو ٹھہر جائے، جب راستہ پائے تو اس کو ادا کرے۔ (کذا فی المحیط للسرخسی)

اگر پہلے چکر میں بھول گیا تو باقی دو چکروں میں اکڑ کر چلے، اور اگر پہلے تین چکروں میں بھول جائے تو باقی چکروں میں اکڑ کر نہ چلے۔ اگر تمام سات چکروں میں اکڑ کر چلا تو بھی اس پر کچھ لازم نہیں۔ (کذا فی بحرالرائق)

اس طواف کا نام طوافِ قدوم اور طوافِ تحیۃ ہے، اور یہ طواف مکہ والوں کے لئے نہیں، اور اگر کوئی شخص پہلے ہی عرفات چلا گیا تو یہ طواف اس سے ساقط ہوگیا۔

جب طواف سے فارغ ہو تو مقامِ ابراہیم پر یا جہاں ہوسکے دو رکعت نماز پڑھے، یہ دو رکعتیں ہمارے نزدیک واجب ہیں، ان میں سورۂ کافرون اور سورۂ اِخلاص پڑھنا افضل ہے، پھر مستحب یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہوکر دارین کی بہتری کی دُعا مانگے، اور یہ رکعتیں اس وقت پڑھے جس وقت میں نفل مباح ہیں، مکروہ وقت میں نہ پڑھے۔

پھر مستحب یہ ہے کہ زمزم کے پاس آئے اور اس کا پانی خوب پیٹ بھر کر پیئے اور یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا وَّاسِعًا وَعِلْمًا نَّافِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ."

پھر ملتزم کی طرف آئے اور اپنے سینہ کو چمٹادے، اور گڑگڑائے، دُعا کرے۔ پھر اس کے بعد صفا کی طرف نکلے، اور افضل یہ ہے کہ باب الصفا سے نکلے، اوّل صفا کی طرف جائے اور اس پر چڑھے، صفا و مروہ دونوں پر چڑھنا سنت ہے، اور

اگر دونوں پر نہ چڑھا تو مکروہ ہے۔ (کذا فی محیطِ سرخسی)

اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آئے، بیت اللہ کی طرف رُخ کرے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہے اور ''لا الٰہ الا اللہ'' اور دُرود شریف پڑھے اور اپنی حاجتیں مانگے۔ دُعا کے وقت دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔

(کذا فی عالمگیری ناقلاً عن سراج الوہاج)

پھر وہاں سے مروہ کی طرف جائے اور صفا کی طرح مروہ پر کرے، اور میلین اخضرین یعنی دو سبز بتیوں کے ستونوں کے درمیان تیز چلے اور باقی جگہ اپنے حال کے موافق چلے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوا، اسی طرح سات بار کرے، صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے، اور اگر مروہ سے شروع کیا تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔

صفا و مروہ کی سعی میں شرط یہ ہے کہ طواف کے بعد ہو، اگر سعی پہلے کی اور پھر طواف کیا تو سعی کو دوبارہ کرے، اگر مکہ میں ہے اور اِحرام کھولنے کے بعد سعی کی تو بھی بالاجماع جائز ہے۔ (کذا فی عالمگیری)

طواف میں طہارت شرط ہے، مگر سعی میں طہارت شرط نہیں۔ اگر حیض یا جنابت میں سعی کی تو اس کا اعادہ نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ جو عبادت مسجد میں ہے، اس میں طہارت ہے، اور جو مسجد میں نہیں، اس میں طہارت شرط نہیں، جیسے عرفہ، مزدلفہ، اور جمرات کو کنکریاں مارنا وغیرہ، مگر طہارت افضل ہے۔ اگر طواف یا سعی کرتے کرتے اِقامت ہوجائے تو نماز میں شریک ہوجائے، بقیہ طواف یا سعی پھر پوری کرے۔ پھر جب بھی طواف کرے، ہر سات چکر کے بعد دو رکعت نفل ایسے وقت میں پڑھے جس وقت نفل جائز ہوں۔ جب تک دو رکعت نہ پڑھے، دُوسرا طواف شروع نہ کرے۔ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہلِ مکہ کے لئے نفل نماز طواف سے اَوْلیٰ ہے،

اور باہر والوں کے لئے نفلی طواف نماز سے افضل ہے۔ (کذافی عالمگیری)

طواف کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔

(کذافی عالمگیری)

ساتویں ذوالحجہ کو اِمام خطبہ پڑھے، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے اَحکام بتلائے، دُوسرا خطبہ عرفہ کے دن عرفات میں، اور تیسرا گیارھویں تاریخ کو منیٰ میں۔ جس میں اَحکامِ حج بیان کرے۔

آٹھویں ذوالحجہ کو سورج نکلنے کے بعد منیٰ کو جانا افضل ہے، لیکن اگر سورج نکلنے سے پہلے گیا تو بھی جائز ہے۔ (کذافی البدائع)

ہر حال میں "لَبَّیک" پڑھنا نہ چھوڑے، رات کو منیٰ میں رہے، صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھ کر عرفات کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے علاوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پورا اِتباع نہ ہوگا، گو اس پر کچھ لازم نہ آئے۔ پھر عرفات میں جہاں چاہے وہاں اُترے، تاکہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو، زوال کے بعد اِمام منبر پر چڑھے اور مؤذِّن ایسی حالت میں اَذان دے کہ اِمام منبر پر ہو، یہی صحیح ہے، اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ (کذافی بحرالرائق)

اِمام اَذان کے بعد کھڑے ہوکر دو خطبے پڑھے، اگر زوال سے پہلے خطبہ پڑھا تو بھی ہوجائے گا، مگر ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

خطبہ کے بعد اِمام، ظہر اور عصر کی نماز، ظہر کے وقت میں پڑھائے اور ہر دو فرض کے درمیان کوئی نوافل و سنت نہ پڑھے، اور نہ کسی اور کام میں مشغول ہو، اور ظہر و عصر کے جمع کرنے کی شرائط یہ ہیں: کہ عرفہ کا دن ہو، عرفات کا موقع ہو، حج کا اِحرام ہو، جماعت ہو، امیر المؤمنین یا اس کا نائب اِمام ہو، اور اگر جماعت نہ ہو تو اِمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسی طرح اور

شرطوں کے نہ ہوتے ہوئے بھی جمع کرنا جائز نہیں، بلکہ ہر ایک نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھے۔

وقوفِ عرفات میں دو شرطیں ہیں:

۱:...عرفات کی زمین ہو۔

۲:...اور عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کا دن ہو۔

وقوفِ عرفات کے لئے کھڑا رہنا واجب نہیں، بلکہ بیٹھنا بھی جائز ہے، وقوف میں قبلہ رُو کھڑا ہونا افضل ہے، وقوف کے لئے غسل کرلینا بھی افضل ہے، اور غروب تک وقوف کرے، اس روز روزہ نہ رکھنا، باوضو ہونا، سواری کے اُوپر وقوف کرنا، اِمام کے قریب وقوف کرنا، دِل کا حاضر کرنا اور جن باتوں سے دُعا میں جی بٹتا ہے، ان سے خالی ہونا سنت ہے، اور چاہئے کہ سیاہ پتھروں کے پاس وقوف کرے۔ بدائع میں ہے کہ ہاتھ کشادہ کرکے اُٹھائے اور قبلہ کی طرف رُخ کرے، جیسے کہ پکارنے والا اس کی طرف ہاتھ اور منہ سے متوجہ ہوتا ہے، اور "الحمد للہ"، "لا الٰہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" کہے، دُرود شریف پڑھے، اور عجز و نیاز سے دُعا کرے اور "لَبَّیک" پڑھتا رہے، اور چاہئے کہ یہ دُعا زیادہ پڑھے:

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔"

کیونکہ یہ دُعا بھی ہے اور ثنا بھی۔ (مشکوٰۃ ص:۲۰۱)

سنت یہ ہے کہ دُعا میں آواز پست کرے۔ (کذا فی الجوہرہ)

وقوف کا وقت نویں ذوالحجہ کا سورج ڈھلنے سے دسویں کی طلوعِ فجر تک ہے، پس جو شخص اس وقت حالتِ اِحرام میں ہوش و حواس یا بیہوشی و بے خبری وغیرہ میں عرفات سے گزر جائے، اس کا حج ہوگیا۔

مزدلفہ کے متعلق:

جب نویں کا سورج غروب ہوجائے تو اِمام وغیرہ سب آدمی اسی ہیئت سے مزدلفہ آئیں۔ (کذا فی الهدایہ)

افضل یہ ہے کہ جس ہیئت سے موقف میں کھڑے تھے، اسی ہیئت سے چلے آئیں، اور مناسب ہے کہ اِمام سے پہلے نہ چلیں۔ ہاں! اگر اِمام غروب کے بعد تأخیر کرے تو پہلے چلے آئیں تو دُرست ہے۔ اور راستہ میں "لا الٰہ الا اللہ"، "اللہ اکبر" اور "الحمد للہ" پڑھتے رہیں، اور بار بار "لَبَّیک" کہیں، مغرب کی نماز مزدلفہ میں آکر عشاء کی نماز کے ساتھ جمع کریں، اور اگر راستے میں پڑھ لی تو اس کا اعادہ کرے، اسی طرح عشاء کی نماز راستے میں پڑھ لی تو اس کا بھی اعادہ کرے۔ (کذا فی عالمگیری) ہاں! اگر مزدلفہ سے پہلے پڑھی گئی مغرب وعشاء کے اعادہ میں تأخیر کی یہاں تک کہ فجر کی نماز پڑھ لی تو پھر وہ نمازیں جائز ہوگئیں، اگر مزدلفہ میں عشاء کی نماز مغرب سے پہلے پڑھ لی تو عشاء کا اعادہ کرے۔

مزدلفہ میں جہاں چاہیں اُتریں، البتہ اس پہاڑ کے قریب جس کو قزح کہتے ہیں، اُترنا افضل ہے۔

ان دونوں نمازوں مغرب اور عشاء کے جمع کرنے کے لئے اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (اِمامِ حج کی) جماعت شرط نہیں، ان دونوں نمازوں کے درمیان سنت اور نوافل نہ پڑھے۔ پھر جب فجر طلوع ہوتو اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھ کر وقوف کریں، اگر پہاڑ کے قریب اور اِمام کے پیچھے وقوف ہوتو بہتر ہے، اس وقت دُرود شریف، تسبیح، تہلیل اور تحمید کی کثرت کرے، اور دارین کی بہتری کے لئے آہ و زاری سے دُعا کرے، اور حقوق العباد معاف کرانے کی درخواست بھی عجز و نیاز سے

کرے، اور دُعا میں ہاتھ اُٹھائے تو بہتر ہے۔

وقوفِ مزدلفہ کا وقت طلوعِ فجر سے روشنی ہونے تک ہے، نہ طلوعِ فجر سے پہلے ہے، نہ طلوعِ شمس کے بعد ہے، جب خوب روشنی ہوجائے تو طلوعِ شمس سے پہلے منیٰ کو چل پڑے، اگر امام سورج نکلنے کے بعد چلا یا نمازِ فجر پڑھنے سے پہلے چلا تو خلافِ سنت کیا، مگر اس پر کچھ واجب نہیں، اس لئے کہ وقوفِ مزدلفہ تو اس نے کر لیا ہے۔

منیٰ کے اَحکام:

جب منیٰ پہنچے تو زوال سے پہلے جمرۂ عقبہ پر آئے، وہاں پہنچ کر جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارے، اور ہر کنکری پر تکبیر پڑھے، اس روز اس جمرۂ عقبہ کے سوا کسی جمرہ کو کنکری نہ مارے، اور کنکریاں مارنے کے بعد کھڑا نہ رہے، تکبیر کے بدلے تسبیح و تہلیل کہے تو بھی جائز ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ پہلی کنکری پھینکتے ہی لبیک موقوف کردے۔ (کذا فی فتاویٰ قاضی خاں)

حج تمتع ہو یا قران، سب کا ایک ہی حکم ہے۔ البتہ عمرہ کرنے والا حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے بعد لبیک موقوف کردے۔

اگر مفرِد ہے تو کنکریاں مارنے کے بعد اس پر قربانی لازم نہیں، لیکن افضل ہے، اور اگر متمتع یا قارن ہے، تو اس پر قربانی لازم ہے۔

اگر متمتع اور قارن کو قربانی کی طاقت نہیں تو تین روزے حج سے پہلے اور سات روزے حج کے بعد رکھے، حج کے بعد والے روزے جہاں چاہے رکھے، خواہ مکہ میں یا گھر میں۔ اس کے بعد تمام سر کے بال منڈائے، یہ افضل ہے، اور اگر کترائے تو بھی دُرست ہے، بشرطیکہ پورے سر سے ایک پور برابر بال کتر ڈالے، اسی

طرح عورت بھی ایک پور برابر بال کترائے، مگر عورت کو بال منڈانا ناجائز اور حرام ہے، اور مرد تمام سر منڈائے اور اگر سر پر بال نہیں تو صرف اُسترا پھرائے۔ صحیح تر یہ ہے کہ اُسترہ پھرانا واجب ہے، اگر سر پر زخم ہوں اور اُسترہ نہیں چل سکتا تو اِحرام سے باہر ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ عاجز ہے، اور اگر زخم ہیں مگر بال بھی ہیں، تو بال کترائے، اور اگر نورہ (بال صفا پاؤڈر) سے سر صاف کرلیا تو بھی جائز ہے، مگر خلافِ سنت ہے، اور سر منڈانے کے بعد تکبیر کے ساتھ دُعا مانگے، اور مناسب ہے کہ بالوں کو دفن کرے، اسی طرح ناخن کو بھی دفن کرے۔

سر منڈانے یا کترانے کے بعد جو چیزیں اِحرام میں حرام ہوئی تھیں، سب حلال ہوگئیں، مگر عورت سے جماع اور بوسہ وغیرہ حلال نہیں ہے، جب تک کہ پورا طوافِ زیارت یا اس کے اکثر چکر نہ کرلے، اور اگر کسی نے طوافِ زیارت نہ کیا تو اس کی عورت حلال نہ ہوگی، اگرچہ بہت برس گزر جائیں، یہ حکم بالا جماع ہے۔

اگر ہوسکے تو اسی روز خانۂ کعبہ کا طواف کرے، اس کو طوافِ زیارت، طوافِ رُکن اور طواف النحر کہتے ہیں، اور اگر اسی روز نہ کرسکے تو دوسرے دن یا تیسرے دن جو بارہویں کا دن ہے، طواف کرے، اس سے زیادہ تأخیر نہ کرے، اور اگر اس سے زیادہ تأخیر کی تو اس پر قربانی لازم آئے گی۔

ننگے سر طواف زیارت نہ کرے (بشرطیکہ اِحرام سے فارغ ہوچکا ہو)، اور بے وضو نہ کرے، اور جنابت میں نہ کرے۔ پس اگر طوافِ قدوم کے بعد صفا ومروہ کے درمیان حج کی سعی کی نیت سے سعی کرچکا ہے، تو اس طواف میں اکڑ کر نہ چلے اور سعی نہ کرے، ورنہ اکڑ کر چلے اور سعی کرے، افضل یہ ہے کہ اکڑ کر چلنے اور سعی کرنے میں تأخیر کرے یعنی حج کی سعی طوافِ زیارت کے ساتھ کرلے، تاکہ وہ (اکڑ کر چلنا اور سعی) فرض کے ساتھ ہو، نہ کہ سنت کے ساتھ۔ (کذا فی بحرالرائق)

جمرات کو کنکریاں مارنے کے اَیام کی راتوں کو منیٰ میں رہنا چاہئے، منیٰ کے علاوہ دُوسری جگہ رات رہنا مکروہ ہے، اگر عمداً کہیں باہر رہا تو اس پر ہمارے نزدیک کچھ واجب نہیں ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

پھر دوسرے، تیسرے اور چوتھے دن ہر تین جمرات پر کنکریاں مارے اور اُس جمرہ سے ابتدا کرے جو مسجدِ خیف کے قریب ہے۔ قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کو طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس تک کنکریاں مارنا مکروہ ہے، اور طلوعِ شمس کے بعد سے زوال تک مسنون ہے، اور زوال کے بعد غروب تک مباح ہے، اور گیارہویں، بارہویں کو کنکریاں مارنے کا وقت زوال کے بعد ہے، طلوعِ شمس سے زوال سے پہلے تک جائز نہیں، اور تیرہویں کے دن اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح سے طلوعِ شمس تک رمی کرنا مکروہ ہے اور طلوعِ شمس سے زوال تک رمی کرنا جائز ہے، اور زوال کے بعد مسنون ہے۔

کنکریاں ہر جنسِ زمین سے ہوسکتی ہیں، بشرطیکہ وہ ذلیل چیزیں ہوں، یاقوت اور فیروزہ پھینکنا جائز نہیں، نمک، سرمہ، ٹھیکریاں اور گیرو وغیرہ سب جائز ہے، کنکریاں چنے کی مقدار سے کم نہ ہوں، اس سے بڑے ٹکڑے پھینکنا جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ کنکریاں مزدلفہ یا راستے سے اُٹھائے اور جمرہ کے پاس کی کنکریاں اُٹھاکر نہ پھینکے۔

کنکریاں مارنے کی کیفیت یہ ہے کہ پانچ گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو، اور سبابہ اور نرانگشت (شہادت کی اُنگلی اور انگوٹھے) سے پھینکے، اور جس جمرہ کے بعد دُوسرے جمرہ کو مارنا ہے، وہاں دیر کرکے تسبیح، تہلیل اور تحمید پڑھتا رہے اور دُعا کرے، اور جس کے بعد کنکریاں پھینکنا نہیں، اس کے بعد کھڑا نہ رہے۔

جمرۂ عقبہ کو مارتے وقت جمرہ کی طرف منہ کرے اور منیٰ کو داہنی طرف اور

کعبہ کو بائیں طرف کرے، اور اس طرح کھڑا ہو کہ کنکریوں کے گرنے کی جگہ نظر آتی ہو، اور کنکریاں جمرہ پر یا اس کے قریب گریں، اگر دُور گریں تو جائز نہیں، اگر کنکریاں کسی آدمی کی پیٹھ یا کجاوہ پر گریں اور وہاں رہ گئیں تو اعادہ کرے، کنکریاں داہنے ہاتھ سے مارے اور ہر جمرہ پر سات کنکریاں مارے، اگر سات سے زیادتی ہوگئی تو کوئی حرج نہیں، کنکریاں مارتے وقت: "بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَحِزْبِهٖ" پڑھے اور یہ دُعا پڑھے: " اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَجِّيْ مَبْرُوْرًا وَّسَعْيِيْ مَشْكُوْرًا وَّذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا"۔ (کذا فی المحیط)

اگر بارہویں ذوالحجہ کے دن غروب سے پہلے منیٰ سے نکلا تو تیرہویں کی رمی ساقط ہوگئی، اگر رات منیٰ میں گزاری تو تیرہویں کو کنکریاں مارنا پڑیں گی۔

اگر کوئی کنکریاں مارنے سے عاجز ہے اور اس کے رفیق نے کنکریاں اس کے ہاتھ پر رکھ دیں، پھر وہ خود پھینکے یا دُوسرے کو حکم کرے، فقہاء اس کو بھی جائز فرماتے ہیں۔

پھر منیٰ سے نکل کر محصب میں جائے اور اس کا نام ابطح ہے، وہاں تھوڑی دیر اُترے، یہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔

پھر مکہ میں داخل ہو اور طواف کرے، اس طواف میں اکڑ کر نہ چلے، اس طواف کا نام طوافِ صدر یا طواف الوداع ہے، یہ واجب ہے، اس طواف کے جواز کا وقت طوافِ زیارت کے بعد سے ہے اور وقتِ استحباب یہ ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرے اس وقت طواف کرے، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر طواف کے بعد عشاء تک ٹھہرا تو میرے نزدیک دوبارہ طواف کرے تاکہ چلتے وقت خانۂ کعبہ سے رخصت ہو۔ (کذا فی بحر الرائق)

اگر اس طواف کو ایامِ قربانی سے مؤخر کیا تو اس پر کچھ لازم نہیں آتا۔ طوافِ

صدر اس وقت واجب ہوتا ہے جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ کرے، اور میقات کے اندر والوں پر یہ طواف واجب نہیں، اسی طرح حیض اور نفاس والی پر بھی واجب نہیں ہے، اگر طوافِ صدر نہیں کیا اور ابھی میقات کے اندر ہے تو واپس لوٹے اور طواف کرے، اگر واپس آیا تو عمرہ کے اِحرام سے آئے، پہلے عمرہ کا طواف اور سعی کرے، پھر طوافِ صدر کرے، اور اگر واپس نہیں آیا اور میقات سے باہر ہوجانے کے بعد واپس آنا واجب بھی نہ تھا، تو طوافِ صدر کے ترک پر قربانی بھیجے، جو حرم میں ذبح ہو۔

جب طوافِ صدر سے فارغ ہو تو مقامِ ابراہیم پر آئے، اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر زمزم پر آئے اور قبلہ رُو ہوکر کئی سانسوں میں اس کا پانی پیئے، ہر سانس پر نگاہ اُوپر اُٹھائے اور خانۂ کعبہ کو دیکھے، اور زمزم کا پانی سر اور جسم پر ڈالے، پھر ملتزم کو جو کہ حجرِ اسود سے بیت اللہ کے دروازہ تک کا نام ہے، سینہ سے لگائے اور دُعا کرے:

"اَلسَّائِلُ بِبَابِکَ یَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَمَعْرِفَتِکَ وَیَرْجُوْ رَحْمَتَکَ۔"

اور خانۂ کعبہ کے پردوں کو پکڑے اور تحمید، تہلیل اور دُرود پڑھے، پھر پیچھے کو لوٹے اور روتا ہوا، حسرت کرتا ہوا مسجدِ حرام سے باہر نکلے۔

عورت کے اَحکام:

عورت ان سب احکام میں مرد کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ عورت حالتِ اِحرام میں اپنا سر نہ کھولے اور منہ کھولے، اور اگر اپنے منہ پر کپڑا اس طرح ڈالے کہ منہ سے جدا ہو تو جائز ہے، اور "لَبَّیک" میں آواز پست کرے کہ وہ خود تو سنے، مگر دُوسرا کوئی نہ سنے، اور طواف میں اکڑ کر نہ چلے اور دونوں ستونوں (میلین اخضرین) کے درمیان سعی میں نہ دوڑے، بلکہ اپنے عام طریقے پر چلے، عورت ہر قسم کا

کپڑا پہن سکتی ہے، لیکن زعفران وغیرہ کا رنگا کپڑا نہ پہنے، ہاں! اگر وہ دُھل چکا ہو (اور اس میں خوشبو نہ رہے) تو دُرست ہے، اور حجرِ اسود کے پاس مردوں کا ہجوم ہو تو بوسہ نہ دے، عورت کو صفا مروہ پر چڑھنا واجب نہیں، ہاں! جگہ خالی ہو تو دُرست ہے، اور خنثیٰ مشکل سب احکام میں مثل عورت کے ہے۔

مسائلِ متفرقہ:

اگر بیمار، بے ہوش کی طرف سے اس کے رفیقِ حج نے اِحرام باندھ لیا تو اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے۔

اگر بیمار نے حکم کیا کہ اگر میں بے ہوش ہوجاؤں یا سوجاؤں تو میری طرف سے اِحرام باندھ لینا تو بالاجماع جائز ہے، اور نائب کو اِحرام کی حالت میں سلے کپڑوں سے بچنا واجب نہیں۔ (کذا فی عالمگیری نقلاً عن بحرالرائق)

بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے کہ بیمار اور بے ہوش کو اس کے رفقاء، سب مقامات پر لے جائیں اور سعی اور وقوف کرادیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب کام رفقائے سفر اس کی طرف سے خود کرلیں۔ (کذا فی فتح القدیر)

اگر بیمار کہے کہ مجھے اُجرت پر طواف، سعی وغیرہ کراؤ تو اُجرت پر کرانا جائز ہے۔

لڑکا خود اِحرام باندھے یا کوئی اور اس کی طرف سے باندھے، جائز ہے۔ اگر لڑکے کو تمیز نہیں تو اس کا متولّی اس کی طرف سے افعال ادا کرے، اور اگر تمیز ہے تو خود کرے۔ اگر نابالغ لڑکے نے حج کے بعض اعمال، مثلاً: وقوفِ مزدلفہ اور کنکریاں مارنا چھوڑ دیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس سے کچھ ممنوع کام ہوگیا تو اس کے ولی پر بھی کچھ واجب نہیں، اور اگر لڑکے نے حج فاسد کردیا تو اس پر قضا لازم نہ ہوگی، اگر حرم میں شکار پکڑلیا تو بھی کچھ لازم نہ

ہوگا، البتہ وارث کو چاہئے کہ لڑکے کو ممنوعات سے بچاتا رہے۔

حجِ قران اور تمتع کے بیان میں:

قارِن وہ شخص ہے جو میقات یا اس سے پہلے حج اور عمرہ دونوں کا اِحرام باندھے۔ اِحرام باندھنے کا طریق وہی ہے جو اُوپر گزرا، نماز کے بعد کہے: "لبیک بعمرة وحج معًا" اور لبیک کے وقت ان دونوں کی نیت کرے اور زبان سے بھی ان دونوں کا ذکر کرے یا فقط دِل سے کرے، بس دونوں کا اِحرام ہوگیا۔

پس قارِن کو چاہئے کہ پہلے عمرہ کا طواف کرے، پھر اس کی سعی کرے، اور پھر حج کا طواف کرے، اور حج کے لئے سعی کرے۔ اگر عمرہ اور حج دونوں کا طواف یکبارگی کرلیا اور دونوں کی سعی کو بھی جمع کیا تو ہوگیا مگر بُرا کیا۔ اور اگر قارِن نے پہلا طواف اور سعی حج کے لئے کیا اور دوسرا طواف وسعی عمرہ کے لئے کیا، تو پہلا طواف اور سعی عمرہ کا اور دُوسرا حج کا شمار ہوگا۔ (کذا فی الجوہرة النیرة)

قارِن پر قربانی لازم ہے، قارِن عمرہ اور حج کے درمیان سر نہ منڈائے۔

متمتع وہ ہے جو عمرہ کے افعال حج کے مہینوں میں کرے، پھر حج کا اِحرام باندھے اور عمرہ اور حج کے درمیان اپنے گھر اور وطن کو نہ آئے۔

اگر کوئی ایسا شخص اہل وعیال یعنی وطن کی طرف آیا، جس کو واپس مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا واجب تھا، تو اس کا گھر آنا تو اس کے تمتع کے صحیح ہونے میں مانع نہیں، مثلاً: جیسے قربانی خود لے گیا تھا تو وہ اِحرام میں ہے، وہ اگر گھر واپس آ بھی جائے تو اس کو حج کے لئے مکہ مکرمہ واپس جانا واجب ہے، تو ایسے شخص کا گھر آنا نہ آنے کی مانند ہے۔

اگر کوئی شخص قربانی ساتھ نہ لے گیا تھا اور مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کیا اور اِحرام سے باہر ہوگیا اور واپس گھر آیا، اور پھر مکہ مکرمہ جا کر حج کیا تو متمتع نہ ہوگا۔

اگر میقات سے عمرہ کا اِحرام باندھا اور قربانی ساتھ نہ لے گیا تھا، مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کیا اور اِحرام سے باہر ہوا، پھر مکہ مکرمہ ہی میں رہا اور حج کیا، تو متمتع ہے۔

متمتع پر مثل قارِن کے قربانی لازم ہے، اگر قربانی نہیں کرسکتا تو عمرہ کے بعد عرفہ کے دن تک تین روزے رکھے، پھر حج کے بعد مکہ میں یا وطن وغیرہ میں سات روزے رکھے، اور روزے کی نیت صبح ہونے سے پہلے کرے تب روزہ ہوگا، اگر تین دن روزے نہیں رکھے تو اس کو اس کے بعد روزہ جائز نہیں، قربانی کرنا لازم ہوگا، اور اگر عاجز ہوگیا یا مرنے کو ہوا تو قربانی کرنے کی وصیت کرے، مکہ والوں کے لئے قران اور تمتع نہیں، یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے باہر والوں کے لئے عطا فرمائی ہے۔

عمرہ کے بیان میں:

عمرہ کا طریقہ یہ ہے کہ اِحرام باندھے، طواف کرے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، پھر سر منڈائے یا بال کترائے۔ عمرہ سنت ہے، واجب نہیں، اور ایک سال میں کئی عمرے کرسکتا ہے، مگر پانچ دنوں میں نہ کرے، عرفہ کے دن، قربانی اور قربانی کے بعد کے تین دن۔

عمرہ کا رُکن طواف ہے، اس کے واجب، سعی کرنا اور سر منڈانا یا بال کترانا ہیں۔

عمرہ کی سنتیں وہی ہیں جو حج کی سنتیں ہیں، اور عمرہ کا مفسد یہ ہے کہ طواف کے اکثر چکر کرنے سے پہلے جماع کرلے۔

جو چیزیں حج میں منع ہیں، وہ عمرہ میں بھی منع ہیں، عمرہ میں حجرِ اسود کو بوسہ دے کر "لَبَّیْک" کو موقوف کردے، عمرہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ماں باپ، پیر اور اُستاذ کی طرف سے کرے تو عمدہ ہے۔

ممنوعاتِ حج کے بیان میں:

خوشبو لگانا منع ہے، پھر خوشبو تین قسم پر ہے:

ایک: یہ کہ وہ نری خوشبو ہو، جیسے: مشک، کافور اور عنبر وغیرہ، اس کو کسی طرح استعمال نہیں کرسکتا، اگر دوا کے طور پر لگایا تو بھی کفارہ واجب ہوگا۔

دوم: یہ کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو خوشبو نہیں، لیکن وہ خوشبو کی بنیاد و اصل ہے، جیسے: زیتون اور تل کا تیل، اگر تیل لگانے کے طور پر استعمال کیا تو کفارہ واجب ہوگا، اور اگر غذا یا دوا کے طور پر استعمال کیا تو کفارہ لازم نہ ہوگا۔

سوم: یہ کہ وہ نہ خوشبو کی اصل ہے، نہ خوشبو کے حکم میں ہے، جیسے: چربی وغیرہ، تو اس کے استعمال سے کفارہ لازم نہیں آتا۔

خوشبو میں بعض نے عضو کا اعتبار کیا ہے کہ اگر اکثر عضو پر لگائی تو کفارہ ہوگا وگرنہ نہیں، اور بعض نے خود خوشبو کا اعتبار کیا ہے، جس کو عرف قلیل یا کثیر کہے، اس کا اعتبار ہے۔

اگر تمام اعضاء پر خوشبو لگائی تو ایک کفارہ ہے، اور ہر عضو پر جدا جدا مجلس میں خوشبو لگائی تو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ کفارہ ہوگا۔ تمام عضو پر خوشبو لگانے سے قربانی لازم آتی ہے اور قلیل پر لگانے سے صدقہ لازم ہوتا ہے۔

اگر سر پر مہندی سے خضاب کیا اور مہندی پتلی تھی تو قربانی واجب ہوگی، اور اگر مہندی گاڑھی ہے تو دو قربانیاں ہیں: ایک مہندی لگانے کی اور دُوسری سر ڈھانپنے کی، اور اگر دفع دردِ سر کے لئے کیا تو بھی جزا لازم ہوگی۔

اگر آنکھ میں ایک بار خوشبو کا سرمہ لگایا تو صدقہ لازم ہے، اگر بہت بار لگایا تو قربانی لازم ہے۔ اگر متفرق جگہ تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی، تو اگر عضو کے برابر ہوگئی تو

قربانی لازم ہے، وگرنہ صدقہ لازم ہے۔

خوشبودار پھول کے سونگھنے سے کچھ لازم نہیں آتا، مگر کراہت ہے۔

اگر سلا ہوا کپڑا حسبِ عادت ایک دن رات یا اس کا اکثر حصہ پہنے رکھا تو قربانی واجب ہے، اگر اس سے کم پہنا تو صدقہ لازم ہے، خواہ اختیار سے پہنے یا زبردستی سے، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اگر محرِم سلا ہوا کپڑا پہنے رہا تو ایک ہی قربانی ہے، اگر ایک ہی دن کے کچھ حصے میں قمیص پہنی، پھر اسی دن پاجامہ پہنا، پھر اسی دن موزے پہنے، ٹوپی سر پر رکھی، تو ایک کفارہ واجب ہوگا۔

اگر ایک دن یا ایک رات یا اس کا اکثر حصہ اپنا سر یا منہ ڈھکے تو اس پر قربانی لازم ہوگی، اور اگر اس سے کم مقدار ہو تو صدقہ لازم ہوگا، اور چوتھائی سر کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر سر یا منہ پر پٹی باندھی اور پورے دن یا اس کے اکثر حصے میں بندھی رہی تو صدقہ واجب ہے، اور باقی بدن پر پٹی باندھنے سے کچھ بھی نہیں۔

اگر محرِم دوسرے کو خوشبو والا کپڑا، خواہ سلا ہوا ہو یا بے سلا، پہنائے تو بالاجماع اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ (عالمگیری)

محرِم نے بخار کی وجہ سے کپڑا پہنا یا بعض وقت اوڑھنے کی ضرورت تھی اور بعض وقت نہیں تھی، تو بیماری زائل ہونے تک ایک کفارہ (دَم) ہے، اور بخار زائل ہوگیا، پھر آیا، یا پہلے والی وہ بیماری دفع ہوگئی، دوسری آئی، تو شیخینؒ کے قول کے مطابق دو کفارہ لازم ہوں گے۔

اگر محرِم نے بغیر ضرورت کے سر منڈایا تو اس پر قربانی ہے، اس کے سوا اور کسی چیز سے اس کا کفارہ نہیں ہوسکتا، حرم اور غیرِ حرم میں سر منڈانا برابر ہے، چوتھائی کے مونڈوانے کا بھی یہی حکم ہے، داڑھی کا بھی یہی حکم ہے، اور چوتھائی سے کم تراشا تو

صدقہ ہے۔ (لیکن داڑھی مونڈوانا یا تراش کر ایک مشت سے کم رکھنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے) ساری گردن، بغلوں یا ناف کے نیچے کے بال کا بھی یہی حکم ہے، اور ایک بغل نصف سے زیادہ مونڈی تو صدقہ واجب ہوگا، اگر کسی نے مونچھوں کے بال مونڈے، تو صحیح قول یہ ہے کہ اس پر صدقہ واجب ہے، اور بعض دُوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اگر وہ داڑھی کے چوتھے حصے کے برابر ہے تو بکری کی قیمت کا چوتھائی حصہ صدقہ کرے، علیٰ ہٰذا القیاس۔ اگر تمام عضو کے بال مونڈے تو قربانی لازم ہے، وگرنہ صدقہ ہے۔

عضو سے مراد بغل، سر، داڑھی اور وہ اعضاء ہیں جن کو عادتاً مونڈا جاتا ہے۔

اگر سر، ناک یا داڑھی کے بعض بال لئے تو ہر بال کے عوض ایک مٹھی گندم وغیرہ دے۔

اگر محرِم کے بال جل گئے تو صدقہ واجب ہے۔

سر اور داڑھی وغیرہ کے بال بیک وقت مونڈے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

اگر محرِم نے دُوسرے کا سر مونڈا تو صدقہ واجب ہے۔

اگر تمام ہاتھ پاؤں کے ناخن بیک وقت تراشے تو ایک قربانی کافی ہے، اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے تین ناخن تراشے تو صدقہ واجب ہوگا، ہر ناخن کے بدلے نصف صاع گیہوں دے۔

اگر سر منڈانے میں تأخیر کی تا آنکہ قربانی کے ایام گزر گئے تو اس پر قربانی لازم ہوگی۔ اسی طرح اگر قارِن اور متمتع نے بھی قربانی کے ایام گزرنے تک تأخیر کی تو قربانی لازم ہے۔

اگر قارِن نے قربانی ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوادیا تو اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر دو قربانیاں ہیں، ایک اس لئے کہ ذبح سے پہلے سر منڈایا،

دُوسری خود دَمِ قران اس پر واجب ہے۔

ایک وقت میں ناخن تراشے، دوسرے وقت میں سر منڈایا اور تیسرے وقت میں داڑھی وغیرہ منڈوائی، اگر تو پہلے کفارہ ادا کر چکا ہے تو اب دُوسرا کفارہ واجب ہوگا، وگرنہ ایک ہی قربانی لازم ہے۔

فائدہ:... جو کام اپنے اختیار سے کئے جاتے ہیں، جیسے سلا ہوا کپڑا پہننا، بال منڈانا وغیرہ، ایسے افعال کو کسی بیماری یا ضرورت کی وجہ سے کرے گا تو کفارہ لازم ہوگا، یعنی جو کفارہ چاہے ادا کرے، مثلاً: قربانی کرے، صدقہ دے یا روزہ رکھے۔ اگر قربانی کرے تو حرم میں ذبح کرے، اگر حرم سے باہر ذبح کرلی تو ادا نہ ہوگی۔ اگر روزے اختیار کرے تو جہاں چاہے وہاں تین دن کے روزے رکھے، مسلسل رکھے یا جدا جدا رکھے سب دُرست ہے۔ اور اگر صدقہ اختیار کرے تو تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کو دے، ہر مسکین کو نصف صاع دے، افضل یہ ہے کہ فقرائے مکہ معظّمہ کو دے، اگر باہر والوں کو دے تو بھی جائز ہے۔

جماع کے بیان میں:

حج وعمرہ احد السبیلین یعنی قُبل و دُبر میں جماع کے علاوہ کسی چیز سے فاسد نہیں ہوتا، خواہ اِنزال ہو یا نہ ہو، اس پر قربانی واجب ہوگی۔ (کذا فی المحیط)

اسی طرح اگر چوپائے یا جانور سے دُخول کردیا، اِنزال ہونے پر قربانی واجب ہوگی، اور حج وعمرہ فاسد نہ ہوگا۔

اور تصوّر کرنے سے اِنزال ہوا تو کچھ بھی واجب نہیں، احتلام سے غسل کے سوا کچھ بھی واجب نہیں۔

اگر حجِ افراد کیا اور وقوفِ عرفات سے پہلے مجامعت کی، تو اگر عورت بھی

محرِم تھی تو ہر دو کا حج فاسد ہوا، پس ہر دو پر واجب ہے کہ حج کے سب افعال پورے کریں، ان دونوں پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہے، اور آئندہ سال حج کو قضا کریں، اور ان دونوں پر عمرہ واجب نہیں۔ (کذا فی شرح طحاوی)

مجامعت عمداً ہو یا سہواً، زبردستی ہو یا رضا و رغبت سے، سب کا حکم برابر ہے، اور نابالغ لڑکے اور مجنون کی وطی کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں! اگر شوہر نابالغ لڑکا تھا، تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح اگر عورت نابالغ لڑکی تھی تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا۔

اگر وقوفِ عرفات کے بعد مجامعت کی تو حج فاسد نہ ہوگا، خواہ عمداً جماع کیا یا سہواً، اور ان پر اُونٹ یا گائے کی قربانی ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ واجب ہوگی، بکری کی قربانی کفایت نہیں کرسکتی۔

جمہور کے نزدیک اگر حلق کے بعد اور طوافِ زیارت سے پہلے مجامعت کی تو بکری کی قربانی لازم ہوگی، اور عمرہ میں طواف کے چار چکر کرنے سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد ہوگیا، اس کو تمام کرے اور عمرہ کو قضا کرے، اور بکری کی قربانی اس پر لازم ہوگی، اور اگر چار چکر کرنے کے بعد جماع کیا تو عمرہ فاسد نہ ہوگا، مگر قربانی لازم ہوگی۔ (کذا فی الہدایہ)

اگر قارِن ہو اور طوافِ عمرہ سے پہلے جماع کرلیا تو عمرہ اور حج دونوں فاسد ہوجائیں گے، پس حج اور عمرہ کے افعال کو پورا کرے اور اس پر دو بکریوں کی قربانی لازم ہوگی، اور آئندہ سال حج و عمرہ کو قضا کرے، اگر عمرہ کے طواف کے بعد جماع کیا تو عمرہ فاسد نہ ہوگا اور حج فاسد ہوگیا، اس پر بھی دو قربانیاں لازم ہیں، آئندہ سال حج کو قضا کرے اور قران کی قربانی اس سے ساقط ہوجائے گی۔ (کذا فی عالمگیری)

اگر وقوفِ عرفات کے بعد جماع کیا تو عمرہ اور حج فاسد نہ ہوگا، حج کے عوض اُونٹنی اور عمرہ کے عوض بکری کی قربانی واجب ہے، اور قران کی قربانی بھی

لازم ہوگی۔ (کذا فی المحیط)

متمتع اگر قربانی لے چلا تھا، اگر عمرہ کے طواف سے یا وقوفِ عرفات سے پہلے جماع کیا تو تمتع کی قربانی اس سے ساقط ہے، اور جماع کی لازم ہے۔ اور اگر وقوفِ عرفات کے بعد جماع کیا تو دو قربانیاں اس پر لازم ہوں گی، مرد و عورت اس حکم میں برابر ہیں۔

طواف، سعی، رَمل اور جنایات کے بیان میں:

اگر طوافِ زیارت بے وضو کیا یا حالتِ جنابت میں کیا یا نصف سے زیادہ بے وضو یا جنابت کی حالت میں کیا تو ایک بکری کی قربانی واجب ہوگی۔ (ہدایہ کے حاشیہ میں ہے کہ طوافِ زیارت حالتِ جنابت میں کرنے سے بدنہ (بڑا جانور) لازم آتا ہے، اسی طرح حائضہ یا نفساء کی صورت میں بدنہ (بڑا جانور) لازم ہے، نیز وقوفِ عرفہ کے بعد جماع سے بدنہ (بڑا جانور) لازم آتا ہے، کذا فی حاشیۃ الہدایہ)۔

افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں ہے طواف کا اعادہ کرے، اگر اعادہ کرلیا تو قربانی اس پر واجب نہ رہے گی، یعنی ساقط ہوجائے گی، اصح یہ ہے کہ بلا وضو کئے گئے طواف کا اعادہ مستحب ہے، اور حالتِ جنابت میں کئے گئے طواف کا اعادہ واجب ہے۔ پھر اگر ایامِ نحر میں اعادہ کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا، اور اگر ایامِ نحر کے بعد اعادہ کیا تو اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تأخیر کی وجہ سے بکری کی قربانی واجب ہوگی، اور بدنہ یعنی اُونٹ یا گائے کی قربانی اس سے ساقط ہوجائے گی۔

اگر حالتِ جنابت میں طوافِ زیارت کیا اور گھر چلا آیا تو واجب ہے کہ نیا اِحرام باندھ کر لوٹے، اگر نہ لوٹا اور بدنہ بھیج دیا تو بھی جائز ہے۔

اگر طوافِ زیارت نصف سے کم بے وضو کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے،

نصف صاع گیہوں ہر شوط (چکر) کے عوض دے، اور نصف سے کم حالتِ جنابت میں کیا تو بکری واجب ہے، اگر مکہ میں ہے اور اعادہ کرلیا تو قربانی ساقط ہوجائے گی، اور صدقہ بھی ساقط ہوجائے گا۔ اگر ایامِ نحر کے بعد اعادہ کیا تو اِمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طواف کے ہر شوط کے عوض دو سیر گیہوں دے۔

اگر طوافِ زیارت میں ایک درہم سے زائد کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

اگر طوافِ صدر بے وضو کیا تو صدقہ واجب ہے، اور اعادہ سے بالاجماع صدقہ ساقط ہوجائے گا۔

اگر طوافِ صدر کل یا اس کا اکثر حصہ جنابت کی حالت میں کیا تو قربانی واجب ہوگی، اگر مکہ میں ہے اور اعادہ کرلیا تو قربانی ساقط ہوجائے گی، اور تاخیر کی وجہ سے بالاتفاق اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

اگر جنابت کی حالت میں طوافِ زیارت کیا اور آخر ایامِ تشریق میں طہارت سے طوافِ صدر کیا تو طوافِ صدر، طوافِ زیارت کے قائم مقام ہوجائے گا اور طوافِ صدر اس کے ذمہ باقی رہے گا، اور اس کے چھوڑنے کی وجہ سے بالاتفاق قربانی لازم ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طوافِ زیارت میں تأخیر کی وجہ سے ایک اور قربانی واجب ہوگی۔ (کذا فی المحیط)

اگر طوافِ زیارت اور طوافِ صدر دونوں کو چھوڑ دیا تو اس پر بیوی حرام رہے گی، اور اس پر واجب ہے کہ پھر لوٹے اور دونوں طواف کرے، اور طوافِ زیارت کی تأخیر کی وجہ سے قربانی ادا کرے، البتہ طوافِ صدر کی تأخیر پر کچھ واجب نہیں، اس لئے کہ اس کا کوئی وقت مقرّر نہیں۔

اگر طوافِ قدوم بے وضو کیا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا، لیکن اگر جنابت کی

حالت میں کیا تو قربانی واجب ہوگی۔

اگر عمرہ کا طواف اور سعی بے وضو کیا، تو اگر اعادہ کرلے تو کچھ واجب نہ ہوگا، ورنہ قربانی واجب ہوگی۔ اور سعی بلا وضو کرنے کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں۔

اگر طوافِ زیارت میں ستر کھلا ہوا تھا تو اعادہ کرے، ورنہ قربانی واجب ہوگی۔

صفا و مروہ کی سعی چھوڑ دے تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور اس کا حج پورا ہوجائے گا۔ (کذا فی القدوری)

اگر عرفات سے امام کے جانے سے پہلے اور غروب سے قبل حاجی چلا گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی، اگر غروب سے پہلے لوٹ آیا تو حسبِ ظاہرِ روایت اس سے قربانی ساقط ہوجائے گی اور بعد غروب کے چلا تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

اگر جمرات پر کنکریاں مارنا چھوڑ دے یا صرف ایک جمرہ کو کنکریاں مارے یا یومِ نحر کو صرف جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارے تو اس پر ایک قربانی واجب ہوگی، اور اگر کچھ تھوڑی سی کنکریاں مارنا چھوڑ دے تو ہر کنکری کے عوض نصف صاع گیہوں صدقہ دے، لیکن جب اس کی قیمت ایک بکری کے برابر ہوجائے تو جس قدر چاہے کم کردے۔ (کذا فی عالمگیری)

اگر جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں سعی کی تو سعی ہوجائے گی، مگر اس نے بُرا کیا۔

شکار کے بیان میں:

شکار سے وہ جاندار مراد ہے جو اصلی پیدائش کے اعتبار سے برّی اور وحشی ہو، پھر خواہ وہ جنگل میں رہتا ہو یا دریا میں، محرِم کو اس کا شکار ممنوع ہے، اور ایسے دریائی جانور کا شکار جس کی پیدائش دریا میں ہو، محرِم کو جائز ہے۔

محرِم نے شکار کو قتل کیا خواہ سہواً ہو یا عمداً، شکار کسی کی مِلک میں ہو یا مباح ہو، سب صورتوں میں اس پر جزا واجب ہوگی۔ اور جزا وہ ہے کہ دو نیک سمجھ دار اس کی قیمت مقرّر کریں، خواہ یہ قیمت اس مکان و زمان میں مقرّر کی جائے جہاں قتل ہوا یا اس کے قریب کے مکان و دیہات میں، اگر وہاں شکار کی قیمت نہیں ہے تو پھر قیمت میں اس کو اختیار ہے، چاہے تو جزا میں قربانی کا جانور خرید کر کے حرم میں ذبح کرے اور گوشت فقراء میں تقسیم کر دے، بشرطیکہ اس کی قیمت قربانی کے جانور کے برابر ہو، اور چاہے تو اس کے بدلے میں اناج خرید کر کے اس میں سے ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو دیدے، اور چاہے تو ہر نصف صاع کے مقابل روزہ رکھے۔ اگر اس شکار کی قیمت مسکین کے کھانے سے کم ہو تو پھر اختیار ہے، چاہے تو وہی کھانا دے دے یا اس کے بدلے میں ایک دن کا روزہ رکھے۔ (کذا فی الکافی)

اگر کسی نے شکار کی جزا میں قربانی کرنا اختیار کیا اور قربانی سے قیمت بچ گئی، اگر اس سے دُوسری قربانی ہوسکتی ہے تو اسے اختیار کرے، چاہے تو دُوسری قربانی کرے، یا دونوں کے عوض صدقہ دے، یا بچی ہوئی رقم کے برابر روزہ رکھے یا ایک قربانی کرے اور باقی کے عوض جو بھی کفارہ چاہے ادا کرے۔ اسی طرح بچی ہوئی قیمت سے بکری نہیں خریدی جاسکتی تو صدقہ دے یا روزہ رکھے، اس کو اختیار ہے۔ بکری ذبح کرنا حرم کے ساتھ خاص ہے اور صدقہ جہاں چاہے دے دے۔

اگر محرِم نے شکار حرم میں قتل کیا تو اس پر وہی واجب ہے جو حرم کے باہر شکار کے قتل کرنے سے واجب ہوتا تھا، اور حرم کی وجہ سے کچھ اور واجب نہ ہوگا کہ شکار کا قتل علیحدہ ہوا، حرم کی ہتک علیحدہ ہوئی۔

اسی طرح غیر محرِم نے حرم کے شکار کو قتل کیا، تو اس پر جزا واجب ہوگی، لیکن اس کو روزے رکھنا کافی نہیں ہیں، اور اگر ماکول اللحم یعنی حلال جانور کو قتل کیا تو

اس پر جزا لازم ہوگی، مگر ایک بکری سے زائد نہ ہوگی۔

اگر درندے نے محرِم پر حملہ کیا اور محرِم نے اس کو قتل کیا تو کچھ لازم نہ ہوگا، اسی طرح اگر شکار اس پر حملہ کرے تو قتل کرنے سے کچھ لازم نہ ہوگا، اور اگر شکار کو زخمی کیا، پھر وہ مرگیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ اچھا ہوگیا اور اس پر کچھ اثر نہ رہا تو ضامن نہ ہوگا، اور کچھ اثر باقی ہے تو جس قدر اس کی قیمت میں نقصان ہوگیا، اس کا ضامن ہوگا۔

اگر کسی پرندے کا بازو اُکھاڑا یا پاؤں کاٹے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، تو پوری قیمت لازم ہوگی، وگرنہ صرف نقصان کا ضامن ہوگا۔

اگر شکار کا گندہ انڈہ توڑا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اور اگر انڈہ صحیح ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

قارِن اگر شکار کو قتل کرے تو اس پر دوہری جزا لازم ہوگی، اگر کسی جوں کو مارا یا زمین پر ڈال دیا تو جتنا چاہے صدقہ دے دے، اگر دو، تین جوئیں ماریں تو بھی مٹھی بھر اناج دے دے اور اس سے زیادہ ہوں تو نصف صاع گیہوں دے دے، اسی طرح جوں کی طرف اشارہ کرکے نشاندہی نہ کرے اور نہ دُوسرے کو پکڑ کر دے، جوں کو مارنے کے لئے کپڑا دُھوپ میں نہ ڈالے، نہ ہی جوں کے مارنے کی نیت سے کپڑا دھوئے، اگر ایسا کیا تو نصف صاع گیہوں دے دے، اور اگر کپڑے دھوئے، لیکن اس کی نیت جوئیں مارنے کی نہ ہو، پھر وہ کپڑے خشک کرنے کے لئے دُھوپ میں ڈالے جس سے جوئیں مرگئیں تو کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

حرم کے درختوں کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: کہ اس کو لوگوں نے بویا یعنی کاشت کیا ہو، لیکن وہ درخت ایسا نہیں جس کو عموماً بویا اور اُگایا جاتا ہو۔

دُوسری قسم: اِن درختوں کی ہے کہ جن کو کسی نے بویا ہو اور وہ درختوں کی اس قسم سے ہو جو عام طور پر بوئے اور اُگائے جاتے ہیں۔

تیسری قسم: وہ درخت جو خود پیدا ہوا، مگر اس کا تعلق اس قسم سے ہو جو بوئے جاتے ہیں۔

ان تین قسم کے درختوں کے کاٹنے پر کوئی جزا نہیں ہے۔

چوتھی قسم: یہ کہ وہ درخت خود پیدا ہوا ہو، اور اس کا تعلق بھی درختوں کی اس قسم سے ہو جو بوئے نہیں جاتے، اس کے کاٹنے پر جزا لازم ہے، خواہ وہ درخت کسی کا مملوک ہو یا مملوک نہ ہو۔ اور حرم کی گھاس کو کاٹنے سے اس کی قیمت لازم ہوگی، اگر اس قیمت سے قربانی ہوسکے تو قربانی کرے یا ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں دے دے، تو جائز ہے، روزے اس میں جائز نہیں ہیں، اگر حرم کی گھاس کو بیچا تو اس کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس کی قیمت صدقہ کرے، یعنی اگر بیع ہوگئی اور بیع واپس نہیں ہوسکتی۔ اور حرم کے جو درخت خشک ہوگئے ہوں اور نشو ونما کی حد سے نکل گئے ہوں، ان کے اُکھاڑنے اور نفع حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سوکھی گھاس لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، مگر سبز اذخر (گھاس) کا کاٹنا جائز ہے، اور حرم کی کمأت یعنی کھمبی لینا جائز ہے۔

بغیر اِحرام کے میقات سے گزرنا:

میقات سے باہر رہنے والا اگر بغیر اِحرام کے مکہ میں داخل ہوگیا، اور حج اور عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، تو صرف مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے اس پر حج یا عمرہ لازم ہے۔

اور اگر حج یا عمرہ کا اِحرام باندھنے کے واسطے میقات کو نہ لوٹے تو حقِ

میقات ترک کرنے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہے، اور اگر لوٹ کر حج یا عمرہ کا اِحرام باندھا اور حج یا عمرہ کا ارادہ کیا تو وہ قربانی ساقط ہوگئی۔

اگر مکہ مکرمہ میں بغیر اِحرام کے داخل ہوا، پھر اسی سال لوٹ کر میقات سے حج کا اِحرام باندھا تو اس سے وہ قربانی جو بلا اِحرام مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی تھی، ساقط ہوگئی۔

اگر میقات کے اندر کسی جگہ کسی کام کے لئے داخل ہوا، پھر وہاں سے مکہ مکرمہ میں بلا اِحرام داخل ہوسکتا ہے، اور اگر وہاں سے عمرہ یا حج کا ارادہ کرے تو اسی جگہ سے اِحرام باندھ سکتا ہے۔ (کذا فی الھدایہ)

ایک اِحرام سے دُوسرا اِحرام ملادینا:

اگر کوئی شخص عمرہ سے فارغ ہوا، لیکن ابھی تک اس نے بال نہیں کترائے، پھر اس نے دوسرے عمرہ کا اِحرام باندھ لیا تو اس پر وقت سے پہلے اِحرام باندھنے کی وجہ سے قربانی لازم ہوگی اور یہ قربانی کفارہ کی ہے۔ (کذا فی الھدایہ)

حج کا طوافِ قدوم کیا، پھر عمرہ کا اِحرام باندھا تو حج وعمرہ دونوں لازم ہوں گے، اگر دونوں کو اسی طرح ادا کیا تو جائز ہے، اور دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے اس پر قربانی لازم ہوگی، اور یہ قربانی حج کی نہیں (یعنی حجِ قران کی نہیں ہے) بلکہ کفارہ کی ہے، اور مستحب یہ ہے کہ عمرہ کو توڑ دے۔ (کذا فی عالمگیری ناقلاً عن الکافی)

احصار، یعنی حج سے روکے جانے کا بیان:

محصر، وہ شخص ہے جس نے اِحرام باندھا تھا، مگر دُشمن کے خوف، مرض، قید یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے وغیرہ کی وجہ سے حج یا عمرہ کے ادا کرنے سے روکا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

اس مرض کی حد، جس سے احصار ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ اس کو چلنے یا سوار ہونے کی طاقت نہ رہے، اور اگر فی الحال طاقت ہے، مگر بیماری کے بڑھنے کا خوف ہے، تو بھی یہی حکم ہے۔ اور دشمن کے خوف میں مسلمان، کافر اور درندہ سب کا خوف شامل ہے۔

اسی طرح اگر پیسے چوری ہوگئے اور پیدل چلنے کی طاقت نہیں، تو وہ بھی محصر ہے، اور اگر چلنے پر قدرت رکھتا ہے تو وہ محصر نہیں۔

اسی طرح عورت حج کو جا رہی تھی کہ اس کا شوہر یا محرَم مرگیا، تو وہ عورت بھی محصرہ ہے۔

عورت نے حج نفل کا اِحرام باندھا اور شوہر نے روک دیا تو وہ بھی بمنزلۂ محصرہ کے ہے۔

کیا شوہر کو اختیار ہے کہ وہ عورت کو اِحرام سے نکال دے؟ حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر کو اختیار ہے کہ حج نفل میں عورت کو روک دے۔

اسی طرح عمرہ سے بھی احصار ہوتا ہے، احصار کی حالت میں حکم یہ ہے کہ قربانی یا اس کی قیمت حرم میں بھیج دے کہ اس کی قربانی خرید کر کے ذبح کردی جائے، اور اس قربانی کے ذبح کرنے کا ایک روز معین کر کے وعدہ لے لے، تو جس دن وہ قربانی ذبح ہوگی، اس دن یہ محصر اِحرام کھول سکتا ہے، اگر قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے محصر نے ایسا کوئی فعل کیا جو حالتِ اِحرام میں جائز نہیں تھا تو اس پر وہی کچھ واجب ہوگا جو محصر نہ ہونے کی صورت میں محرِم پر واجب ہوتا تھا۔ اور محصر کے لئے اِحرام کھولنے کے لئے سر منڈانا شرط نہیں، لیکن اگر سر منڈالے تو بہتر ہے۔

(کذافی البدائع)

اگر نہ قربانی میسر ہو اور نہ ہی اس کی قیمت، تو وہ احناف کے نزدیک روزہ

رکھ کر اِحرام سے باہر نہیں آسکتا، پھر جب محصر قربانی دے کر اِحرام سے باہر ہوگیا تو اگر فقط حج کا اِحرام باندھا تھا تو آئندہ سال اس پر حج اور عمرہ لازم ہے، اور اگر عمرہ کا اِحرام تھا تو اس کے عوض عمرہ لازم ہے، اور اگر قارِن تھا تو دو قربانیوں کے ذبح ہونے کے بعد اِحرام سے باہر ہوگا، اور آئندہ سال اس پر دو عمرے اور ایک حج لازم ہوگا۔ (کذا فی المحیط)

حج کے فوت ہوجانے کا بیان:

جس کا حج فوت ہوجائے، مثلاً: وہ وقوفِ عرفہ نہ کرسکا یا وقوفِ عرفات سے پہلے اس نے مجامعت وغیرہ کرلی، تو اس پر واجب ہے کہ طواف وسعی کرے اور اِحرام سے باہر ہوجائے، اور آئندہ سال حج کو قضا کرے، وقوفِ عرفات سے محروم رہنے کی صورت میں اس پر دَم نہیں ہے، البتہ جماع کے باعث اس پر بدنہ لازم ہے، اور قران والے کو چاہئے کہ پہلے عمرہ کا طواف وسعی کرے، پھر حج کے فوت ہوجانے کے عوض طواف وسعی کرے اور سر منڈائے یا کترائے۔

غیر کی طرف سے حج کرنے کا بیان:

عبادات تین قسم کی ہیں:

۱:... مالی: جیسے: زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ وغیرہ۔

۲:... بدنی: جیسے: نماز، روزہ۔

۳:... جو دونوں سے مرکب ہو جیسے: حج۔

مالی عبادت میں نیابت جائز ہے، خواہ حالتِ اختیاریہ ہو یا اضطراریہ، اور بدنی عبادت میں نیابت بالکل جائز نہیں۔ تیسری صورت میں عاجز ہونے کے وقت نیابت جائز ہے، اور اس کی چند شرائط ہیں:

۱:... جس کی طرف سے حج کیا جائے وہ بذاتِ خود ارکانِ حج ادا کرنے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال ہو، پس تندرست مال دار یا فقیرِ تندرست کی طرف سے حجِ فرض کی نیابت صحیح نہیں ہے۔

۲:... وہ مرتے دَم تک عاجز ہی رہے، کیونکہ اگر مریض تندرست ہوجائے تو خود حج کرے، وہ حج جو اس نے کرایا تھا، نفل ہوجائے گا۔

۳:... حج کرانے والا حکم بھی کرے، اگر اس نے حج کا حکم نہیں کیا تو اس کی جانب سے حجِ فرض ادا نہیں ہوسکتا۔ ہاں! وارث، مورث کی طرف سے بغیر حکم کے حج کرے تو جائز ہے۔ (کذا فی عالمگیری)

۴:... حجِ بدل کرنے والا اِحرام کے وقت آمر کے حج کی نیت کرے اور یوں کہے: "لبیک من فلان" یہ زبان سے کہنا افضل ہے۔

۵:... اور نائب حج کرانے والے کے مال سے حج کرے، اگر نائب نے اپنے مال سے حج کیا تو آمر کی طرف سے حجِ فرض ادا نہ ہوگا۔ اگر نائب نے بھی کچھ مال خرچ کیا، اگر حج کرانے والے کا مال کافی تھا، تو اس کا احسان سمجھا جائے گا۔

۶:... حجِ بدل کرنے والا سوار ہوکر حج کرے، اگر اس نے پیادہ حج کیا تو اس خرچ کا ضامن ہوگا، پھر اس کی طرف سے سوار ہوکر حج کرے۔ (کذا فی عالمگیری)

افضل یہ ہے کہ ایسے شخص سے حجِ بدل کرایا جائے جو اپنی طرف سے حج کر چکا ہو، و بایں ہمہ اگر ایسے کو حکم کیا گیا جس نے اپنی طرف سے حج نہیں کیا تو احناف کے نزدیک جائز ہے، اور آمر سے حج ساقط ہوجائے گا۔ (کذا فی عالمگیری ناقلاً عن المحیط)

فائدہ:... اگر حجِ بدل کی وصیت کرنے والے نے کوئی مقام مقرر نہیں کیا، تو اس کے وطن سے حج کرایا جائے، بشرطیکہ اس کا تہائی مال وطن سے حج کرانے کے لئے کافی ہو، وگرنہ جہاں سے کافی ہو وہاں سے کرایا جائے۔ (کذا فی المحیط)

اگر میّت کے مال میں سے حج کی آمد و رفت کے خرچ سے کچھ بچ جائے تو حجِ بدل کرنے والا ورثاء کو واپس کردے، اور اگر مرنے والے نے حج کی وصیت کی تھی اور نائب یعنی حجِ بدل کرنے والے نے حجِ قران کرلیا تو قربانی نائب پر ہے، اور اگر نائب محصور ہوا تو قربانی میّت کے مال سے ہوگی۔ (ہدایہ)

اگر حجِ بدل کرنے والے نے جماع سے حج کو فاسد کیا تو قربانی حج کرنے والے پر لازم ہوگی، میّت کے مال سے نہ ہوگی، اور خرچ کا ضامن ہوگا۔

فائدہ:... بلا اختلاف جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دُوسرے کے واسطے کردے، خواہ نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا قرآن کی تلاوت یا ذکر وغیرہ، (ہٰذا عند اہل السنۃ والجماعۃ) اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دُنبے ذبح کئے تھے، ایک اپنے لئے اور ایک اُمت کے لئے، جس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے لئے ایصالِ ثواب جائز ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

ہدی کا بیان:

ہدی وہ حلال جانور ہے جس کو حرم کی طرف ہدیۃً لے جاتے ہیں، ہدی اس وقت ہوگا جب بطور صراحت یا بطور دلالت ہدی کے لئے مقرّر کرے، مثلاً: قربانی کے جانور کو مکہ مکرمہ کی طرف ہانک کر لے چلے، ہدی تین قسم ہے: اُونٹ، گائے یا بکری، بھیڑ۔ (کذا فی الہدایہ)

ہمارے نزدیک اُونٹ سب سے افضل ہے، پھر گائے، بیل اور پھر بھیڑ، بکری۔ (کذا فی فتح القدیر) اور بدنہ خاص اُونٹ و گائے کو کہتے ہیں (کما مرّ)۔ ہدی وہی جائز ہے جو قربانی میں جائز ہے، اور بکری ہر چیز میں جائز ہے، مگر چار مقام میں بدنہ دینا پڑتا ہے:

۱:...طوافِ زیارت حالتِ جنابت میں کیا۔

۲:...وقوفِ عرفات کے بعد جماع کیا، اس میں بکری جائز نہیں ہے۔

۳،۴:...طوافِ زیارت حیض یا نفاس کی حالت میں کیا (کذا فی حاشیة الهداية كما مرّ) اس میں بھی بکری جائز نہیں۔

اُونٹ اور گائے کی ہدی میں پٹا ڈالنا سنت ہے، بشرطیکہ ہدی نفل، تمتع یا قران کی ہو، اور بکری والی ہدی کے گلے میں پٹہ ڈالنا سنت نہیں۔

ہدی پر سواری کرنا دُرست نہیں اور بلا ضرورت بار برداری بھی دُرست نہیں، اگر کسی نے ہدی پر سواری کی یا بار برداری کی تو سواری کرنے اور بار برداری کرنے سے اس کی قیمت میں جو نقصان ہوگا، وہ اس کے ذمہ واجب ہوگا۔ ہدی کا دُودھ بھی نہ دوہے، وغیرہ ذالک۔

تطوّع، تمتع اور قران کی قربانی سے کھانا جائز ہے، اور باقی ہدایا سے کھانا جائز نہیں، اور نفلی، تمتع اور قران کی قربانی دسویں ذوالحجہ یعنی ایامِ نحر کو ضروری ہے۔ اور مبسوط میں ہے کہ تطوّع کی قربانی دسویں سے پہلے بھی جائز ہے اور دسویں کا دن افضل ہے، اور بقیہ ہدایا (قربانیاں) جیسے کفارہ، نذر اور احصار کی، جس وقت میں چاہے ذبح کرے، مگر سب کو حرم میں ذبح کرنا ہوگا، اور مساکینِ حرم اور غیرِ حرم پر گوشت کا تصدق جائز ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

جاننا چاہئے کہ جس قربانی کا کھانا مالک کو جائز ہے، اس کو ذبح کے بعد خیرات کر دینا واجب نہیں، بلکہ تہائی گوشت کا خیرات کرنا مستحب ہے، اور جس کا کھانا جائز نہیں، اس کے تمام کا خیرات کرنا اور بانٹنا واجب ہے۔

حج کی نذر کا بیان:

وجوبِ حج دو قسم ہے:

ایک:... یہ کہ حج کے وجوب کی سب شرطیں جمع ہوں، ایسے حج کو حجۃ الاسلام کہتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ اس کا وجوب بندہ کی طرف سے ہو، وہ یہ کہ مثلاً: یوں کہے: اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ حج ہے یا حج واجب ہے، خواہ اس کو کسی شرط سے مشروط رکھے، جیسے یوں کہے کہ: اگر میرا یہ کام ہوگیا تو مجھ پر حج واجب ہے، اگر شرط پائی گئی تو حج کرنا واجب ہوگا۔ اگر یوں کہے کہ میرے ذمے اِحرام ہے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی ایسا لفظ کہے جو اِحرام کے لازم ہونے پر دلالت کرتا ہے، مثلاً: یوں کہے کہ: اللہ تعالیٰ کے واسطے بیت اللہ، کعبہ یا مکہ تک پیدل چلنا مجھ پر واجب ہے، تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔ پھر اس میں بحث ہے کہ جب وہ پیدل حج یا عمرہ کرے تو کہاں سے پیدل چلے؟ اور کب پیدل چلنا چھوڑ دے؟ بعض نے کہا ہے کہ پیدل چلنے کی ابتدا اِحرام سے ہے، اور بعض نے کہا کہ گھر سے ہے، چنانچہ اگر کل راستہ یا اکثر راستہ سوار ہوکر چلا تو قربانی دے، اور بعض فقہاء نے کہا کہ اس کو اختیار ہے کہ پیدل چلے یا سوار ہوکر چلے، یعنی ایسی نذر سے اس پر پیدل چلنا واجب نہیں، اور ''تبیین'' میں لکھا ہے کہ صحیح پہلا قول ہے۔

فائدہ:... حرم کی مٹی یا پتھر کو حرم سے باہر لے جانے کی صورت میں ہمارے نزدیک کچھ واجب نہیں، فقہاء کا اجماع ہے کہ زمزم کا پانی حرم سے باہر لے جانا مباح ہے، کعبہ کے پردوں سے کچھ نہ لے اور جو اس پر سے گر جائے وہ فقیروں پر

صرف کردے، پھر اگر ان سے خرید لے تو مضائقہ نہیں۔ (کذا فی عالمگیری)

حرم کے درخت پیلو وغیرہ سے مسواک بنانا جائز نہیں، اور کعبہ کی خوشبو تبرک کے لئے یا کسی دُوسری غرض کے لئے لینا جائز نہیں، اگر اس میں سے کچھ لے لے، تو اس کا لوٹانا واجب ہے، اگر کوئی تبرک کا ارادہ کرے تو کعبہ شریف کو اپنے پاس سے خوشبو لگائے اور پھر اس سے لے لے۔ (کذا فی سراج الوہاج، کذا فی عالمگیری)

آدابِ دُعا کا بیان:

بعض آداب ضروری ہیں اور بعض مستحسن ہیں:

۱:... کھانے، پہننے، پینے اور کسب میں حرام سے بچے۔

۲:... اِخلاص للہ تعالیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو پکارے، حاضرانہ اور غائبانہ، دُور و قریب سے۔

۳:... دُعا سے پہلے کوئی اچھا کام، نماز، صدقہ وغیرہ کرے، اور پہلے کئے گئے اچھے کام کو شدّت کے وقت یاد کرے۔

۴:... پاکی حاصل کرے، وضو کرے، قبلہ کی طرف رُخ کرے، نماز پڑھے اور دوزانو بیٹھے۔

۵:... دُعا کے وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثنا کرے، دُعا کے اوّل، آخر دُرود شریف پڑھے، دونوں ہاتھ پھیلائے، اور مناسب اُونچے کرے، اور مونڈھوں کے برابر کرے، نیاز و عاجزی کرے، قافیہ بندی سے بچے، اللہ تعالیٰ کی طرف ایمان بالانبیاء والکتب کو وسیلہ لائے، (جیسے: "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ...." الآیة، "رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ" اور "رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ ...." الآیة)، آواز پست کرے، اپنی غلطی کا اقرار کرے، صحیح

اور مأثورہ دُعائیں اختیار کرے، بار بار عرض کرے، ادنیٰ درجہ تین بار ہے، آہ و زاری کرے، گناہ کی اور حد سے تجاوز ہونے کی دُعا نہ کرے، جیسے کہ مجھے نبی بنا، اور معراج کرا، اور فراغ کے بعد اپنا ہاتھ منہ پر پھیرے، اور قبول ہونے میں جلدی نہ کرے، مثلاً: یوں نہ کہے: دُعا کی مگر قبول نہ ہوئی، وغیر ذالک۔

قبولیتِ دُعا کے اوقات:

ان اوقات میں دُعا اکثر قبول ہوتی ہے:

لیلۃ القدر، حج کے دن، ماہِ رمضان، یومِ جمعہ، راتِ جمعہ، "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ" اور "وَحَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کے بعد، تلاوتِ قرآن مجید کے بعد، آبِ زمزم پیتے وقت، آوازِ مرغ کے وقت، اقامتِ الصلوٰۃ کے وقت، بارش کے وقت، رُوَیتِ کعبہ کے وقت، سورۂ انعام آیت ۱۲۴ پارہ ہشتم میں اللہ تعالیٰ کے دو نام آتے ہیں، ان کے درمیان دُعا کرنا مجرّب ہے، وغیر ذالک۔

قبولیتِ دُعا کی جگہیں:

طواف میں، ملتزم کے پاس، پرنالے کے نیچے، کعبہ کے اندر، زمزم کے نزدیک، صفا مروہ پر، صفا مروہ کے درمیان سعی میں، مقامِ ابراہیم کے پیچھے، عرفات میں، منیٰ میں، رمیٔ جمرات کے وقت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے قریب، اگر وہاں قبول نہ ہو تو کہاں قبول ہوگی؟ رُکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان میں تین مصلّے بنے ہوئے ہیں، ان میں سے درمیانی مصلّے پر، حجرِ اسود کے چومنے کے وقت، اور حطیم میں، وغیر ذالک۔ (کذا فی حصن الحصین)

حضور نبیٔ اکرمؐ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے آداب:

ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی

زیارت افضل مندوبات میں سے ہے، اور شرحِ مختار میں ہے کہ جس شخص کو استطاعت ہو، اس کے لئے قبر شریف کی زیارت قریب قریب واجب ہے، حج فرض ہے تو احسن یہ ہے کہ پہلے حج کرے، پھر زیارت کو جائے، اور اگر حج نفل ہے تو پہلے حج کرے یا زیارت کرے دونوں میں اختیار ہے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک مدلل مکمل رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ''آبِ حیات'' ہے، اس میں مانعین کے خلاف دندان شکن جوابات ہیں، ضرور پڑھیں۔ اور چاہئے کہ اس کے ساتھ زیارتِ مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دائماً کی بھی نیت کرے، اس لئے کہ وہ ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے سوا اور کسی مسجد کے لئے سفر نہیں کیا جاتا، اور حدیث میں ہے:

''لا تشدّ الرحال الا الٰی ثلاثة مساجد: مسجد الحرام، والمسجد الاقصٰی، ومسجدی هٰذا.''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۶۸)

یعنی کسی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لئے سفر نہ کیا جائے، مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجدِ حرام مکہ مکرمہ، مسجدِ نبوی مدینہ منورہ، اور مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس۔

جب روضۂ اطہر کی زیارت کے واسطے متوجہ ہو تو جب تک راستے میں ہے، کثرت سے دُرود اور سلام پڑھے، مثلاً یوں کہے: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ''۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستے میں جو مسجدیں ہیں، ان میں نماز پڑھے، اور وہ بیس مسجدیں ہیں۔ (کذا ذکر الکرمانی فی المناسک)

جب مدینہ منورہ کے درخت نظر آنے لگیں تو دُرود و سلام میں مزید زیادتی کرے اور کہے: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَفْضَلَ

صَلَوَاتِکَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ۔"

(یہ مسئلہ غایۃ السروجی شرح ہدایہ میں ہے)

جب مدینہ منوّرہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی دیواروں پر نظر پڑے تو دُرود پڑھے اور یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّکَ فَاجْعَلْہُ وِقَایَةً لِّیْ مِنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ۔"

اگر ہو سکے تو مدینہ منوّرہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل بھی کر لے اور مدینہ منوّرہ میں داخل ہونے کے بعد بھی غسل کرے، اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، عاجزی کرتا ہوا تسلّی اور وقار کے ساتھ داخل ہو۔ (یہ اختیار شرح مختار میں ہے)

مناسب ہے کہ مدینہ منوّرہ کے قریب اُترے اور پیدل چل کر مدینہ منوّرہ میں داخل ہو، اس میں ادب اور تعظیم زیادہ ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)

جب مدینہ منوّرہ میں داخل ہونے لگے تو یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْبَلْدَةِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَمِنْ شَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِکَ فَاجْعَلْ دُخُوْلِیْ فِیْہِ وِقَایَةً لِّیْ مِنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ۔" (کذا فی فتاویٰ قاضی خان)

جب مسجد میں داخل ہو تو وہی افعال کرے جو دُوسری مسجدوں میں داخل ہونے کے وقت کئے جاتے ہیں، یعنی اوّل داہنا پاؤں رکھے، (کذا فی فتح القدیر) اور یہ دُعا پڑھے:

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ.''

چاہئے کہ بابِ جبریل سے یا کسی دُوسرے دروازہ سے داخل ہو، اور منبر کے پاس دو رکعت پڑھے، اور اس طرح کھڑا ہو کہ منبر کی لکڑی داہنے مونڈھے کے سامنے ہو، یہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کا مقام ہے، اور یہ مقام قبر مبارک اور منبر کے درمیان ہے۔ اور شکریہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے سجدہ کرے اور جس دُعا کو بہتر سمجھے، مانگے (فقہاء نے فرمایا ہے کہ ان مقامات میں کوئی دُعا معین نہیں ہے، جو چاہے دُعا مانگے۔ کذا فی عالمگیری ناقلاً من فتاویٰ قاضی خان)۔

پھر حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہو اور سر مبارک کے قریب تین، چار گز کے فاصلے پر قبلہ رُو کھڑا ہو اور دُرود و سلام پڑھے:

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.''

اور وہاں کی دیواروں پر ہاتھ نہ رکھے، اس واسطے کہ بہت ہیبت کی جگہ ہے، اور اس کی عظمت بہت بڑی ہے، اور سکون و وقار سے کھڑا ہو، ایسا کھڑا ہو اور تصوّر کرے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لحدِ مبارک میں سوتے ہیں اور میرا حال دیکھ رہے ہیں، یعنی ایسی عظمت و ہیبت کا تصوّر کرے اور دُرود و سلام پڑھے، دُرود و سلام میں آواز بلند نہ کرے اور نہ انتہائی پست، اور جس شخص نے سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو، اس کا سلام بھی پہنچائے اور کہے:

"اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلانِ بْنِ فُلانٍ یَشْفَعُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فَاشْفَعْ لَہٗ وَلِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ."

پھر حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سامنے قبلہ کی طرف پشت کر کے جتنا چاہے دُرود اور کثرت سے یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ."

درج ذیل دُرود شریف بھی کثرت سے پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص یہ الفاظ کہے، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد جو چاہے دُعا مانگے، پھر ایک ہاتھ ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے سامنے آئے اور سلام پڑھے، پھر وہاں سے ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام پڑھے، اور وہاں کی دُعائیں مشہور ہیں، دُعاؤں کے رسالوں میں عام مل سکتی ہیں۔ پھر اپنے اور اپنے والدین، اُستاذ و مرشد، جس شخص نے وصیت کی ہو اور تمام مسلمانوں کے لئے دُعا مانگے، پھر اسطوانۂ ابی لبابہؓ پر آئے، وہاں دُعا کرے، اور توبہ کرے، پھر منبر کے سامنے آئے اور دُرود پڑھے، اللہ تعالیٰ سے جو چاہے مانگے، پھر اسطوانۂ حنانہ پر آئے اور دُعا مانگے، پھر جب تک مدینہ منوّرہ میں رہے، ادب و تعظیم سے رہے، دُرود بہت پڑھے۔ (کذا فی المحیط)

مستحب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کے بعد بقیع میں جاکر وہاں کے مزارات کی زیارت کرے، اور سبق لے کہ احیائے دین وسنتِ نبیٔ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، اشاعتِ توحید اور تبلیغِ قرآن مجید کے لئے، جان، مال، وطن اور آبرو کی کیا کیا قربانیاں دی گئیں؟ اور ان بزرگانِ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنی تمام عمر اور پیاری زندگی کس کام میں صرف کی؟ اور ہمارا کیا حال ہے؟ ان مشاہدِ متبرکہ سے ان کے کمالات، حالات، واقعات، مصائب، ان کی عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاسیات سے نظامِ زندگی کا سبق حاصل کریں، زیارات کے مقصدِ اعلیٰ وارفع میں سے قربِ خداوندی کی مسارعت ومسابقت اور مقاماتِ عالیہ کی تحصیل ہونا چاہیئے، چنانچہ اِن اسلاف کی سوانحِ عمری سے عقل مند یہی حاصل کیا کرتے ہیں، جس سے ان کی ہمتیں عالی ہوتی ہیں:

بلندی بخش ہر ہمت بلندے
بہ پستی افگن ہر خود پسندے

ترجمہ:... ''ہر بلند ہمت والے کو بلندی بخشتا ہے، اور ہر خود پسند کو پستی میں ڈالتا ہے۔''

بلند ہمت، نیکیوں میں مسارعت ومسابقت کرنے والے اور رحمتِ الٰہی کے مورد، اسلاف واکابر کے مزارات سے اسباق کمالاتِ آخرت اور ''احیاء عند ربھم'' کا حصہ حاصل کرتے ہیں، وہ مقبرہ شہداء وصالحین کی پوجا کرنے، ان سے حاجات مانگنے، مشکلات کی کشائی کرانے اور سجدہ کرنے کے لئے نہیں جاتے، یہ سب وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں اور اسی کے آگے گڑگڑاتے ہیں بس۔

مستحب یہ ہے کہ پنجشنبہ یا سنیچر کے روز شہدائے اُحد کی زیارت کرے، اور یوں کہے:

”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ.
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ
لَاحِقُوْنَ.“

اور سورۂ اِخلاص اور آیت الکرسی پڑھے۔ مستحب ہے کہ ہفتہ کے روز مسجدِ قبا میں آئے، اسی طرح حدیث میں بھی آیا ہے۔ اور اس طرح دُعا مانگے:

”يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ وَيَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ، يَا مُفَرِّجَ كَرْبَ الْمَكْرُوْبِيْنَ يَا مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاكْشِفْ كَرْبِيْ وَحُزْنِيْ كَمَا كَشَفْتَ عَنْ رَّسُوْلِكَ كَرْبَهٗ وَحُزْنَهٗ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا كَثِيْرَ الْمَعْرُوْفِ وَدَائِمَ الْاِحْسَانِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.“

مستحب ہے کہ جب تک مدینہ منورہ میں رہے، سب نمازیں مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پڑھے، اور جب اپنے شہر کو لوٹنے کا ارادہ کرے تو مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے۔ (کذا فی عالمگیری ناقلاً عن سراج الوہاج)

شامی ردّ المحتار جلد ثانی صفحہ: ۲۸۰ میں ہے کہ: مسجدِ نبوی سے رُخصت ہوتے ہوئے نماز پڑھنے، اور دُعا کرنے میں سے جو چاہے اختیار کرے، اس کے بعد قبر مبارک پر آئے، سلام کہے، دُعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ مجھے اپنے گھر اہل وعیال میں سلامتی سے پہنچادے، کوشش کرے کہ اس کے آنسو نکلیں کیونکہ یہ قبول ہونے کی نشانیوں میں سے ہے، اور مناسب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر خیرات کرے، پھر بارگاہِ نبویہ سے روتے اور حسرت کرتے ہوئے نکلے، اور خروج کی سنتوں میں سے ہے کہ ہر اُونچی زمین پر ”اللہ اکبر“ کہے اور یہ پڑھے:

"اٰئِبُوْنَ تَـآئِبُوْنَ عَـابِـدُوْنَ سَـاجِدُوْنَ لِـرَبِّنَـا حَـامِـدُوْنَ صَـدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ."

پھر اپنے اہل وعیال کی طرف اپنے آنے کی اطلاع بھیجے، اچانک اپنے گھر میں نہ آئے، اور جب وطن میں آجائے تو پہلے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اس نعمت پر زندگی بھر شکر کرتا رہے اور کوشش کرے کہ ایسی نعمت حبط اور ضائع نہ ہوجائے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

قبولیتِ حج کی علامت:

دِینی لحاظ سے پہلی حالت سے اس کی حالت اچھی ہوجائے۔

(کذا فی الشامی ص:۲۸۰)

نیز یہ کہ اِحرام، طواف، قربانی، عرفات اور کنکریاں مارنے سے اس کو یہ سبق حاصل ہوجائے کہ مال، جان، وطن اور آبرو کی قربانی اور اقارب واموال کی جدائی اس کے لئے آسان ہوجائے اور اشاعتِ توحید، نشرِ جلال، جمال، کبریائی، عظمت اور ہیبت ذوالجلال والاکرام، اس کا نظامِ زندگی، فرضِ منصبی اور خلاصۂ حیات ہوجائے، اور "لَا یَخافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ" کسی ملامت گر کی ملامت کا اثر نہ کرنا اس کا شعار ہوجائے۔

زیارتِ فیضِ بشارت مدینہ منوّرہ کی قبولیت کی علامات:

سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اشاعت، ترکِ بدعت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی تعلیم وتعلّم کی محبت بڑھ جائے، اور اپنے ہر فعل، قول اور اخلاق کو سنت وطریقۂ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق کرنا شروع کردے اور اسی دُھن میں لگ جائے، اور شہداء کے حالات، ان کی جان و

مال کی قربانی، اس کو اشاعت ونشرِ قرآن مجید و حدیث شریف اور جان و مال کی قربانی پر اُبھاردیں۔ وما علینا الا البلاغ!

مکہ مکرّمہ افضل ہے یا مدینہ منوّرہ؟

اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ تمام بلاد سے مکہ مکرّمہ و مدینہ منوّرہ افضل ہیں، زَادَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی شَرَفًا وَّتَعْظِيْمًا!

پھر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ سے افضل ہے، جبکہ بعض مالکیہ اور بعض شوافع فرماتے ہیں کہ مدینہ منوّرہ، مکہ مکرّمہ سے افضل ہے۔ شاید یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک مخصوص ہوگا۔

(کذا فی رد المحتار ج:۲ ص:۲۷۸)

اس پر بھی اتفاق ہے کہ کعبہ پاک، مدینہ منوّرہ سے افضل ہے، مگر حضور پُرنور، افضل البشر و افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرقدِ منوّرہ میں جس جگہ رونق افروز ہیں، وہ مقام مسجدِ حرام اور کعبہ پاک سے بھی افضل ہے، اختلاف اس کے ماسویٰ میں ہے۔ (کذا نقل القاضی عیاض الاجماع علیہ)

ابنِ عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ مقدس جگہ عرش سے بھی افضل ہے، اور تاج الفاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ زمین، آسمانوں سے بھی افضل ہے، اس لئے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں، اور اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی مٹی سے پیدا ہوئے، اور اسی میں مدفون ہیں۔ اور اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تطبیق میں فرمایا ہے کہ آسمان افضل ہے زمین سے، مگر زمین کا وہ حصہ جس میں انبیاء علیہم السلام موجود ہیں (یہ حصہ آسمان

سے بھی افضل ہے)۔ (کذا فی الشامی ج:۲ ص:۲۷۸)

فائدہ:... اہلِ تحقیق حضرات زیارتِ مدینہ منوّرہ کے لئے علیحدہ سفر کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ وطن سے خالص روضۂ مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرکے آنا اس سے افضل ہے کہ حج کرنے کے ساتھ زیارت کی بھی نیت کی جائے۔ اسی طرح عارف جامی مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ زیارتِ مدینہ منوّرہ کے لئے مستقل سفر فرماتے تھے۔

(ھٰکذا فی الشامی ج:۲ ص:۲۷۹)

اٰخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہٖ واصحابہٖ

واتباعہٖ اجمعین

اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

قصیدہ مدحیہ بجناب حضرت مرشد ارشد مولانا محمد عبداللہ صاحب شجاع آبادی مدظلہم العالی علینا

درِ فیض

فیض کا در ہے جو چاہے دِلواتے ہیں یہ اللہ سے
دوڑ کے آؤ مسلم بھائی گر چاہو کچھ اللہ سے

ہاتھ ملاؤ درجے پاؤ رہبر کامل حضرت ہیں
ربط بناکے تار بناؤ گر چاہو تم اللہ سے

پیرِ شریعت پیرِ طریقت پیرِ حقیقت قامع بدعت
مرشدِ کامل معطیٔ عارف عشق چاہو گر اللہ سے

ایک نہیں اور دو بھی نہیں سو بھی نہیں دو سو بھی نہیں
مرشد ہیں یہ ہزاروں کے جو چاہتے ہیں رنگ اللہ سے

نیک ہیں خود بھی، نیک ہیں بچے، نیک ہیں ان کے گھر کے سارے
شغل قرآں کا، عشق قرآں کا چاہتے ہیں سب اللہ سے

رات جب ان کی، دن جب ان کا محوِ تلاوت ہوتا ہے
پھر نہ ہو کیوں رنگِ الٰہی فضل نہ ہو کیوں اللہ سے

آپ بیتی میں کہتا ہوں اور شک نہیں اِک ذرّہ کا
شیخ یہ کامل ہیں حضرت بھائی ملنا ہو گر اللہ سے

شک ہے جس کو اب آزمائے دُور نہیں، مشکل بھی نہیں
اِک ہفتہ کل ذکر کرے اور دیکھے فضل پھر اللہ سے

ابراہیمؔی پہ فضل خدا کا انہیں کے جوتوں کا صدقہ ہے
کیا کہوں ہے کیا کیا عنایت رحمت ہے کیا اللہ سے

(عبدالوہاب ابراہیمؔی)

آداب الدعاء
یعنی
دعا کے آداب
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ
www.ahlehaq.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، اَمَّا بَعۡدُ!

دُعا، اس کے آداب، اوقات اور مقامات کے متعلق چند احادیث پیشِ خدمت ہیں، گر قبول افتد زہے عزّ و شرف، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مقبول بنائے، آمین!

پہلی فصل:

دُعا کے متعلق فوائد و منافع:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دُعا ہی عبادت ہے!'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ....''۔ (مشکوٰۃ ص:۱۹۴)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا، اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے، اور خدا تعالیٰ کو اس سے زیادہ

پیاری کوئی اور دُعا نہیں کہ اس سے عافیت کی دُعا کی جائے۔ اور دُعا اس بلا کے لئے بھی مفید (نافع) ہے جو اَب تک نازل نہیں ہوئی اور نازل ہونے والی ہو، اور دُعا ہی ایسی چیز ہے کہ قضا کو پھیر سکتی ہے، پس تم پر لازم ہے کہ خدا سے دُعا کیا کرو۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۹۵ بحوالہ ترمذی)

ترمذی ہی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو یہ بات اچھی لگے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور غموں کے وقت اس کی دُعا قبول کرے، تو اس کو چاہئے کہ وہ سُکھ کی حالت میں بہت دُعا کیا کرے۔'' (سنن ترمذی ج:۲ ص:۱۷۵)

حصنِ حصین میں یہ حدیث مستدرک حاکم سے روایت کی ہے کہ:

''دُعا مؤمن کا ہتھیار ہے، دِین کا ستون ہے، اور زمین و آسمانوں کی روشنی ہے۔'' (مستدرک حاکم ج:۱ ص:۴۹۲)

حصنِ حصین میں صحیح ابنِ حبان و مستدرک حاکم سے روایت کی گئی ہے کہ:

''دُعا کرنے سے عاجز نہ ہونا، اس لئے کہ دُعا کرنے کے ساتھ کوئی ہرگز ہلاک نہیں ہوتا۔'' (مستدرک حاکم ج:۱ ص:۴۹۴)

دُوسری فصل:

ہر دُعا قبول ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص کی دُعا قبول ہوتی ہے، جب

تک کہ وہ جلدی نہ کرے اور یہ کہنے لگے کہ میں نے خدا تعالیٰ
سے دُعا کی، لیکن خدا تعالیٰ نے میری دُعا قبول نہ کی (یعنی ایسے
شخص کی دُعا قبول نہیں ہوتی)۔" (مشکوٰۃ ص:۱۹۴)

نسائی کے علاوہ صحاحِ خمسہ نے یہ روایت کی ہے، اور صحیح مسلم کی ایک
روایت میں ہے کہ:

"بندہ (مؤمن) کی دُعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے، جب
تک کہ کسی گناہ یا رشتہ ناتا توڑنے کی دُعا نہ کرے (مثلاً: دُعا
کرے کہ فلاں عورت مطلقہ ہوجائے)۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۹۴ بحوالہ صحیح مسلم)

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ:

"جو شخص خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے، اس کی دُعا
قبول ہوتی ہے، یا تو جو چیز مانگتا ہے وہی اس کو مل جاتی ہے، یا
اس کی مثل بُرائی دُور کردی جاتی ہے، جب تک کہ کسی گناہ یا قطع
رحمی کی دُعا نہ کرے۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۷۵)

لیکن بات یہ ہے کہ کسی کی دُعا کا نتیجہ خدا تعالیٰ دُنیا ہی میں جلد اس کو دِکھا
دیتا ہے، اور کسی کے لئے آخرت میں جمع کرکے رکھتا ہے، یعنی اس دُعا کا فائدہ
آخرت میں اس کو ملے گا، اور کسی کے دُعا کے اجر کی مقدار گناہ معاف کردیتا ہے،
البتہ وہ دُعا قبول نہیں ہوتی جو کسی گناہ کے لئے (مثلاً فلاں عورت سے کام غلط بن
جائے) یا رشتہ توڑنے کی غرض سے کی جائے یا جس دُعا میں جلدی کی جائے (کہ
اب تک قبول نہ ہوئی)۔

تیسری فصل:

اپنے اور اپنے متعلقین کے خلاف بدعا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم لوگ اپنے آپ، اپنی اولاد، اور اپنے مال پر بدعا نہ کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دُعا قبول ہوتی ہے، اور تمہاری یہ بددُعا قبول ہو جائے۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۹۴ بحوالہ مسلم)

چوتھی فصل:

ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ہر شخص کو اپنی تمام حاجت اپنے ربّ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے، اگر اپنی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی خدا تعالیٰ سے مانگے۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۹۶ بحوالہ ترمذی)

پانچویں فصل:

اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگیں:

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا:

"خدا تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مانگنے کو بہت پسند فرماتا ہے، اور دُعا کی اجابت کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۹۷)

چھٹی فصل:

آدابِ دُعا:

دُعا کے آداب تین طرح کے ہیں، بعض وہ ہیں جو رُکن کی حیثیت رکھتے ہیں، بعض شرط کی، اور بعض استحباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

آدابِ دُعا جو رُکن کا درجہ رکھتے ہیں:

۱:... کھانے، پینے، پہننے اور کسب میں حرام اور مکروہِ تحریمی سے بچے۔

۲:... قصد و ارادہ کے ساتھ دُعا مانگے۔

۳:... رغبت، نیاز اور کوشش سے دُعا کرے۔

۴:... جلدی نہ کرے کہ اب تک دُعا قبول نہ ہوئی۔

۵:... یوں نہ کہے کہ دُعا مانگی اور قبول نہ ہوئی۔

۶:... خالص اللہ تعالیٰ کو پکارے، اس میں کسی کو شریک نہ کرے، اور دُور سے پکارنا اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

۷:... ریا اور دِکھلاوا نہ کرے۔

شرط کا درجہ رکھنے والے آداب:

اللہ تعالیٰ دُعا تو کافر کی بھی قبول فرمالیتے ہیں، چنانچہ شیطان کی قیامت تک

نہ مرنے کی درخواست بھی قبول فرمالی، مگر مؤمن کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں:

۱:...اوّل اللہ تعالیٰ کی حمد، ثنا، مدح اور تعریف کرے، اور آخر میں بھی ثنا کرے۔

۲:...پھر مدح و ثنا کے بعد دُعا کے اوّل و آخر میں دُرود شریف پڑھے۔

۳:...گناہ، قطعِ رحم اور رشتہ ناتا توڑنے کی دُعا نہ کرے۔

۴:...جو دُعا مثل محال کے ہے، جیسے کہ: ''مجھے نبی بنادو'' یا ''معراج کرادو'' یا ''موت سے بچادو'' وغیرہ، ایسی دُعا نہ کرے۔

استحباب کا درجہ رکھنے والے آداب:

۱:...دُعا سے پہلے صفائی، ستھرائی اور پاکی حاصل کرے، یعنی غسل یا وضو کرے۔

۲:...وضو کے بعد نماز پڑھے۔

۳:...گھٹنوں کے بل بیٹھے۔

۴:...دونوں ہاتھوں کو پھیلاکر سینہ یا مونڈھوں کے برابر تک اُٹھائے اور ہاتھ کھلے رکھے۔

۵:...اپنا عجز، نیاز، ذِلت اور عاجزی ظاہر کرے۔

۶:...قافیہ بندی اور تکلف کرنے سے بچے۔

۷:...اللہ تعالیٰ کے ہاں پیغمبر، قرآن اور آخرت پر ایمان لانے کو وسیلہ بنائے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

''رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ'' (آل عمران:۵۳)

ترجمہ:...''اے ہمارے ربّ! ہم تیری نازل شدہ (کتاب) پر ایمان لائے، اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

تابع ہوئے ہیں، پس ہم کو کامل اُمت میں لکھ لیجئے۔“

اس میں اوّل قرآن پر ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع کرنے کو بطور وسیلہ لاکر ”فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ“ کی دُعا کی تعلیم دی گئی ہے، کہ ہم کو کامل اُمت میں لکھیے۔

۸:... نیک لوگوں کا وسیلہ لائے، اس طور پر کہ یہ لوگ میرے خیال میں تیرے نیک اور فرماں بردار ہیں، اس اعتقاد و خیال کے سبب میرا مطلب حل فرمادے۔

۹:...آواز کو پست کرے۔

۱۰:...اپنے گناہ کا اقرار کرے۔

۱۱:...وہ دُعائیں اختیار کرے جو احادیث میں ہیں۔

۱۲:...اپنے لئے، اپنے ماں باپ کے لئے، اساتذہ، مشائخ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ، تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لئے دُعا کرے تو بہت بہتر ہے۔ بار بار دُعا مانگے، کم سے کم تین بار تو ہونی چاہئے۔

دُعا کہتے ہیں عرض کرنے اور درخواست دینے کو، اور اس کے لئے ہاتھ اُٹھانا نہ تو اس کا رکن ہے اور نہ شرط بلکہ مستحب ہے، کیونکہ التحیات کے بعد دُعا کی جاتی ہے، اسی طرح ”آمین“ کہنا بھی دُعا ہے، سجدہ و رُکوع میں بھی دُعا کی جاتی ہے، مگر ان تمام جگہوں میں ہاتھ نہیں اُٹھائے جاتے، وغیر ذالک من الآداب۔

ساتویں فصل:

دُعا قبول ہونے کے مقامات:

طواف میں، ملتزم کے نزدیک، میزابِ رحمت (کعبہ کے پرنالے) کے نیچے، کعبے کے اندر، مسعیٰ (صفا و مروہ میں دوڑنے کی جگہ) میں، مقامِ ابراہیم کے پیچھے، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں، صفا و مروہ پر، جمرات (شیطان کو کنکریاں)

مارنے کے بعد، اور روضۂ مبارک کے نزدیک۔ (کذا فی الحصن الحصین)

آٹھویں فصل:

اِجابتِ دُعا کے اوقات:

لیلۃ القدر میں، عرفہ یعنی حج کے دن، ماہِ رمضان میں، جمعہ کی رات اور دن میں، آدھی رات کے بعد، سحر کے وقت، اَذانِ نماز کے وقت، اَذان و اِقامت کے درمیان اور بعد، اس کے لئے کہ جس کو غم اور سختی واقع ہو، فرض نمازوں کے بعد، سجدہ میں، ختمِ قرآن کے بعد، زمزم کا پانی پینے کے وقت، مجالسِ ذکر میں، بارش کے وقت، اور مرغ کی اذان کے وقت، وغیر ذالک۔ (کذا فی الحصن الحصین)

نویں فصل:

کن لوگوں کی دُعا قبول ہوتی ہے؟

مضطر، یعنی مجبور و بے چارے کی، مظلوم کی گو کافر ہو، ماں باپ کی، عادل بادشاہ کی، نیک بخت یعنی صالح کی، ماں باپ کے فرماں بردار کی، مسافر کی، روزہ دار کی جب وہ روزہ کھولتا ہے، اور مسلمان بھائی کی مسلمان بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے۔
(کذا فی الحصن الحصین)

دسویں فصل:

دُعا کس طور کرے؟

''فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دُعا مانگتے ہوئے

سنا کہ وہ دعا مانگ رہا تھا اور اس نے دُرود نہیں پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ: اس نے جلدی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا، اسے یا کسی اور کو فرمایا: جب کوئی نماز پڑھے، اس کو پہلے حمد و ثنا کرنی چاہئے، پھر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنا چاہئے، اس کے بعد جو چاہے دُعا مانگے۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۸٦)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دُعا آسمان اور زمین کے درمیان اس وقت تک معلق رہتی ہے اور اُوپر نہیں چڑھتی، جب تک کہ مجھ پر دُرود نہ بھیجا جائے۔" (مشکوٰۃ ص:۸۷ بحوالہ ترمذی)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے، جب میں (نماز سے فارغ ہوکر) بیٹھا تو پہلے میں نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجا، پھر میں نے اپنے لئے دُعا مانگنا شروع کی، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سَلْ تُعْطَہ!" مانگو، دیئے جاؤ گے! مانگو دیئے جاؤ گے!" (مشکوٰۃ ص:۸۷ بحوالہ ترمذی)

ابو مصبح مقری ابی زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ہم ایک رات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلے، تو ہمارا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت ہی عاجزی اور الحاح سے دُعا مانگ رہا تھا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے

ہوکر اس کی دُعا سننے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی دُعا ضرور قبول ہوگی، اگر اس نے ختم کیا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: کس چیز پر ختم کرے گا تو دُعا قبول ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آمین سے!'' وہ شخص یہ سن کر اس شخص کے پاس آیا جو دُعا کر رہا تھا اور کہا کہ: تم اپنی دُعا کو آمین پر ختم کرو اور خوش ہو جاؤ۔'' (ابوداؤد ج:۱ ص:۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص دُعا کرے تو اس طرح دُعا نہ کہا کرے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر، بلکہ قطعی طور سے دُعا کرو، (یعنی یوں کہو کہ ''رحم کر'' اور ''اگر چاہے'' کا لفظ نہ کہو)، کیونکہ خدا تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۹۴ بحوالہ بخاری)

گیارہویں فصل:

جن اسماء کے وسیلہ سے دُعا جلد قبول ہوتی ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا، وہ کہہ رہا تھا:

''یا ذا الجلال والاکرام! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم مانگو! تمہاری دُعا قبول ہوگی۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۱۹۱)

حصنِ حصین میں مستدرک حاکم سے روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ کے فرشتے متعین ہیں اس شخص کے ساتھ جو کہے: ''یا ارحم الراحمین!'' پس جس نے تین بار اس کلمہ کو کہا، فرشتہ اس کو کہتا ہے کہ: ''مانگ! بے شک ارحم الراحمین تجھ پر متوجہ ہوا۔''

مستدرک حاکم (ج:۱ ص:۵۰۵) کی روایت ہے کہ: وہ اسمِ اعظم جس کے ساتھ دُعا کی جائے تو قبول ہو اور مانگا جائے تو مل جائے، یہ آیتِ کریمہ ہے:

''لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْـتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' (الانبیاء:۸۷)

ترجمہ:... ''(سوائے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، پاک تجھ کو، بے شک میں ہوں ظلم کرنے والوں میں سے (یعنی اپنے آپ پر بہ سبب نافرمانی کرنے کے)۔''

ترمذی میں یہ روایت ہے کہ: وہ اسمِ اعظم کہ جس سے جو مانگا جائے ملے، جو دُعا کی جائے قبول ہو، یہ ہے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّکَ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ.'' (ترمذی ج:۲ ص:۱۸۵)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں آپ سے، اس وسیلہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں اس کی کہ تو یگانہ ہے، سب تیرے محتاج ہیں، کہ نہیں جنا تو نے اور نہیں جنا گیا تو، اور تیرا کوئی ہمسر نہیں۔''

اس کے بعد دُرود پڑھ کر اپنے مقصد کی دُعا مانگے۔

اصحابِ سُننِ اَربعہ نے اسمِ اعظم، جس کے وسیلے سے دُعا قبول ہوتی ہے: "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" کو فرمایا ہے۔

ابوداوٗد اور ترمذی (ج:۲ ص:۱۸۶) میں ان دو آیتوں میں اسمِ اعظم فرمایا ہے:

الف:... "وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ." (البقرہ:۱۶۳)

اور آلِ عمران:

ب:... "الٓمّٓ. اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ." (آل عمران:۱)

ان آیتوں کو دُعا کے قبول ہونے کا وسیلہ بنائے، یعنی ان کو دُعا کے اوّل و آخر میں پڑھے، تو دُعا قبول ہوگی۔

طبرانی کبیر و اوسط میں ان کلمات کو اسمِ اعظم فرمایا گیا ہے، کہ جو کوئی ان پانچ کلمات کے ساتھ دُعا کرے، تو جو سوال کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو وہی دے گا:

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ." وغیر ذالک من الادعیة!

بارہویں فصل:

جب قبولیتِ دُعا دیکھے تو کیا پڑھے؟

مستدرک حاکم اور عمل الیوم واللیلہ میں ہے کہ: "جب کسی نے اپنے لئے یا کسی کے لئے دُعا مانگی، اور اس کی قبولیت معلوم ہوجائے، مثلاً: مریض کو شفا ہوجائے،

یا سفر سے واپس آجائے، تو اس کو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ وہ یہ کہے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ" (مستدرک حاکم ج:۱ ص:۵۴۵)

ترجمہ:... "سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اس کی عزّت اور جلال کے سبب پورے ہوتے ہیں اچھے کام۔"

یعنی دُعا کے قبول ہونے پر یہ دُعا پڑھے، تاکہ شکریہ ادا ہوجائے۔

تیرھویں فصل:

وہ دُعائیں جو صبح و شام پڑھنی چاہئیں:

نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ" اور سو مرتبہ "لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ دریا کے جھاگ کے برابر ہوں۔"

(سنن نسائی ج:۱ حدیث نمبر:۱۳۵۵)

صحیح مسلم، ترمذی اور نسائی نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے:

"چند معقبات یعنی نماز کے بعد پڑھی جانے والی دُعائیں ہیں، جن کے پڑھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا: "سُبْحَانَ اللّٰہِ" ۳۳ بار، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" ۳۳ بار، اور "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" ۳۴ بار یعنی ہر نماز کے بعد پڑھتا رہے۔" (مشکوٰۃ ص:۸۹ بحوالہ مسلم)

اگر صبح و شام تین بار یہ دُعا پڑھتا رہے تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا:

"بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ."

(مشکوٰۃ ص:۲۰۹ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

ترجمہ:... "خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ، کہ اس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی، (نہ زمین کی کوئی چیز نقصان پہنچاتی ہے، نہ آسمان سے کوئی بلا آتی ہے) وہی ہے سننے والا (ہر بات کا) اور جاننے والا (ہر چیز کا)۔"

چودھویں فصل:

گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت کی دُعا:

ابوداؤد (ج:۲ ص:۳۳۹) اور ترمذی (ج:۲ ص:۱۸۰) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھے: "بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ." تو اس سے کہا جاتا ہے: ھُدِیْتَ وَکُفِیْتَ وَوُقِیْتَ فَیَتَنَحّٰی لَہُ الشَّیْطَانُ۔"

(مشکوٰۃ ص:۲۱۵ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ:... "کافی ہے تیرے لئے تو راہِ راست پر لایا گیا، تو کفایت کیا گیا، اور تو بچالیا گیا ہر فتنہ سے، اور اس سے شیطان دُور ہوجاتا ہے۔"

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب گھر میں داخل ہو تو یہ کہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا، ثُمَّ لِیُسَلِّمْ عَلٰی اَھْلِهٖ۔" (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۹)

ترجمہ:... "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں گھر کے اندر جانے اور گھر سے نکلنے کی بھلائی کا، اللہ کے نام کے ساتھ اندر جاتا ہوں، اور اللہ کے نام کے ساتھ باہر نکلتا ہوں، اور اللہ پر جو ہمارا پروردگار ہے، سہارا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے اہل وعیال پر السلام علیکم کہے۔"

پندرھویں فصل:

غم اور سختی سے نجات کی دُعائیں:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے ذی النون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی دُعا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"، جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی، اللہ سے دُعا مانگی، اس کی دُعا قبول ہوئی۔" (مشکوٰۃ ص:۲۰۰ بحوالہ ترمذی)

اس سے دُعا کرنا ہر شدّت وغم کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے۔ بعد عشاء یا صبح ۳۱۳ بار یہ آیت اور اوّل وآخر دُرود شریف سات سات بار پڑھ کر دُعا کرے تو

اللہ تعالیٰ غم جلدی رفع فرمادیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدّتِ غم وسختی کے وقت یہ دُعا کیا کرتے تھے:

"لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ."

(مشکوٰۃ ص:۲۱۲ بحوالہ بخاری ومسلم)

دو رکعت نماز پڑھ کر یا ہر نماز کے بعد دُعا میں ان کلمات کو سات بار یا پانچ بار اور اوّل وآخر دُرود شریف پڑھ کر اپنے غم کے دفعیہ اور مطلب کے پورے ہونے کا تصوّر کرے، یا زبان سے درخواست کرے، تو اِن شاء اللہ مشکل کشائی یا مطلب براری ہوجائے گی، بفضلہٖ تعالیٰ۔

سولھویں فصل:

نیک اولاد ملنے کی دُعا:

اگر ہر نماز کے بعد صبح وشام سو بار:

"رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ." (آل عمران:۳۸)

اور اوّل وآخر دُرود شریف تین، تین بار، بہ نیت درخواست و دُعا پڑھا کرے، تو اللہ تعالیٰ نیک بچہ عطا فرمائیں گے۔

اسی طرح اس ترکیب سے یہ آیت پڑھتا رہے:

”رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ.“

(الانبیاء:۸۹)

تو بھی اللہ تعالیٰ نیک اولاد بخشیں گے، بفضلہٖ وکرمہٖ۔

سترھویں فصل:

گناہوں کی مغفرت کی دُعا:

ترمذی میں ہے کہ جس نے کہا:

”اَسْتَغْفِرُ اللہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ. غُفِرَ لَہٗ وَاِنْ کَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ.“

(مشکوٰۃ ص:۲۰۵ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... ”بخشش مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ سے زندہ ہے، اور قائم رہنے والا ہے، اور توبہ کرتا ہوں اس کی طرف۔ تو اس کو بخش دیا جائے گا، گو کفار کے مقابلے میں جنگ سے بھاگ گیا ہو۔“

اور دُوسری روایت میں ہے:

”اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۸۴)

اس دُعا کو پانچ بار پڑھے، اور اِستغفار میں معنیٰ کا تصوّر ضروری ہے، اگر معنیٰ کا تصوّر نہ کیا تو لغو ہوجاتا ہے۔ (کذا فی الحصن الحصین)

اٹھارھویں فصل:

وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دو کلمے ایسے ہیں، جو زبان پر بہت آسان ہیں، اور (قیامت کے دن) میزانِ عمل میں بہت ہی بھاری ہیں، اور خدا تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں:

"سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ."

(ترمذی ج:۲ ص:۱۸۴)

الحمد لله الذی بعزته وجلاله تتم الصالحات

اللّٰهم تقبل منا انک انت السميع العليم

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم

كتاب الادعية والتعويذات

یعنی

تعویذات و دُعاؤں کی کتاب

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ جَعَلَ الدُّعَاءَ لِرَدِّ الۡقَضَاءِ وَالۡبَلَاءِ وَکَمَا اَنۡزَلَ دَاءً بِذُنُوۡبِنَا جَعَلَ لَھَا دَوَاءً وَدُعَاءً لِّرَحۡمَتِنَا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَتۡقِیَاءِ وَالۡاَنۡبِیَاءِ مُحَمَّدِ الۡمُصۡطَفٰی وَاٰلِہِ الۡمُرۡتَضٰی وَاَصۡحَابِہِ الۡمُجۡتَبٰی دَائِمًا اَبَدًا، اَمَّا بَعۡدُ!

عارض ہوں کہ ہمارے وقت میں تعویذات و دُوسرے عملیات کا ایسا غلبہ اور زور ہوگیا ہے کہ عالم و جاہل، دیہاتی وشہری، غریب و اَمیر، ان حالات میں اِتنا گرفتار و سرگرداں اور حیران و پریشان ہے کہ نہ ترک کرسکتا ہے اور نہ برداشت کرسکتا ہے، کرے تو کیا کرے؟ عورتوں کے جن بغیر مجاوروں کے نہیں نکل سکتے، وہاں کی بیہودگی، بے حیائی اور بے شرمی سے کون واقف نہیں؟ اور جن عورتوں کے بچے مہینہ، دو مہینے اور سال، چھ مہینے میں مرجاتے ہیں، ان کے زندہ رہنے اور بڑے ہونے کے بعد بھی وہی پیر و مجاور ان کے ٹھیکے دار ہیں، جن کی بیماری مہینوں نہیں جاتی، ان کی شفا، اور جس کو بچہ نہیں ہوتا، اس کو بچہ دینے کی باگ ڈور بھی اُن ہی حضرات کے قبضے میں سمجھتے ہیں، اور جس کا نکاح نہیں ہوتا، مقدمہ فتح نہیں ہوتا، معاش فراخ نہیں، اور

دُشمنوں کی زد میں ہے، اور نیز کسی دُوسری گرفت میں ہیں، اِن سب کے دَرد کا دَرماں بھی وہی مرشد ہیں، خدا تعالیٰ کو تو کوئی کم پوچھتا ہے، طبِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف رُجوع کرنا کوسوں دُور ہے، اور تعویذ گنڈے کرنے والے قرآن مجید اور سورتوں کو نقش لکھنے میں استعمال کرنے کو اعلیٰ ولایت، کرامت اور رَبّ تعالیٰ کی مقبولیت سمجھتے ہیں، اور لوگ بھی اِن کو اسی فن و ہنر پر ولی، قطب اور غوث مانتے ہیں، سبحان اللہ! سورتوں کو مؤکلات سے پڑھنا، اوّل سورت، درمیان سورت اور آخر سورت میں ان کا نام جپنا، اور فرشتوں کے نام اور بزرگوں کے نام ملا دینا، ان کے نزدیک کوئی گناہ، کفر اور شرک نہیں، بلکہ طلبِ وسیلہ، محمود اور قرب کا موجب ہے، سبحان اللہ! پس جب عام و خاص ایسی حالت و مصیبت میں دِل گرفتہ ہو کر بھی خوش و خرم اور نازاں ہیں، تو مناسب سمجھا کہ اپنی اولاد و احباب کے لئے ایسی صحیح چیزیں جو اَحادیث، اَخبار اور بزرگوں سے منقول ہیں، جمع کی جائیں، تاکہ فاسد سے بچ کر صحیح پر عمل کر کے گناہ سے محفوظ رہیں، وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ!

اس میں چند فصول ہیں۔

فصلِ اوّل

وہ چیزیں اور دُعائیں جن کے پڑھنے سے تمام دن عافیت رہے اور مصیبت سے بچے۔

ا:... اگر صبح سویرے درج ذیل دُعا کو تین بار پڑھ لیا جائے تو تمام دن آرام و عافیت میں رہے گا، اور اگر شام کو پڑھ لیا جائے تو ساری رات امن و امان میں گزرے گی:

"بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ."

ترجمہ:... "پناہ لیتا ہوں اس خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ، کہ نہیں ضرر کرتی اس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین اور آسمان میں، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ہر چیز کا۔"

اس کے ساتھ اگر اوّل آخر دُرود شریف ایک، ایک بار پڑھ لے تو بہتر ہے۔

فائدہ:... جو چیز اِس رسالہ میں پیشِ خدمت ہوگی، اس کے اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار یا ایک، ایک بار پڑھنا بہتر و افضل ہے، اور زیادہ مقبولیت اور تاثیر کا موجب ہے۔

اسی طور اگر یہ دُعا صبح یا شام کو پڑھ لے تو سارا دن اور ساری رات امان میں رہے گا، نیز جس مکان اور منزل میں رہے گا، ہر جن، اِنس اور جانور وغیرہ سے

امن و امان میں رہے گا:

''اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.''

ترجمہ:... ''پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے کلموں اور نازل شدہ کتابوں کے ساتھ، جو پوری اور کامل ہیں، نقصان اور برائی اس چیز سے جو پیدا کی ہے۔''

تین بار صبح کو اور تین بار عصر کی نماز کے بعد اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھے۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

اسی طرح آیۃ الکرسی، معوّذتین، سورۂ مؤمن کی پہلی آیت ''اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ'' تک، سورۂ انعام کی پہلی تین آیتیں اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے سے جیسے آفات سے حفاظت کا فائدہ ہے، ویسے ہی فرشتوں کی دُعا اور ثوابِ آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

ہر ملاقاتی سے خیر حاصل ہونے کا وظیفہ:

جو شخص صبح کو یہ دُعا پڑھے، اس دن اس کے ساتھ جو بھی ملاقات کرے گا، اس کے حق میں خیر ہوگا:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّ مَنْ یَّدْخُلُ عَلَیْنَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ اِنْ کَانَ خَیْرًا فِیْ حَقِّنَا فَادْخُلْہُ وَاِنْ کَانَ فِیْ حَقِّنَا شَرًّا فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! جو اس دن بھی ہم پر آئے، اگر اس کا آنا ہمارے حق میں بہتر ہے، تو آئے اور اگر اُس کا آنا ہمارے لئے بُرا ہے، تو اُس کو ہم سے پھیر دے۔''

مجلس سے ناگوار آدمی کے اُٹھانے کا طریقہ:

اگر مجلس میں کوئی ناگوار آدمی آجائے اور اس کا اُٹھانا مطلوب ہو، تو دِل میں چند مرتبہ یہ آیت پڑھے:

"تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۔"

غیبت سے حفاظت کا نسخہ:

حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر شروع مجلس میں:

"بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔"

تین بار پڑھے تو غیبت سے محفوظ رہے گا۔

خط یا قاصد آنے سے پہلے یہ دُعا پڑھے:

جب کوئی خط یا قاصد آئے تو پہلے یہ دُعا پڑھ لے، عافیت سے رہے گا:

"اَعُوْذُ بِكَ اللّٰهُمَّ مِنْ طَارِقٍ لَّا يَطْرُقُنَا اِلَّا بِخَيْرٍ۔"

ترجمہ:... "اے اللہ! ہر آنے والے کے شر سے، تیری پناہ لیتا ہوں، جب آئے، اگر آئے تو خیر کو لائے۔"

صبح کو یہ دُعا پڑھے:

اگر کوئی فجر کی نماز سے پہلے یا بعد یہ دُعا پڑھ لے، تو گویا اس نے تمام دن

کا شکریہ ادا کرلیا، اور اچھے کاموں سے موافق رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ:

"اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، فَلَکَ الْمُلْکُ وَلَکَ الْحَمْدُ."

اسی طرح اگر شام کو یہ دُعا پڑھ لے تو تمام رات کا شکریہ کرلیا، مگر شام کے وقت "اَصْبَحَ" کے بجائے "اَمْسٰی" پڑھے۔

صبح و شام کی بڑے فائدے والی مختصر دُعا:

اگر نمازِ فرضِ فجر اور فرضِ مغرب کے سلام کے بعد سات بار "اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ" پڑھ لے تو اس دن یا اس رات میں اگر اس پر موت آگئی تو عذابِ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔

فالج، جذام، نابینا پن سے نجات کی دُعا:

کتاب ترغیب و ترہیب میں ہے: جب صبح کی نماز پڑھ لے تو تین بار کہے: "سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ" بفضلہٖ تعالیٰ مرضِ فالج، عمی، یعنی اندھے ہونے اور جذام سے محفوظ رہے گا۔

قیدی کی رہائی اور دفعِ غم کے لئے:

اگر کوئی شخص دفعِ غم، رہائی اور قید سے نجات پانے کے لئے: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" ۵۷۵ بار اور اوّل آخر سات، سات بار دُرود شریف پڑھتا رہے، تو اِن شاء اللہ تعالیٰ! غم کافور ہوجائے گا اور قید سے نجات ملے گی، بشرطیکہ بلاجرم قید ہو، اور اگر اتنا پڑھنے کی فرصت نہ ہو تو ۳۱۳ بار پڑھے، کذا فی الترغیب والترہیب،

ہاں! عدد بزرگوں سے مروی ہے۔

غم وسختی دُور کرنے کا نسخۂ مجرّب:

اگر غم وفکر میں پریشان اور حیرت وقلق میں ہو، تو یہ دُعا پڑھے:

”لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ.“

طریقہ: ہر رات اوّل آخر سات، سات بار دُرود شریف اور ایک سو گیارہ بار یہ دُعا پڑھے، تو نجات ہوگی، اگر یہ دُعائے معظم قیدی کی رہائی کے لئے پڑھے تو اسمِ اعظم کا حکم رکھتی ہے۔ (کذا فی العینی شرح البخاری)

ہر بلا اور مصیبت کے لئے امن وامان کی چیز:

جو شخص یہ دُعا پڑھتا رہے، ہر بلا، دُکھ اور غم سے امن وامان میں رہے گا:

”اَللّٰهُـمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِى الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْىِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ.“

طریقہ: ہر نماز کے بعد سات بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھے۔

ایمان کی سلامتی کی دُعا:

اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد تین بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھتا رہے، تو مرتے دَم اور قبر تک ایمان سلامت رہے گا:

”يَا وَلِىَّ الْاِسْـلَامِ وَاَهْلِهٖ ثَـبِّتْنِىْ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ.“

گناہوں کی مغفرت کی دُعا:

ہر نماز کے بعد سات بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھتا رہے، تو گناہ معاف ہوجائیں گے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ."

ثوابِ عظیم حاصل کرنے کا طریقہ:

اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کو ہر مؤمن مرد وعورت کی گنتی کے مقدار ثواب ملے، تو یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ."

طریقہ: سو بار یہ دُعا اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھتا رہے، تو تمام مؤمنین کے برابر اس کو ثواب ملتا رہے گا، اور اس کی ہر مشکل آسان ہوگی۔

مغفرت کے لئے اعلیٰ نسخہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ: کوئی مختصر کلمات عطا فرمائیں، تو آپؐ نے فرمایا: "اَللهُ اَکْبَرُ" دس بار، اور "سُبْحَانَ اللهِ" دس بار پڑھو، کیونکہ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: یہ میرے لئے ہیں۔ اسی طرح جو شخص "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ" دس بار پڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: یہ تیرے لئے ہیں اور میں نے بخش دیا، اگر اس کے اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف ہو تو بہتر ہے۔

عافیت کے لئے دُعا:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَا اَتَحَمَّلُ عَلٰی نِعْمَةِ الْمَرَضِ فَابْدِلْهُ بِنِعْمَةِ الْعَافِيَةِ."

ترجمہ:... "اے اللہ! میں نعمتِ مرض برداشت نہیں کرسکتا، اس کے بدلے نعمتِ عافیت عطا فرما۔"

اگر یہ دُعا بیمار پڑھتا رہے تو عافیت ہوجائے گی، اور عافیت والا پڑھے تو دُکھ سے محفوظ رہے گا۔ نیز عافیت کے لئے یہ دُعا بھی پڑھ سکتا ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ."

طریقہ: ہر نماز کے بعد تین بار یہ دُعا پڑھے اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھے۔

وہ متبرک دُعائیں جو صالحین سے منقول ہیں:

حضرت علیؓ کی دُعا:

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے یہ دُعا منقول ہے:

"اَللّٰھُمَّ احْمِلْنِيْ عَلٰی عَفْوِکَ وَلَا تَحْمِلْنِيْ عَلٰی عَدْلِکَ."

ترجمہ:... "اے اللہ! میرے ساتھ عفو کا معاملہ فرما، اور عدل و انصاف کا معاملہ نہ فرما۔"

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی دُعا:

''اَللّٰھُمَّ انْقُلْنِیْ مِنْ ذُلِّ مَعْصِیَتِکَ اِلٰی عِزِّ طَاعَتِکَ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! مجھے گناہوں کی رُسوائی سے نکال کر اپنی طاعت کی عزّت کی طرف لے جا۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دُعا:

''اَللّٰھُمَّ کَمَا صُنْتَ وَجْھِیْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَیْرِکَ فَصُنْہُ عَنْ ذِلِّ السُّؤَالِ لِغَیْرِکَ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! جیسے تو نے میرے منہ کو غیر کے سامنے سجدے سے محفوظ رکھا ہے، اسی طرح غیر سے سوال کرنے کی ذلت سے بھی محفوظ فرما۔''

حضرت عبدالسلام بن مشیشؒ کی دُعا:

''اَللّٰھُمَّ اجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ وَحُلْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ غَیْرِکَ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! مجھے اپنے پاس رکھ لے، اور آپ ہی میرے اور اپنے غیر کے درمیان حائل ہوجا۔''

یعنی مجھے شاہی دربار میں حاضری دے اور غیر سے بچالے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی دُعا:

''اَللّٰھُمَّ کُنْ لِّیْ کَمَا کُنْتَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! میرے لئے ایسا (مہربان) ہوجا جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مہربان) تھا۔''

اِمام الحرمینؒ کی دُعا:

''اَللّٰھُمَّ لَا تَمْنَعْنِیْ عَنْ قُرْبِکَ بِمَانِعٍ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! مجھے اپنے قرب سے کسی روکنے والی چیز کے سبب نہ روک۔''

حضرت مجدالدین بغدادیؒ کی دُعا:

''اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیَّ حَتّٰی اَتُوْبَ وَاعْصِمْنِیْ حَتّٰی لَا اَعُوْدَ وَحَبِّبْ اِلَیَّ الطَّاعَاتِ وَکَرِّہْ اِلَیَّ الْخَطِیْئَاتِ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! مجھ پر رحمت سے رُجوع کر، تاکہ میں تائب ہوجاؤں، اور مجھ کو بچا تاکہ گناہ کی طرف نہ پھر جاؤں، اور اپنی بندگی کو میری طرف محبوب اور گناہوں کو مکروہ کردے۔''

دُوسری دُعا:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَا اَقْوٰی عَلٰی شَرَائِطِ التَّوْبَۃِ فَاغْفِرْ لِیْ بِلَا شَرَائِطِ التَّوْبَۃِ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں شرائطِ توبہ پر قوی نہیں ہوں، مجھے بلاشرائطِ توبہ کے بخش دے۔''

تیسری دُعا:

''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنَّ مَطْعَمِیْ حَرَامٌ وَّمَلْبَسِیْ

حَرَامٌ وَّمَشْرَبِیْ حَرَامٌ فَاسْتَجِبْ دُعَائِیْ بِلَا شَرَائِطِ الْاِسْتِجَابَۃِ۔"

ترجمہ:... "اے اللہ! تو بے شک جانتا ہے کہ میری خوراک حرام ہے، میری پوشاک حرام کی ہے، اور میرا پینا ناجائز چیزوں سے ہے، پس شرائطِ قبولیت کے نہ ہوتے ہوئے بھی میری دُعا قبول فرما۔"

ایک کامل بزرگ کی حکایت اور تعویذ:

ایک بزرگ تھے، جب ان سے کوئی دُعا کی درخواست کرتا یا تعویذ لکھواتا، تو یہ کہتے اور لکھتے:

"اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذُنُوْبِیْ۔"

ترجمہ:... "اے اللہ! (سیّدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو میرے گناہوں کے باعث عذاب نہ دے۔"

ایک اور کامل بزرگ کا تعویذ:

جب وہ بزرگ (غالباً معروف کرخیؒ) کوئی تعویذ لکھتے تو یہ لکھا کرتے: "ہر چند کند خدا کند، بندۂ عاجز چہ کند وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔" ہر چیز کے لئے یہی لکھ دیتے (اور کام ہوجاتا)۔

ایک بزرگ جب صبح اُٹھتے تو یہ پڑھتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَخْسِفْنِیْ فِی الْاَرْضِ وَلَمْ یُغَیِّرْ وَجْھِیْ فِیْ صُوْرَۃِ الْخِنْزِیْرِ وَالْکَلْبِ۔"

ترجمہ:... ''اس اللہ (تعالیٰ) کا شکر ہے جس نے (میرے گناہوں کے سبب) مجھے زمین میں نہیں دھنسایا اور میرے منہ کو خنزیر اور کتے کی صورت میں نہیں بدلا۔''

حضرت علی خواصؒ سے منقول دُعا:

جب آپ کو کوئی نعمت ملتی یا کوئی نیکی کرتے تو یہ دُعا کرتے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَا اَسْتَحِقُّ ذَرَّۃً وَّاحِدَۃً مِّمَّا اَنْعَمْتَ بِہٖ عَلَیَّ.''

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں کسی ایک ذرّہ کا بھی مستحق نہیں ہوں جو کچھ کہ تو نے میرے پر نعمت کی ہے۔''

اس کے پڑھنے سے بڑے درجات حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے منقول دُعا:

''کَفٰی بِیْ عِزًّا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا، وَکَفٰی بِیْ فَخْرًا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْدًا، اَنْتَ لِیْ کَمَا اُحِبُّ، فَوَفِّقْنِیْ لِمَا تُحِبُّ.''

ترجمہ:... ''(اے اللہ) مجھے یہ عزّت کافی ہے کہ تو میرا رَبّ ہے، اور مجھے یہ فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا ہے جیسا کہ میں چاہتا ہوں، پس مجھے ان کاموں کی توفیق دے جن کو تو پسند فرماتا ہے۔''

نیند کم کرنے کی دُعا:

نیند کم ہونے کے لئے یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَیْنٍ لَّا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْمِ."

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں، ایسی آنکھ سے جو نیند سے سیر نہ ہو۔"

بُرے خیال اور وسوسے کا نسخہ:

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی وسوسہ یا بُرا خیال دِل سے نہ مٹے، تو اپنے بائیں پستان کے نیچے ہاتھ رکھ کر یہ آیت اکتالیس مرتبہ روزانہ پڑھتا رہے، وہ خیال اور وسوسہ دُور ہوجائے گا، یہ بڑی اہم چیز ہے:

"فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ."

ترجمہ:... "پس دُور کرتا ہے اللہ جو کچھ ڈالا ہے شیطان نے، پھر محکم و مضبوط کرتا ہے اپنی نشانیوں کو، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

عقیدہ پختہ کرنے کی بہترین دُعا:

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ: جو شخص یہ دُعا نماز کے بعد پڑھتا رہے گا، اس کا عقیدہ پختہ رہے گا:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَوْحِیْدًا لَّا یَشُوْبُہٗ ضِدٌّ وَیَقِیْنًا لَّا یُخَالِطُہٗ شَکٌّ."

ترجمہ:... "اے اللہ! آپ سے سوال کرتا ہوں ایسی توحید کا جس کے خلاف کی ملاوٹ نہ ہو، اور ایسے یقین کا جس

میں شک نہ ہو۔"

سفر کے حوادث سے بچنے کی دُعا:

جو شخص چاہے کہ ریل، موٹر اور جہاز وغیرہ تمام سواریوں کے حوادث سے بچے، اس کو چاہئے کہ جب کسی جانور، موٹر، ریل، ہوائی جہاز اور کشتی وغیرہ پر سوار ہونے لگے تو یہ دُعا پڑھے، اِن شاء اللہ حوادث سے محفوظ رہے گا:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ."

ترجمہ:... "پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کیا، حالانکہ ہم نہ تھے اس پر طاقت پانے والے، اور تحقیق ہم اپنے ربّ کی طرف جانے والے ہیں۔"

اور پھر یہ پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ كُنْ لَّنَا صَاحِبًا فِیْ سَفَرِنَا وَخَلِيْفَةً فِیْ اَهْلِنَا وَاطْمِسْ عَلٰی وُجُوْهِ اَعْدَآئِنَا."

اِن شاء اللہ تمام حوادث سے محفوظ رہے گا۔

ہر تنگی سے بچنے کی دُعا:

اِلٰهِیْ نَجِّنِیْ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ
بِجَاهِ الْمُصْطَفٰی مَوْلَی الْجَمِيْعِ
فَهَبْ لِیْ فِیْ مَدِيْنَتِهٖ قَرَارًا
حَيَاتًا ثُمَّ دَفْنًا فِی الْبَقِيْعِ

طریقہ: ہر نماز کے بعد سات بار یہ دُعا پڑھے اور اوّل آخر ایک، ایک بار

دُرود شریف پڑھا کرے۔

مقدمہ میں کامیابی کا نسخہ:

یہ شعر صبح، شام ایک سو ایک بار پڑھے اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھا کرے:

تعالیٰ اللہ زہے قیوم و دانا
توانائی دہ ہر ناتوانا

اس سے مقدمہ بھی فتح ہوگا، دُشمن بھی رَدّ ہوں گے، اور پڑھنے والے کو غلبہ بھی رہے گا۔

محبتِ الٰہی اور دفعِ شرمساری کے لئے:

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے
مرا شرمساری ز رُوئے تو بس
دگر شرمسارم مکن پیش کس

طریقہ: بعد نمازِ عشاء اکیس بار یہ اشعار پڑھے اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھتا رہے۔

محبتِ الٰہی کا دُوسرا نسخہ:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَرَكَاتِيْ وَسَكَنَاتِيْ كُلَّهَا فِيْ مَحَبَّتِكَ وَتَقْوَاكَ."

ترجمہ:..."اے اللہ! میرے ہر چلنے پھرنے اور آرام کو اپنی محبت کے لئے اور اپنے قانون پر عمل کرنے کے لئے بنا۔"

طریقہ: صبح و شام سات بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھا کرے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے:

صبح کی سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس بار درج ذیل دُعا اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے طریق کو اس کے لئے آسان فرمائے گا:

"يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اَنْ تُحْيِيَ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَحَبَّتِكَ وَمَعْرِفَتِكَ اَبَدًا يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ."

ترجمہ:... "اے ہمیشہ سے زندہ رہنے والے! اے تمام دُنیا کے حافظ و رزّاق! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دِل کو اپنی محبت و معرفت کے نور سے زندہ فرمادے، ہمیشہ کے لئے، اے اللہ! اے اللہ!"

نیز ذکر کی کثرت محبت کے غلبہ کا سبب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار بھی زیادتیٔ محبت کا موجب ہے، قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معنی کا تدبر و تفکر، زیادتیٔ محبت کا موجب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اپنے وجود کے حالات میں تفکر بھی غلبۂ محبت کا موجب ہے۔

فصل دوم

نظر لگ جانے کا علاج:

معوّذتین کی خاصیت:... قرآن مجید کی آخری تین سورتیں تین بار اور

اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھ کر جس کو نظرِ بد لگی ہے یا نظرِ بد لگنے کا خوف ہے، تین دن تک دَم کرتا رہے، اگر جانور ہو تو اس پر بھی دَم کرے، اور گھاس وغیرہ پر دَم کرکے کھلائے بھی، اگر نمک پر دَم کرکے تین دن کھلاتا رہے تو بہتر ہے۔ اور سحر و جادُو کے دفع کے لئے پانی پر دَم کرکے پلاتے رہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سورتیں رات کو پڑھ کر اپنے اُوپر دَم کرے تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔

جس مکان میں سوئے، اگر سوتے وقت ان سورتوں کو پڑھے گا تو اس کے حوادثات سے محفوظ رہے گا۔

اگر جنگل میں جاتے ہوئے ان کو پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دَم کرکے اپنے تمام بدن پر پھیر کر چھڑک دے اور تین بار ایسا کرے تو ہر بلا سے امن میں رہے گا۔

اگر حاکم کے پاس جائے تو گیارہ، گیارہ مرتبہ پڑھ کر حاکم کی طرف اور اپنے پر بھی پھونک مارے، تو اس کے رُعب، دہشت اور خطرہ سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ فاتحہ کے خواص:

سر کے درد کے لئے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اگر سورۂ فاتحہ پڑھے اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھ کر دَم کرے، اور تین بار ایسا کرے تو ہر قسم کے دردِ سر اور دردِ شقیقہ کے لئے مفید ہے، تین دن ایسا کرے، اِن شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہوگی۔

اسی طرح پیٹ کے درد کے لئے نمک پر دَم کردے، اور مریض تھوڑا تھوڑا چکھا کرے تو شفا ہوگی۔ بخار اور حرارت کے لئے اس کو سات بار پانی پر دَم کرکے پلاتا رہے۔

مسخرات (رزق کی فراخی، لوگوں کے مطیع اور محبّ ہوجانے کا نام

''مسخرات'' ہے) کے لئے سنتِ فجر کے بعد اور فرضوں سے پہلے اِکتالیس بار سورۂ فاتحہ اور اوّل آخر سات، سات بار دُرود شریف پڑھ کر عجز و زاری سے دُعا کیا کرے، پھر کامیابی کے لئے گیارہ بار فاتحہ پڑھ کر اپنے کام کو جاری کرے، اور مشکل کشائی کے لئے اکیس بار پڑھتا رہے۔

اگر زوجین کے درمیان محبت نہیں، تو اکیس بار کسی شیرینی وغیرہ پر پڑھ کر چند ایام زوجین کو کھلائے۔

زوجین میں سے جس کو محبت نہیں، اس پر ''بسم اللہ'' کے ساتھ تین بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر دَم کرتا رہے، اس کو محبت ہوجائے گی، مگر اوّل آخر دُرود شریف ہر کام کے ساتھ ہے، سورۂ فاتحہ ہر دُکھ کی دوا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ۔

سورۂ لہب کے خواص:

دُشمن کے شر کو دفع کرنے کے لئے روزانہ اوّل آخر دُرود شریف اور اکتالیس بار سورۂ لہب پڑھے اور لفظ ''اَبِیْ لَھَبٍ'' پر اپنے دُشمن کا تصوّر کرے، ہاں! اگر معصیت میں پڑھے گا تو قیامت میں گرفتار ہوگا۔

سورۂ کوثر کے خواص:

اگر ہزار بار سورۂ کوثر اور اوّل آخر گیارہ، گیارہ بار دُرود شریف اس نیت سے پڑھا کرے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی واُمی کی زیارت نصیب ہو، تو اِن شاء اللہ تعالیٰ زیارت فیض بشارت سے سرفراز ہوگا، اور اگر دفعِ دُشمن کے لئے پڑھے تو تین سو تیرہ (۳۱۳) بار اور اوّل آخر دُرود شریف پڑھے اور آیت: ''اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ'' پر دُشمن کے دفع کا تصوّر کرتا رہے، تو اِن شاء اللہ دُشمن دفع ہوجائے گا۔

سورۂ فیل کے بعض خواص:

اگر دفعِ دُشمن کے لئے تین سو تیرہ بار سورۂ فیل اور اوّل آخر سات، سات بار دُرود شریف پڑھے، اور "بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ" کے کلمہ پر اپنے دُشمن کا تصوّر کرتا رہے تو دُشمن دفع ہوگا۔

سورۂ قریش کے بعض خواص:

اگر قافلے والوں کو رہزنوں سے خطرہ ہو، یا کسی کو سخت دُشمن سے ڈَر ہو، یا دُشمن اچانک سامنے آگیا ہو، تو اچانک خطرہ کے وقت جتنا ہوسکے سورۂ قریش پڑھے، اور دُوسرے معاملے میں اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف اور ایک سو ایک بار یہ سورۃ پڑھ کر عاجزی سے دُشمن کے دفع ہونے کی دُعا کرے، اِن شاء اللہ دفع ہوجائے گا، مگر لفظ "اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ" پر اس کا تصوّر کرے۔

اور اگر غریب و بے روزگار ہے تو اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکتالیس بار یہ سورۃ پڑھے، اور کلمہ "اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ" پر اپنی بھوک، غربت اور افلاس کے دفع کا تصوّر کرتا رہے، اگر سنتوں میں پڑھتا رہے، تو ہر بلا سے امن و امان میں رہے، اِن شاء اللہ!

سورۂ نصر اور فتح کے بعض خواص:

اگر فتح یابی کے لئے اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکہتر بار اس کو پڑھا کرے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ فتح یاب ہوگا، اگر کوئی بے یار و مددگار ہے تو اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکیس بار اس کو پڑھتا رہے، اور "يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" پر تصوّر کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے مددگار بنادے۔

سورۂ واقعہ کے خواص:

اگر اس کو مغرب کی سنتوں میں پڑھتا رہے تو فاقہ سے نجات پائے گا، اور عیش سے معیشت پائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ، مجرّب ہے۔

سورۂ مزمل کے خواص:

اگر اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکتالیس بار اس کو پڑھا کرے تو دولت سے مالا مال ہوگا، اور جن و اِنس پر اس کی دہشت بیٹھ جائے گی، اور اگر گیارہ بار ہر روز پڑھتا رہے تو مصیبت سے امن و امان میں رہے گا، اور کسی بیمار پر دَم کرتا رہے، تو اس کو شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

سورۂ یٰسٓ کے بعض خواص:

اگر صبح و شام ایک، ایک بار اللہ تعالیٰ کی رَضا کے لئے پڑھے گا، تو رضا اور محبتِ الٰہی نصیب ہوگی، اگر شفا کے لئے پڑھے گا، تو شفا ہوگی، اگر ایمان کی سلامتی کے لئے پڑھے گا، تو ایمان سلامت رہے گا، اگر رفعِ سکراتِ موت کے لئے پڑھے گا، تو آسانی ہوگی، دولت کے حاصل کرنے کے لئے تین بار پڑھتا رہے، تو دولت مند ہوجائے گا، اور دفعِ دُشمن کے لئے پڑھے گا، تو دُشمن دفع ہوں گے، غرض جس کام کے لئے پڑھے گا، وہی کام آسانی سے ہوگا، اِن شاء اللہ!

سورۂ یوسف کے خواص:

اگر دولت کے حصول، ترقیٔ درجات، دفعِ دُشمن، عورتوں کے مکر کے دفع کرنے، یا دُشمن کے دوست بن جانے کے لئے اوّل آخر سات بار دُرود شریف اور تین بار یہ سورۃ پڑھتا رہے تو اللہ کی رحمت سے تمام مقاصد حاصل ہوں گے۔

فائدۂ عجیبہ:... جس کام میں جو نیت کرے گا، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو وہی مطلب، عطا فرمائے گا، اگر اسمائے الٰہی تعالیٰ، قرآن مجید، کلماتِ احادیث اور اولیاء اللہ سے منقول دُعاؤں میں آخرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہوگی تو آخرت اور دُنیا کے مطلب بھی ملیں گے، اگر رضائے الٰہی یا آخرت کے ثواب کی نیت نہیں، بلکہ دُنیا کی نیت ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو دُنیا کا مطلب حاصل ہوجائے گا، اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب، جزا اور بدلہ نہ ملے گا، بلکہ آخرت کے اعتبار سے اکارت و بے فائدہ ہوجائے گا، کیونکہ:

"مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ، وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۔" (الشوریٰ)

ترجمہ:... "جو کوئی چاہتا ہے کھیتی آخرت کی، زیادہ دیتے ہیں ہم اس کو بیچ کھیتی اس کے، اور جو کوئی چاہتا ہے کھیتی دُنیا کی، دیتے ہیں ہم اس کو کچھ اس میں سے اور آخرت میں اس کے واسطے کچھ حصہ نہیں۔" (موضح القرآن)

پس چاہئے کہ مؤمن مسلمان جو چیز بھی پڑھے، لکھے یا پہنچائے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی خیر مانگے، اس کے دُنیا و آخرت کے دونوں مطلب پورے ہوں گے، اور اگر محض دُنیا کے مطلب کو چاہا تو آخرت میں ناکام رہے گا، بر رسولاں بلاغ است وبس!

فوائد سورۂ بقرہ وآلِ عمران:

جس گھر میں تین دن رات یہ دونوں سورتیں پڑھی جائیں، جن و شیطان

اس گھر میں داخل نہ ہوں گے، اور یہ پڑھنے والے پر قیامت کے دن سایہ کریں گی۔

اور جس پر سحر ہو چکا ہے، ان سورتوں کی کثرت سے تلاوت پر سحر دفع ہوجائے گا، اور پڑھنے والے پر سحر و جادو نہیں چل سکتا۔

آیۃ الکرسی کے فوائد:

یہ کتاب اللہ میں بوجہ فضیلت سب سے بڑی آیت اور تمام آیات کی سردار ہے، جس مال و اولاد میں یہ آیت لکھ کر رکھی یا پڑھی جائے، اس کے پاس جن نہیں آسکتے، اگر راستہ بھول جائے تو آیۃ الکرسی اور کلماتِ اذان و اقامت پڑھ کر دُعا کرے، تو اِن شاءاللہ تعالیٰ راستہ پالے گا۔

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" کے فائدے:

جس مکان میں سورۂ بقرہ کی آخری یہ دو آیتیں تین رات تک پڑھی جائیں، اس میں شیطان اور جن قریب نہیں آتے، اگر رات کو پڑھی جائیں اور اُس رات اس کو موت آگئی تو اس کی مغفرت ہوگی، اور چور وغیرہ کی بلا سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ کہف کے فائدے:

سورۂ کہف کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن نور ملے گا، اور وہ دجال کے مکر و فریب سے بچا رہے گا، اور اس کی اوّل و آخر کی دس آیتیں پڑھنے سے بلا و مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ ملک کے فائدے:

اس کا ہر روز پڑھنا عذابِ قبر سے نجات کا سبب ہے، اور مریض پر صبح و شام تین مرتبہ پڑھنے اور دَم کرنے سے شفا نصیب ہوگی۔

فصلِ سوم

دفعِ آسیب کے لئے:

جس کے بارے میں شبہ ہو کہ اس پر جن کا اثر ہے تو اُس پر سورۂ فاتحہ اور "خٰلِدُوْنَ" تک آیۃ الکرسی، "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے آخر سورت تک، آیت "شَهِدَ اللهُ" سے "عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" تک، سورۂ صافات کی پہلی دس آیات، سورۂ جن کی پہلی پانچ آیتیں، سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں، چاروں قل، کلماتِ اذان و اقامت ایک، ایک بار، اور اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار، اس طرح دَم کریں کہ تھوک کے کچھ قطرات بھی اس پر گریں۔ اگر ہر نماز کے وقت ہو تو بہتر ہے، صبح و شام ہو، یا دن میں ایک بار پڑھیں اور پانی پر دَم کر کے پلادیں، اگر فرصت کم ہو تو آیۃ الکرسی، کلماتِ اَذان و اقامت اور چاروں قل پڑھ کر دَم کریں، اگر "فرعون، ہامان، قارون، شداد، نمرود، ابلیس علیہم اللعنۃ واتباعِ ایشان دفع شوند وگرنہ سوختہ شوند" لکھ کر بتی بنا کر کالے کپڑے میں لپیٹیں، پھر آگ لگا کر اس کا دُھواں تمام بدن پر پہنچادیں تو یہ آخری علاج ہے، چند دن کریں، اس وقت کریں جب دُوسرے علاج سے کفایت نہ ہو، اور یہ تعویذ گلے میں ڈالیں:

"اُعِيْذُ حَامِلَ هٰذِهٖ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ، وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ."

اور: "يَا اَللهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ" کا تعویذ ہر روز پلاتے رہیں اور یہ تعویذ

بہت سے لکھ دیں، تاکہ ہر روز پیتے رہیں، اگر سات کنوؤں کے پانی میں پلائیں تو بہتر ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہو جائے گی۔

بخار کے لئے تعویذ:

اگر بخار اور حرارت بڑھ جائے تو یہ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالیں:

"بِسۡمِ اللّٰهِ الۡكَبِيۡرِ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ مِنۡ كُلِّ عِرۡقٍ نَّعَارٍ وَّمِنۡ شَرِّ حَرِّ النَّارِ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ."

اور "يَا اللّٰهُ يَا رَحۡمٰنُ يَا رَحِيۡمُ" کے تعویذ سات یا اس سے زیادہ لکھ دیں، ان میں سے ایک، ایک ہر روز پیتا رہے، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائیں گے، اگر یہ آیت لکھ کر پلائیں تو بہتر ہے: "وَقُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ." اس سے شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

جانوروں کی بیماری کے لئے:

یہ تعویذ تین بار لکھ کر جانور کے گلے میں ڈالیں: "اَلۡاِسۡلَامُ حَقٌّ وَالۡكُفۡرُ بَاطِلٌ" نیز "اَلۡاِسۡلَامُ حَقٌّ" کے کلمے کو چند بار لکھ دیں، تاکہ ایک، ایک ہر روز پلاتے رہیں، اگر جانوروں میں عام بیماری پڑ جائے تو یہ تعویذ لکھے: "ہر چہ کند خدا کند بندہ عاجز چہ کند" اس کو تین بار لکھ کر تعویذ بنائے، کسی جانور کے گلے میں لٹکا دے یا ایسی جگہ باندھ دیں کہ نیچے سے جانور گزرتے رہیں، رحمت ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

دَردِ زِہ کی آسانی کے لئے:

جب تھوڑا تھوڑا دَرد شروع ہو تو "يَا وَاسِعُ" سات مرتبہ لکھ دیں، ایک ایک، دو دو گھنٹے کے بعد خاتون پیتی رہے، اور سخت دَرد کے وقت یہ تعویذ لکھ دے،

جلدی آسانی ہوگی:

مرا جا شد و خر مرا نیز جا شد
زن دہقان بزاید یا نہ زاید

اس شعر کو تعویذ بنا کر دے، جو ران کی جڑ میں باندھ دیں، آسانی سے اور جلد ولادت ہوجائے گی۔

حفاظتِ حمل کے لئے:

"فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" کو تین بار لکھ کر آخر میں: "وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ" لکھ کر تعویذ بنادے، عورت کمر میں باندھ لے اور "یَـا اَللّٰہُ یَـا حَفِیْظُ" کے چند تعویذ بھی لکھ دے، حاملہ خاتون ایک تعویذ صبح اور ایک شام چند دن پیتی رہے، رحمت ہوجائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

بچہ زندہ نہ رہنا:

اجوائن اور کالی مرچ ڈیڑھ، ڈیڑھ پاؤ لے لیں، اس پر پیر کے دن دوپہر کے وقت چالیس بار سورہ والشّمس اس طرح پڑھیں کہ ہر دفعہ کے ساتھ اوّل آخر دُرود شریف پڑھیں، جب چالیس بار ہوجائے، پھر ایک دفعہ دُرود شریف پڑھے، ایسی خاتون جس کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو، وہ دُودھ چھڑانے تک روزانہ ان دونوں چیزوں میں سے تھوڑا تھوڑا کھالیا کرے، اِن شاء اللہ تعالیٰ اولاد زندہ رہے گی۔

ہمیشہ لڑکی ہونا:

جس عورت کا لڑکا نہ ہو، اس کا خاوند یا کوئی دُوسری عورت اس کے پیٹ پر اُنگلی سے ۷۰ بار دائرہ بنائے، اور ہر دفعہ میں "یَا مَتِیْنُ" کہے، اِن شاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا۔

بچے کو نظر لگ جانا یا سوتے میں ڈرنا:

قرآن مجید کی آخری دو سورتیں تین، تین بار پڑھ کر اس پر دَم کرے، اور یہ دُعا لکھ کر اس کے گلے میں ڈالے:

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّعَيْنٍ لَّامَّةٍ."

اِن شاء اللہ تعالیٰ سب آفتوں سے حفاظت رہے گی۔

چیچک کے لئے:

ایک نیلا دھاگا جس کے سات تار ہوں، لے کر اس پر سورۂ رحمٰن پڑھے اور آیت: "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" پر آکر دھاگے پر پھونک مار کر ایک گرہ لگائے، سورت کے ختم ہونے تک ۳۱ گرہیں ہوجائیں گے، پھر وہ دھاگا بچے کے گلے میں ڈال دے، اگر چیچک سے پہلے ڈال دیں تو اِن شاء اللہ چیچک سے حفاظت رہے گی، اور چیچک نکلنے کے بعد ڈالیں گے تو زیادہ تکلیف نہ ہوگی، مونگ کے دانے پر گیارہ بار سورۂ اِخلاص اور اوّل آخر دُرود شریف ایک، ایک بار دَم کرکے، ہر چیچک والے کو طاق عدد کھلاتا رہے، مثلاً: ایک، تین، پانچ، اگر مریض بالکل چھوٹا ہے کہ خود نہیں کھاسکتا تو پیس کر کھلاتا رہے، رحمت ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

ہر طرح کی بیماری کے لئے:

چینی کی طشتری پر سورۂ الحمد اور یہ آیتیں لکھ کر روزمرّہ بیمار کو پلایا کریں، بہت ہی تأثیر کی چیز ہے، وہ آیتیں یہ ہیں:

"وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ، وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ، وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ، وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا، قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ.“

اگر اس کے ساتھ دُرودشریف بھی لکھے تو بہتر ہے، شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

برکت اور دفعِ قرض کے لئے:

بعد نمازِ عشاء سو بار ”يَا مُعِزُّ“ اور اوّل آخر گیارہ، گیارہ بار دُرودشریف پڑھے، نیز ”يَا وَهَّابُ“ چودہ سو چودہ مرتبہ (۱۴۱۴) اور اوّل آخر دُرودشریف سات، سات بار پڑھتا رہے، یا بعد نمازِ عشاء یہ عمل کرکے سو بار یہ دُعا پڑھے:

”يَا وَهَّابُ هَبْ لِيْ مِنْ نِّعْمَةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ.“

اس کو بزرگ کیمیائے درویشاں فرماتے ہیں۔

نیز سنتِ فجر کے بعد اور فرض سے پہلے ”يَا مُغْنِيْ“ گیارہ سو بار اور اوّل آخر دُرودشریف سات، سات بار پڑھتا رہے۔ اور ہر نماز کے بعد اکتالیس، اکتالیس بار اور اوّل آخر دُرودشریف ایک، ایک بار پڑھا کرے، اِن شاء اللہ تعالیٰ فراغت اور برکت ہوگی اور قرض دفع ہوگا۔

آسیب کا لپٹ جانا:

سورۂ مؤمنون کی آخری آیات: ”اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا“ سے آخر تک پڑھ کر کان میں دَم کرنا، سورۂ ”وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ“ کو سات بار کان میں دَم کرنا، اور داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہنا بھی آسیب کو دفع کرتا اور بھگا دیتا ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

اگر گھر میں آسیب کا اثر معلوم ہو:

اگر گھر میں آسیب کا شبہ ہو تو یہ آیت:

"اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا. فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا."

پچّیس بار چار کیلوں پر پڑھ کر گھر کے چاروں کونوں میں گاڑ دیں، اور زیادہ گھر ہوں تو ہر گھر کے لئے چار کیلیں پڑھ کر گاڑ دیں، آسیب دفع ہو جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

دفعِ مرگی:

آیاتِ ذیل لکھ کر گلے میں ڈال دینا چاہئے:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، رَبِّ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ، رَبِّ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ، رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ."

نیز مذکورہ بالا کو کاغذ پر یا پانی پر دَم کرے اور اس پانی میں مساوی مقدار میں تیل ملا کر نہایت ہی ہلکی آگ پر اس پانی کو خشک کرے، جب پانی خشک ہو جائے اور صرف تیل رہ جائے تو اس تیل کو ہر روز سر میں بھی ڈالے اور بدن کی مالش بھی کرتا رہے، دو چار مہینے میں رحمت ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

دفعِ تپِ لرزہ و ہر قسم کے بخار کے لئے:

نقشِ ذیل کو لکھ کر مریض کے گلے میں ڈالیں، افضل یہ ہے کہ "بِسْمِ اللهِ"

کو چار بار لکھ کر پھر ''صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''، لکھیں۔

بِسْمِ	اللّٰهِ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ
اللّٰهِ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ	بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ	بِسْمِ	اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ	بِسْمِ	اللّٰهِ	الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نیز ''يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ'' چند بار لکھ کر دیں، مریض ان میں سے ہر روز ایک ایک پیا کرے۔

ماہواری کی کمی:

آیاتِ ذیل کو لکھ کر گلے میں اس طرح ڈالیں کہ تعویذ رحم پر پڑا رہے:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ. اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ.''

ماہواری کی زیادتی:

اگر کسی عورت کو ایامِ ماہواری زیادہ آتے ہوں، اور اس سے تکلیف ہو تو آیاتِ ذیل لکھ کر گلے میں ڈالیں، اس طور کہ تعویذ رحم پر پڑا رہے:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ

ابْـلَعِيْ مَآءَكِ وَيَا سَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ."

بانجھ ہونا:

چالیس لونگ لے لیں، اور ہر ایک پر سات، سات مرتبہ یہ آیت پڑھیں، اور جس دن عورت پاکی کا غسل کرے، اس دن سے روزانہ رات کو سوتے وقت ان میں سے ایک لونگ کھاتی رہے، مگر اس پر پانی نہ پیئے اور کبھی کبھی میاں کے پاس اُٹھے بیٹھے، وہ آیت یہ ہے:

"اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ، ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، اِذَا اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا، وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ."

اِن شاء اللہ تعالیٰ اولاد ہوگی۔

دماغ کا کمزور ہونا:

پانچوں نمازوں کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر گیارہ بار "يَا قَوِيُّ" پڑھتے رہیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہوگی۔

نگاہ کی کمزوری:

پانچوں نمازوں کے بعد "يَا نُوْرُ" گیارہ بار پڑھ کر دونوں ہاتھوں کے

پوروں پر دَم کر کے آنکھوں پر پھیرتے رہیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ! رحمت ہوگی۔

عقل کے بڑھنے کے لئے:

روزمرّہ ایک بسکٹ پر سورۂ فاتحہ یعنی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" لکھ کر چالیس روز تک کھانے سے ذہن بڑھ جاتا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ۔

دِل کے ہول کے لئے:

یہ آیت "بِسْمِ اللّٰہِ" سمیت لکھ کر گلے میں اس طرح باندھیں کہ تعویذ دِل پر پڑا رہے، یاد رہے کہ دِل بائیں پستان کے نیچے ہے:

"اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ، اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ."

رَدِّ غائب:

اگر کسی کا لڑکا لاپتا ہوکر کہیں چلا گیا، تو اس کو واپس لانے کے لئے آیاتِ ذیل لکھ کر چرخے کے ساتھ باندھیں اور تین دن تک صبح و شام پندرہ، پندرہ منٹ، چرخا اُلٹا گھمائیں، پھر کسی پھل دار درخت پر لٹکادیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ گھر سے غائب واپس آجائے گا یا اس کا پتا چل جائے گا، وہ آیات یہ ہے:

"اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ، فَرَدَدْنٰہُ اِلٰی اُمِّہٖ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُھَا، اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ."

پھر اس غائب کا نام اور اس کے والد کا نام لکھ دے۔

محبتِ زوجین کے لئے:

آیاتِ ذیل اپنے پاس تعویذ بنا کر رکھے:

"وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ، یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَیَا مُسَخِّرَ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ قَلِّبْ (لِفُلَانَةَ قَلْبِ فُلَانٍ) بِالْخَیْرِ لِاَدَآءِ الْحُقُوْقِ یَا وَدُوْدُ حَبِّبْ حَبِّبْ یَا وَدُوْدُ."

"فُلَانٍ" کی جگہ اس کا نام لکھے جس کو محبت نہیں اور "لِفُلَانَةَ" کی جگہ اس کا نام لکھے جس کے لئے محبت کرانی ہو، اور "یَا لَطِیْفُ یَا وَدُوْدُ" گیارہ سو بار، گیارہ عدد کالی مرچ پر پڑھ کر اِکتالیس روز تک بلاناغہ جلتی آگ میں ڈالتا رہے، اگر دُوسرا چلّہ بھی پڑھے تو عمدہ ہے، بے محبت کو محبت ہو جائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

سانپ یا بچھو کاٹ لے:

سانپ یا بچھو کاٹ لے تو آیاتِ ذیل:

"سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ، سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ."

اکتالیس بار نمک پر دَم کریں اور نمک کو پانی میں گھول کر دیر تک اس جگہ ملتے رہیں، اور ملتے وقت سورہ فاتحہ و معوّذتین بھی پڑھتے رہیں۔

سانپ کے لئے:

حضراتِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمولات میں سے یہ اعلیٰ چیز ہے، چنانچہ جس کو خلافت دیتے ہیں، اس کو ہی اس کی اجازت دیتے ہیں، ہر کسی کو اجازت نہیں دیتے، اوّل آخر سات بار دُرود شریف، سات بار فاتحہ شریف، سات بار آیۃ

الکرسی، سات بار چاروں قل، "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کے ساتھ پڑھ کر نمک پر دَم کرے، اور: "الٰہی بحرمتِ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ، الٰہی بحرمتِ شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ" بھی سات بار پڑھ کر اس نمک پر دَم کرے، کاٹنے کی جگہ پر تین دِن تک ملتا رہے، اور اِس نمک کو چکھتا بھی رہے، اس دوران کوئی جھاڑ پھونک اور دوا نہ کرائے، تو اِن شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہوگی۔

باؤلے کتے کے کاٹے کے لئے بھی یہی چیز ہیں، مگر یہ کہ آیۃ الکرسی اُس میں نہ ملائے۔

اگر کسی جگہ سانپ رہتا ہو اور وہاں چھڑک دیں گے، تو سانپ بھاگ جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

اسی طرح سورۂ والطارق کی آخری آیت: "اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ" سے "رُوَيْدًا" تک، ایک روٹی یا بسکٹ کے چالیس ٹکڑوں پر لکھ کر ایک ٹکڑا روزانہ اُس شخص کو کھلائیں، تو جس کو باؤلے کتے نے کاٹا ہے، اس کو ہڑک نہ ہوگی۔

بچھو، بھڑ وغیرہ درد کے لئے:

"حٰمٓ، عٓسٓقٓ، كٓهٰيٰعٓصٓ، لَآ اِلٰــهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَلَـهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ."

اے درد کثر دم مثلہ رفع شو، ورنہ: "اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ" پڑھ کر دَم کرے اور درد کی جگہ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے نیچے لائے، بہتر ہے کہ کسی لوہے کی چیز کے اشارے سے اس پر دَم کرے اور لوہے کی چیز متأثرہ جگہ سے نیچے کی طرف اس طرح ہٹائے جیسے درد کو وہاں سے دُور کیا جارہا ہو، اِن شاء اللہ شفا ہوگی۔

پھوڑا پھنسی:

قرآنِ کریم کی آیت: "سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ" کو اِکتالیس بار ملتانی مٹی اور مکھن پر دَم کرے، متاثرہ جگہ پر پہلے دَم شدہ مکھن لگائے، پھر ملتانی مٹی کو پانی سے گیلا کر کے اس جگہ پر لگائے، اُوپر سے نیم کے پتے باندھے، چند دن اس طرح کریں، شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

اسی طرح آیتِ ذیل:

"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ."

اکتالیس بار اور اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار پڑھ کر یہ کہے: "ای بلا بیرونی و درونی خشک شو، خدائے ما بزرگ است تو بزرگ مشو و رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازیں جا ہجرت کردہ است تو نیز ہم برو، "اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ"، امرِ حق بشنو" تین بار پڑھے، اِن شاء اللہ تعالیٰ تکلیف رفع ہوجائے گی اور شفا نصیب ہوگی۔

ہیضہ، ہر قسم کی وبا اور طاعون وغیرہ:

وبا اور طاعون کے دنوں میں جو چیز کھائیں پئیں، اِس پر تین بار سورۃ "اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ" پڑھ کر دَم کرلیا کریں، اِن شاء اللہ تعالیٰ حفاظت رہے گی، اور جس کو ایسا مرض لاحق ہوجائے، اس کو بھی کسی چیز پر دَم کر کے کھلائیں یا پلائیں، اِن شاء اللہ شفا ہوگی۔

تلّی بڑھ جانا:

یہ آیت: "ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ" بسم اللہ سمیت لکھ کر تلّی کی جگہ باندھیں، شفاء ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

فائدۂ عجیبہ:... جاننا چاہئے کہ تعویذ لینے دینے، لکھنے پڑھنے کے لئے مشقت، محنت، اس کے رواج، چرچے، عام، خاص کی چاہت، شوق اور محبت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کی تحصیل گویا فرض کی تعمیل و تکمیل ہے، اور خدا تعالیٰ کے حکم کے لئے کمربستگی ہے، حالانکہ تعویذ کا عمل مربع، مخمس، مثلث وغیرہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا معمول رہا ہے، صرف حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے اتنا منقول ہے کہ: "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ .... الخ" کو لکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیا، اس کے سوا بھی کچھ روایت میں آتا ہے، مگر یہ نہیں کہ اس کو سنتِ صحابہؓ کہا جاسکے، کیونکہ سنت طریقۂ مروّجہ کا نام ہے، نہ یہ کہ ایک، دو سے کچھ نقل مل جائے کہ یوں کیا گیا تھا، لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس سے اتنا استدلال ہوسکتا ہے کہ یہ چیز مباح ہے، حرام نہیں، وہ بھی اسی مقدار میں کہ معوّذات میں سے کوئی چیز کسی بچے کی گردن میں لٹکانا دُرست ہے، حرام نہیں، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لٹکانا ضروری یا مستحب ہو، پھر مربع، مخمس، مثلث کا عمل تو دُور کی بات ہے، لہٰذا اگر وہ عدد جائز میں کیا جائے تو جائز، مگر اس کو قرآن مجید پڑھنے یا دَم کرنے سے زیادہ سمجھنا اور اس پر زیادہ اعتناء کرنا قرینِ قیاس نہیں۔ حاصل یہ کہ تعویذ کے استعمال کو عدمِ گناہ یا جواز کے درجہ میں رکھنا چاہئے، اور اس کی تحصیل میں قدرِ جواز تک تندہی ہونی چاہئے، اس میں زیادہ اعتقاد و اعتناء یا کوشش کرنا حدِ شرعی سے تجاوز کرنا ہے، وَاللهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ أَتَمُّ!

ناف ٹل جانا:

"ہرچہ کند خدا کند بندۂ عاجز چہ کند، الٰہی بحرمت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ناف بجائے خود رود" اس جملے کو جو کہ ایک بزرگ سے منقول ہے، تعویذ بنا کر ناف کی جگہ باندھ دے، اِن شاء اللہ تعالیٰ شفا ہوگی۔

ہر کام و مطلب کے لئے:

الله	الله	الله	الله
الله	الله	الله	الله
الله	الله	الله	الله
الله	الله	الله	الله

یہ تعویذ لکھ کر دے اور ضرورت مند اس کو اپنے ساتھ رکھے اور پیئے اور افضل یہ ہے کہ لفظِ "الله، الله" سترہ بار لکھ کر "صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لکھیں، مگر اس کو نقش کے طور لکھنا مروی نہیں، اگر زیادہ ضرورت ہو تو "اعمالِ قرآنی"، "شفاء العلیل" اور "الداء والدواء" وغیرہ کو دیکھے۔

تنبیہ:... قرآن مجید کی آیت کو نہانے کی ضرورت کی حالت میں نہ لکھو، اور بے وضو بھی مت لکھو۔ اور جس کاغذ پر قرآن مجید کی آیت ہو، اس کو تعویذ بنا کر اس پر دُوسرا کاغذ لپیٹ دو، تاکہ تعویذ لینے والا اگر بے وضو ہو تو اس کو ہاتھ میں لینا دُرست ہو، اور جب چینی کی طشتری پر آیت لکھو، تو اس کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگاؤ، جب تعویذ سے کام نہ رہے تو اس کو پانی میں گھول کر کسی ندی یا نہر یا کنویں میں چھوڑ دو۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآله

واصحابه اجمعین

محمد عبداللہ عفی عنہ

۵؍رجب ۱۳۷۷ھ

اسماء الحسنٰی کے خواص وفوائد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

وَعَلٰی اٰلِہِ الۡمُجۡتَبٰی، اَمَّا بَعۡدُ!

جاننا چاہئے کہ اسماء الحسنٰی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ورد بنانا چاہئے، اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے تو دارین کی فلاح و بہبود اور سرفرازی وآبادی نصیب ہوجائے گی، وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ!

"سُبۡحَانَ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ" کے خواص:

جو شخص اس کو ایک سو ایک دفعہ باطہارت ویکسوئی یومیہ بلاناغہ پڑھتا رہے تو بفضلہٖ تعالیٰ مخلوق میں پُرجلال و باہیبت ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

"اَلسَّلَامُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُھَیۡمِنُ" کے خواص:

جو شخص "سُبۡحَانَ السَّلَامِ الۡمُؤۡمِنِ الۡمُھَیۡمِنِ یَا اَللّٰہُ یَا سَلَامُ یَا مُؤۡمِنُ یَا مُھَیۡمِنُ" کو ایک سو اکیس دفعہ یومیہ پڑھتا رہے، ہر قسم کے خوف وخطر سے اِن شاء اللہ امن وامان میں رہے گا، اوّل آخر دُرود شریف ہونا چاہئے۔

"اَلۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ" کے خواص:

جو شخص ہر روز تین سو تیرہ بار "سُبۡحَانَ الۡعَزِیۡزِ الۡجَبَّارِ الۡمُتَکَبِّرُ یَا عَزِیۡزُ یَا

جبّارُ یا مُتکبّرُ" کو ہر روز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتا رہے، دُشمن کے مکر و کید اور مضرّت رسانی سے اِن شاء اللہ محفوظ رہے گا، دُرود شریف اوّل آخر پڑھنا چاہئے۔

"اَلْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ" کے خواص:

جو شخص ان اسماء کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پانچ سو چھہتّر بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھتا رہے، یا "سُبْحَانَ" کا کلمہ پہلے ملاکر "سُبْحَانَ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ" صبح شام ایک سو گیارہ بار، دُرود شریف اوّل و آخر کے ساتھ پڑھتا رہے، اللہ تعالیٰ اس کو نرینہ اولاد، نیک، عمر دراز عطا فرمائے گا، بفضلہٖ و کرمہٖ، اور اپنی معرفت و محبت بھی عطا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

"اَلْغَفَّارُ الرَّءُوْفُ الرَّحِیْمُ" کے خواص:

جو شخص ان اسماء کو اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ ایک سو بار اس طور سے پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْغَفَّارُ الرَّءُوْفُ الرَّحِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ"، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے گناہ معاف فرمائیں گے، رزق فراخ ہوگا اور برکاتِ جسمانی و رُوحانی بھی عطا ہوں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

"اَلْوَھَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ" کے خواص:

جو شخص ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے، اس کو رضائے مولیٰ کریم نصیب ہوگی اور دولت عام ہوگی، حق و سچ کا ظہور اور باطل بھی کافور و نابود ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ! ترکیب یہ ہے: "لَا وَھَّابُ اِلَّا اللہُ لَا رَزَّاقُ اِلَّا اللہُ لَا فَتَّاحُ اِلَّا اللہُ" ایک سو بار، اوّل آخر دُرود شریف، بعد صبح و عشاء یا ایک وقت۔

"اَلْعَلِیْمُ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" کے خواص:

جو شخص صبح و شام یا ایک وقت اللہ کی رضا کے لئے اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ ایک سو بار یہ الفاظ پڑھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیْمِ السَّمِیْعِ الْبَصِیْرِ" اُس کو علمِ کامل بعمل صالح نصیب ہوگا، اور کشفِ حقائق و اسرارِ قرآنی و اَحکام اور کشفِ کونی اس کی استعداد کے مناسب نصیب ہوں گے، اور قرآن مجید بھی جلد یاد کرلے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

"اَلْجَلِیْلُ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ" کے خواص:

جو شخص ان اسمائے گرامی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک ایک سو بار صبح و شام اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھتا رہے، نفس و شیطان پر بھی اور دُشمنوں پر بھی غالب رہے گا، اور لوگوں میں اس کی ہیبت مقبول ہوگی، ترکیب یہ ہے: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" سات بار، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرُ" سات بار، اور "یَا جَلِیْلُ یَا عَلِیُّ یَا کَبِیْرُ" ایک سو بار اور اوّل آخر دُرود شریف پڑھے۔

"اَلْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْکَرِیْمُ" کے خواص:

جو شخص اس کو ہر نماز کے بعد اللہ کی رضا کے لئے اِکتالیس بار یا اِکتیس بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھا کرے، اس کی عبادت قبول ہوگی، گناہ معاف ہوں گے، مراتب میں ترقی ہوگی، دُنیوی ہوں یا دینی یا جسمانی یا رُوحانی، ترکیب پڑھنے کی یہ ہے: "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْکَرِیْمُ"۔

"اَلْحَفِیْظُ الرَّقِیْبُ الْمُقِیْتُ" کے خواص:

ان ہر دو کا معنی ہے: نگاہ رکھنے والا، قوت دینے والا، اس کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ: "حَسْبِیَ اللّٰہُ الْحَفِیْظُ الرَّقِیْبُ الْمُقِیْتُ" اوّل آخر دُرود شریف کے

ساتھ سات راتیں یا ستائیس راتیں ستتر بار پڑھے، ہر دُشمن و حاسد سے محفوظ رہے گا، بلکہ اس پر غالب ہوجائے گا، اور جس رات پڑھے گا، اس رات چور سے محفوظ رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ! جمعہ کی رات سے شروع کرے۔

"اَلرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمَجِیْدُ" کے خواص:

جو شخص بوقت نصف شب اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ ایک سو ایک بار پڑھتا رہے، خلقت میں برگزیدہ ہوجائے گا، بفضلہٖ تعالیٰ! بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے، اس سے پہلے: "سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ" اِکتالیس بار اور آخر میں: "سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ" اِکتالیس بار پڑھے، پھر عجز و نیاز سے دُعا کرے اور اس طور پڑھے: "یَا اَللّٰہُ یَا رَافِعُ یَا مُعِزُّ یَا مَجِیْدُ"۔

"اَلْوَدُوْدُ اللَّطِیْفُ الْمُجِیْبُ" کے خواص:

اگر کوئی شخص فلفل سیاہ گیارہ عدد پر گیارہ سو بار بعد عشاء دَم کرکے جلتی آگ میں جلاتا رہے، تو دُشمن کی دُشمنی رفع ہوجائے گی، بلکہ محبت ہوجائے گی، اگر اکہتر بار شیرینی پر دَم کرکے کھلائے، تو میاں بیوی میں محبت ہوجائے گی، اور وضو کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے حصول کے لئے تین سو تیرہ بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھتا رہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجائے گی، اور اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہوجائے گی، بفضلہٖ وکرمہٖ!

"اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" کے خواص:

اکثر علماء نے اس کو اسمِ اعظم فرمایا ہے، ترکیب پڑھنے کی یہ ہے کہ: "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ" سجدہ میں پڑھے، تو دُعا قبول ہوگی، رحمت برسے گی، اور اگر دُعا کے اوّل آخر میں پڑھے تو زیادہ اجابتِ دُعا کا موجب ہے، اور اگر "اَللّٰہُ لَا

اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ" کا ورد ایک سو اِکیس بار، اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار کے ساتھ کرے تو دُنیا و آخرت کے مطالب پورے ہوں گے، عزّت وعظمت بڑھے گی، رزق میں فراخی ہوگی، قربِ خداوندی نصیب ہوگا، اور قبر کی تنگی دُور ہوگی، اس کے فوائد بے شمار ہیں، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے۔

"اَحَدُ، صَمَدُ" کے خواص:

اگر سوا لاکھ بار اس طور سے پڑھے: "یَا اَللّٰہُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ" اور اوّل آخر سات بار دُرود شریف پڑھ کر چند دن نفل میں پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی تمام حاجات پوری ہوں گی۔

ترکیب: جب پڑھنے بیٹھے تو پہلے دُرود شریف پڑھے، پھر "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ. اَللّٰہُ الصَّمَدُ" (تا آخر سورت) پڑھ کر پھر: "یَا اَللّٰہُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ" پڑھتا رہے، جب ختم کرے تو پوری سورۃ پڑھ کر تمام کرے، پھر ہر نماز کے ساتھ پچیّس بار اوّل آخر پڑھتا رہے۔

"مَالِکَ الْمُلْکِ وَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" کے خواص:

صبح و شام اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف کے ساتھ اِکیس بار: "اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَالْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ" پڑھا کرے، دُنیا میں بھی عزّت و دولت بڑھے گی، اور آخرت میں بھی عزّت وعظمت سے رہے گا، اور قربِ ربّ تعالیٰ سے نوازا جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ بفضلہٖ!

"اَلْھَادِی النَّافِعُ النُّوْرُ" کے خواص:

اگر بے نمازی یا گناہوں میں ڈوبا ہوا شخص ان اسماء کو صبح و شام

اِکتالیس بار، اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنی ہدایت و صلاح کے لئے عجز و نیاز سے دُعا کیا کرے، بشرطیکہ سچ مچ صالح و نیک بننے کی نیت ہو تو اس کو توفیق دی جائے گی، بفضلہٖ تعالیٰ و کرمہٖ! اور اس کا دِل روشن ہوگا، دِین و مال میں نقصان سے بچے گا، "یَا اللّٰہُ یَا ھَادِیُ یَا نَافِعُ یَا نُوْرُ" پڑھا کرے۔

"اَلْقَھَّارُ الْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ الْقَادِرُ" کے خواص:

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے، مگر ڈرے کہ کسی کا نقصان نہ ہوجائے، اگر کسی ظالم، زبردست اور بدمزاج کی گرفت سے سخت خوف ہو تو کھنگر کی اینٹ کنکریوں پر تین سو تیرہ بار بلحاظ معنی، دفعِ دُشمن کی غرض سے ہر روز پڑھ کر دُعا کیا کرے، جلد از جلد اللہ تعالیٰ کے فضل سے نجات پائے گا، پڑھنے کی ترکیب یہ ہے:

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْقَھَّارُ الْمُنْتَقِمُ الْجَبَّارُ الْقَادِرُ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ (فُلَانَ بْنِ فُلَانٍ) وَاَتْبَاعِھِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ بِقُدْرَتِکَ یَا رَحْمٰنُ۔"

"فلاں بن فلاں" کی جگہ ظالم دُشمن اور اس کے باپ کا نام لے۔

"اَلْبَاقِی الْبَدِیْعُ الْبَاسِطُ" کے خواص:

اگر دُشمنوں سے نجات چاہتا ہے اور رزق کی تنگی سے بچنے اور مصارف و مدارجِ دائمی کا طلب گار ہے، تو اس کو اِکیس بار مع اوّل آخر دُرود شریف ہر نماز یا صبح و عصر کی نماز کے ساتھ بلحاظ معنی بصد نیاز پڑھا کرے، اِن شاء اللہ تعالیٰ وہ کرامات و کمالات دیکھے گا کہ جس کا بیان تحریر سے نہیں ہوسکتا۔

"اَلْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ" کے خواص:

اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اِکتالیس بار اوّل آخر دُرود شریف کے

ساتھ ہر نماز کے بعد یا صبح و شام پڑھتا رہے، تو اس پر کوئی ظلم نہ کر سکے گا، دوستوں اور خویشوں میں محبت و اُلفت بڑھے گی، اور غربت و افلاس بھی دفع ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

"یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ" کے خواص:

جس قدر زیادہ پڑھے گا، اسی قدر رحمتِ دارین سے نوازا جائے گا، دُعائیں قبول ہوں گی، دُکھ دَرد دُور ہوں گے، مطالب پورے ہوں گے، کم از کم اِکتالیس بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ صبح و شام پڑھے، اس کے فیوضات بے حد ہیں۔

"اَلْوَکِیْلُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ" کے خواص:

جو شخص دِینی یا دُنیوی، جسمانی اور رُوحانی دُکھ درد سے درماندہ اور بے حال ہو چکا ہو، قلق و اضطراب میں پریشان ہو، وہ ان اسمائے گرامی کو ایک سو اِکتالیس بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ بلحاظ معنی عجز و نیاز سے صبح و شام پڑھ کر گڑگڑا کر دُعا کیا کرے، جلدی مشکل کشائی اور حاجت روائی ہوگی، نیز محبت و معرفت کے دروازے بھی کھلیں گے، بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ، پڑھنے کی ترکیب: "یَـا اَللّٰہُ یَـا وَکِیْلُ یَا حَمِیْدُ" پڑھے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِأَسْرَارِ اَسْمَآءِ الْحُسْنٰی، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ!

جاننا چاہیئے کہ جو فوائد و ثمرات تین تین اسماء یا اس سے کم و بیش کے عرض کئے گئے ہیں، ایک ایک کے بھی وہی ثمرات ہیں، مگر شرطِ اوّل یہ ہے کہ اِخلاصِ نیت، رضا اور ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ ہو، اسماء کا معنی پیشِ نظر ہو، پھر دُعا عجز و نیاز سے ہو، اور باوضو ہو، ہو سکے تو پڑھتے وقت قبلہ رُخ ہو، اور محنت کرے، اور ہمیشہ فضلِ الٰہی پر زیادہ زیادہ اُمید ہوتی جائے، گو اسباب مطلب کے خلاف نظر آنے لگیں۔ وَاللّٰہُ الْـمُسْتَعَانُ

وَعَلَیْهِ التُّکْلَانُ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

فائدہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ رَحمانی اثرات، مقبولیتِ اعمال کے ثمرات ہیں، اور مقبولیتِ اعمال، اِخلاصِ نیت، عملِ سنت اور وتقویٰ من اللہ پر موقوف ہیں، اور ان تینوں چیزوں کا مدار طہارتِ ظاہری و باطنی پر ہے، اور طہارت کی بہت سی اقسام ہیں:

ا:... طہارۃ الابدان: جسم کی پاکیزگی، مسائلِ فقہ، کنز، قدوری وغیرہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

۲:... طہارۃ الارواح: یعنی دِل اور رُوح کی پاکی، دِل کی پاکی اخلاقِ رذیلہ، مثلاً: حسد، کبر وریا اور شہوات وغیرہ سے، اور رُوح کی پاکی غفلت سے۔

۳:... طہارۃ العقول: یعنی عقل کی طہارت جہالت سے۔

۴:... طہارۃ النفوس: یعنی نفس کی پاکیزگی کفریات سے۔

۵:... طہارۃ الاسرار: یعنی سر کی طہارت ردی خطرات سے، اور بعض کاملین نے فرمایا کہ: طہارت کاملہ طہارت الاسرار ہے، یعنی اغیار کی میل کچیل سے، کہ غیراللہ سے تعلق، اعتماد واعتقاد مطلقاً نہ رہے۔

اِن طہارتوں کی تحصیل کا اکسیر نسخہ، بغرضِ اصلاح صحبتِ کاملین ہے، بشرطیکہ وہ صالح مرشد، عالم، عامل بالسنۃ، تارکِ بدعت، مجاز از صالح اور مجاہد ہو، اس کے اکثر ہم رُکاب وہم صحبت لوگوں میں صلاحیت، صلوٰۃ، عمل، سنت کا اثر نمودار ہو، جو خدمت میں آتا ہو، چند دن میں اس کے حالات مبدل بصلاحیت ہوتے جاتے ہوں، یعنی گناہوں سے نفرت، عبادت کی رغبت، قرآن مجید کی عزّت وعظمت آنا شروع ہوجاتی ہو، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع دِل پذیر ہوتا جاتا ہو، ایسے لوگ کبریتِ احمر

ہیں، اگر ایسوں کی صحبت نصیب ہوجائے، تو اس کی محبت، صحبت اور فرمانِ شرعی کی تعمیل کو صدہا دولت وعزّت سے غنیمت جانے۔

وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

اللّٰھم ارزقنا بفضلک وبرحمتک یا ارحم الراحمین

عَلَیْکَ بِأَرْبَابِ الصُّدُوْرِ فَمَنْ غَدَا
مُضَافًا لِأَرْبَابِ الصُّدُوْرِ تَصَدَّرًا

ترجمہ:... ''صاحبِ دِل کی صحبت کو لازم پکڑ، جو صاحبِ دِل کی طرف منسوب ہوا، بڑا بن گیا۔''

اِیَّاکَ اَنْ تَرْضٰی صَحَابَةَ نَاقِصٍ
فَتَنْحَطُّ قَدْرًا مِّنْ عَلَاکَ وَتَحَقَّرًا

ترجمہ:... ''ناقص کی صحبت سے بچ، ورنہ اپنی قدر کو بلندی سے گرائے گا، اور حقیر ہوجائے گا۔''

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰة والسلام علٰی خیر خلقه محمد واٰلهٖ واصحابهٖ

واتباعه اجمعین من الصلوٰة والسلام افضلھما

واکملھما وادومھما

اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم، لا حول ولا

قوة الا باللہ العلی العظیم

۱۴؍شوال ۱۳۸۴ھ